زیر و زبر
ارشد القادری

زلزلہ کے جواب میں لکھی گئی کتابوں کے
تنقیدی جائزہ

زیر و زبر

علامہ ارشد القادری

ناشر
پروگریسو بکس ۴۰- بی، اردو بازار لاہور
فون: ۷۳۵۲۷۹۵

نام کتاب ـــــــــــ

مصنّف ـــــــــــ

پبلشرز ـــــــــــ

بار اوّل ـــــــــــ جنوری

پرنٹرز ـــــــــــ

قیمت ـــــــــــ روپے

ملت پبلی کیشنز ❊ فیصل مسجد اسلام آباد

مکتبہ رضویہ ❊ آرام باغ کراچی

مکتبہ البصیرہ ❊ چھوٹی گھٹی حیدرآباد

احمد بک کارپوریشن ❊ اردو بازار راولپنڈی

مکتبہ امام احمد رضا ❊ غلہ منڈی ساہیوال

مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ ❊ حیدرآباد

باسمہٖ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک ہزار سے زائد احادیث نبویہ، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور مسائل فقہ حنفی پر مشتمل اولین مجموعہ

مؤطا امام محمد علیہ الرحمہ

عربی اردو

تالیف

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تحشیہ

علامہ محمد یسین خاں قصوری نقشبندی

ایم۔اے علوم اسلامیہ۔ فاضل عربی

پروگریسو بکس ○ اردو بازار لاہور

جمشید پور جیل کی ایک خوبصورت یادگار

اعلان کے مطابق اس کتاب کو کئی سال پیشتر منظر عام پر آ جانا چاہیے تھا۔ لیکن غیر معمولی تاخیر کی وجہ کچھ تو میری کاہلی ہے اور کچھ گوناگوں قسم کی مصروفیات ہیں اور سب سے بڑی وجہ ملک کے طول و عرض میں وہ مسلسل اسفار ہیں جو تبلیغی' تنظیمی اور جماعتی مسائل کے سلسلے میں مجھے پیش آتے رہے۔

کئی بار کوشش کی کہ سفر کے دوران تصنیف کا سلسلہ جاری رکھوں۔ لیکن تجربہ یہ ہوا کہ تصنیفی کام کے لئے یکسوئی اور یکجائی شرط اولین ہے۔ ایک بار تنگ آ کر چند دنوں کے لئے میں ساری دنیا سے کٹ کر ایک گوشے میں بیٹھ گیا اور تصنیف کا کام شروع کر دیا۔ ابھی کتاب کا ایک تہائی حصہ ہی مرتب ہو سکا تھا کہ پھر حالات کے دباؤ نے مجھے جماعتی مصروفیات کی طرف دھکیل دیا۔ اس کے بعد کئی بار ارادہ کیا کہ باقی دو حصوں کی ترتیب کا کام شروع کر دوں لیکن امروز و فردا پہ ٹلتے ٹلتے کئی سال بیت گئے۔

یہاں تک کہ اپریل ۷۹ء میں جمشید پور کا وہ قیامت خیز سانحہ پیش آیا۔ جس کی دھمک پوری دنیا میں محسوس کی گئی۔ آگ اور خون کا طوفان تھم جانے کے بعد ہزاروں لٹے پٹے مظلوم مسلمانوں کی امداد آباد کاری کا سوال کھڑا ہو گیا۔ کئی مہینے کے لیے فیض العلوم کی عمارتیں اور آس پاس کے میدان پناہ گزینوں کے کیمپ میں تبدیل ہو گئے۔

ابھی ہماری زندگی کا کھویا ہوا قرار بھی ہمیں واپس نہیں ملا تھا اور اجڑے ہوئے لوگ اپنے اپنے گھروں میں اطمینان کا سانس بھی نہیں لے پائے تھے کہ فرقہ پرستوں

کی سازش سے ۲۸ اگست ۱۹۷۹ء کو دوبارہ پھر فساد پھوٹ پڑا۔ اس بار بھی مدرسہ فیض العلوم کی عمارتوں اور آس پاس کے میدانوں میں کئی ہزار پناہ گزینوں کی بھیڑ جمع ہو گئی اور بہت دنوں تک پھر ہمیں میزبانی کے فرائض انجام دینے پڑے۔

۳۱ اگست کو مسٹر وائی بی چوہان وزیر داخلہ حکومت ہند اور شری فضل الرحمن وزیر محنت حکومت ہند جو نہایت متعصب قسم کے ہمارے مذہبی حریف بھی ہیں۔ جمشید پور آئے فیض العلوم میں پناہ گزینوں کے کیمپ کا بھی انھوں نے معائنہ کیا۔ ان کی واپسی کے تھوڑی دیر ہی کے بعد مجھے لوگوں نے خبر دی کہ بی' ایس' ایف اور سی آر پی کے کئی سو جوان مدرسہ کا محاصرہ کر رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ لوگ میری گرفتاری کے لیے آئے ہیں۔ میں بھی تیار ہو کر اپنے دارالاہتمام میں آ کر بیٹھ گیا اور ان کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس انسپکٹر اپنی فورس کے ساتھ مدرسہ میں داخل ہوئے اور مجھے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد تین گھنٹے تک پورے مدرسہ اور ہوسٹل کی تلاشی لی گئی۔ لیکن کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملی۔ ایک رات حراست میں رکھنے کے بعد دوسرے دن مجھے جیل بھیج دیا گیا۔

جیل کی زندگی

جیل کا تصور ویسے تو بڑا بھیانک ہوتا ہے' لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ تزکیہ نفس' روحانی بالیدگی' ذکر و فکر اور لکھنے پڑھنے کے کام کے لیے سکون اور تنہائی کے جو قابل رشک لمحات یہاں میسر آتے ہیں وہ باہر مشکل ہی سے نصیب ہوتے ہیں۔

یہ بھی خدا کا فضل ہے کہ مجھے جیل میں ہر طرح کی سہولت حاصل ہے۔ ہر روز صبح کو یہاں کے مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پیشتر مجھے کھولدیا جاتا ہے سب سے پہلے میں ضروریات سے فارغ ہو کر غسل کرتا ہوں۔ پھر جیل کے پارک میں ایک امرود کے درخت کے نیچے مصلی بچھا کر نماز فجر ادا کرتا ہوں۔ پھر معمولات و وظائف سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر چہل قدمی کرتا ہوں۔ اس کے بعد میں ناشتہ کر کے تین چار گھنٹے تک

لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں۔

اس سلسلے میں جن کتابوں کی مجھے ضرورت پیش آتی ہے، انہیں اپنے کتب خانہ سے منگوانے میں سوا اس کے اور کوئی دشواری نہیں پیش آتی کہ خفیہ محکمہ سے منظوری حاصل کرنے میں کئی کئی دن صرف ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد دوپہر تک کا وقت ملاقاتوں اور مسلمان قیدیوں کی تذکیرواصلاح میں گزرتا ہے۔ پھر کھانا کھا کر ظہر کی نماز سے فارغ ہوتا ہوں۔ اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتا ہوں۔ پھر عصر سے لے کر عشاء کے بعد تک اسی امرود کے درخت کے نیچے اورادووظائف میں مشغول رہتا ہوں۔

اصلاح و تذکیر کی یومیہ نشستوں کے علاوہ سرکار غریب نواز کی چھٹی شریف اور حضرت صدرالشریعہ مصنف بہار شریعت کے یوم وصال پر محافل میلاد بھی دھوم دھام سے منعقد ہوئیں جن میں مسلمانوں کے علاوہ جیل کے حکام اور دوسرے غیر مسلم حضرات بھی شریک ہوئے۔

وہ وقت بڑا ہی رقت انگیز اور کیف آور تھا۔ جب یا نبی سلام علیک کا نورانی نغمہ جیل کی فصیلوں سے ٹکرایا اور ساری فضا معطر ہو گئی۔ عشاق پر کچھ ایسی کیفیت طاری تھی کہ دل وفا پیشہ نے باور کر لیا کہ سرکار نے اپنی امت کے اسیروں کا سلام ضرور قبول کر لیا۔

کہنے کے لیے مجھے جیل پہنچانے میں ظلم ہی کا ہاتھ ہے۔ لیکن یہ کتنا خوب صورت ظلم ہے جو میرے برسوں کی آرزو کی تکمیل کا ذریعہ بن گیا کہ "زیر و زبر" کا دو تہائی حصہ جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے آج مکمل ہو گیا۔

میری گرفتاری پر نہ صرف اہل سنت کی کل ہند تنظیموں، تعلیمی اداروں اور عوام و خواص نے ملک گیر بے چینیوں کا مظاہرہ کیا بلکہ برصغیر ہند کے طول و عرض میں اردو کے ممتاز اخبارات و رسائل اور بیشتر سیاسی رہنماؤں نے بھی میری گرفتاری کے خلاف کھلے لفظوں میں مذمت کی۔

میں صمیم قلب سے ان سب کی غم گسار ہمدردیوں کا شکر گزار ہوں۔

لیکن یہ بھی زندہ جاوید حقیقت ہے کہ اگر مجھے اسیری کے یہ قابل رشک ایام میسر نہ آئے ہوتے تو "زیروزبر" جیسی یہ خوبصورت، فکر انگیز اور بصیرت افروز کتاب وجود میں نہ آتی، "زیر و زبر" کی تکمیل کے بعد میں "دینی نصاب" کے نام سے عامہ مسلمین کو دین سے روشناس کرانے اور ان کے اندر اسلامی زندگی کی اسپرٹ پیدا کرنے کے لیے ایک نہایت مفید اور جامع کتاب کی ترتیب کا کام شروع کر رہا ہوں۔

اگر قید و بند کی مدت طویل ہو گئی تو جیل ہی میں اسے بھی پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ضرور کوشش کروں گا۔

آج میں نے چالیس دن کا ایک چلہ پورا کر لیا اب یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ اور مجھے کتنے دن یہاں رہنا ہے۔ جب سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں جیل میں نہیں بلکہ اسلام کے مشن پر ہوں تب سے میری نظر میں اسیری کی قدر و قیمت اور بڑھ گئی ہے۔

جیل میں اپنی ملت کے نوجوانوں کی قابل رشک امنگوں اور فلک پیما ہمتوں کا جب جائزہ لیتا ہوں تو بے ساختہ یہ آرزو دل میں مچلنے لگتی ہے کہ ہر نوجوان کو اس طوفان سے آشنا ہو جانا چاہیے

راستہ ایک ہے ہم عشق کے دیوانوں کا
قدوگیسو سے چلے دار و رسن تک پہنچے

اپنے محبوب کا اسیر
ارشد القادری
ساکچی جیل، جمشید پور،
۱۰/ اکتوبر ۷۹ء

خون کی سرخی

غالباً اکتوبر کے شمارہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ایڈیٹر تجلی کے قلم سے یہ جملہ نکل گیا تھا کہ بریلوی حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم حاصل تھا ذاتی تھا کسی کا (یعنی خدا کا) عطا کردہ نہیں تھا۔

اس غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے قارئین تجلی کے سینکڑوں خطوط ہمیں حاصل ہوئے ہیں اور ہم سے اس بات کا ثبوت طلب کیا گیا ہے کہ کس کتاب میں کس بریلوی عالم نے یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم حاصل تھا وہ عطائی نہیں ذاتی تھا۔

اس عرصہ میں ہم نے بریلوی لٹریچر کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ فی الواقع ہم ہی سے غلط بیانی ہو گئی ہے۔ کسی بھی فرقے کی طرف غلط بات منسوب کر دینا انتہائی درجے کی بے احتیاطی ہے۔ خدا ہماری اس بے احتیاطی کو معاف کرے۔

اداریہ ماہنامہ تجلی دیوبند
بابت جنوری ۱۹۷۸ء
ص ۷

اعتراف

ایک مراسلہ منجانب سید بدر عالم نازاں۔ جو گبنی۔ ضلع پورنیہ، بنام مدیر تجلی دیوبند

خدا کا شکر ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے راہ حق پر گامزن ہوں اور ہمیشہ مجھے علماء حق سے محبت اور علماء سوء سے نفرت رہی ہے۔ میں اپنے اکابر کی کتابیں برابر پڑھتا رہا ہوں اور میری خواہش ہے کہ ہمارا محبوب رسالہ تجلی یہاں گھر گھر میں داخل ہو جائے میں نے از خود بہت سے لوگوں سے گذارش کی ہے کہ آپ لوگ ہمارے پاس تجلی کی سالانہ رقم جمع کرا دیں میں دفتر تجلی کو روپیہ روانہ کر دوں گا تاکہ لوگوں کے نام تجلی جاری ہو جائے ابھی صرف چار آدمی تیار ہوئے ہیں اور تجلی کا سالانہ چندہ ہمارے پاس جمع کرا گئے ہیں اور تقریباً چھ آدمی اور تیار ہو گئے ہیں۔

مگر ایک تبلیغی جماعت کے امیر جو مولانا منت اللہ صاحب کے مرید ہیں اور اپنے کو فاضل مدرسہ رحمانیہ مونگیر (بہار) بتلاتے ہیں۔ انہوں نے لوگوں میں یہ شور مچانا شروع کر دیا ہے کہ مولانا عامر عثمانی نے جو تجلی کے سابق ایڈیٹر تھے مولانا ارشد القادری سے دس ہزار روپیہ رشوت لے کر ان کی کتاب "زلزلہ" پر تعریفی تبصرہ کیا تھا اور آخیر میں یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ میں آج سے مسلک دیوبند کو چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ یہ مسلک باطل ہے اور مسلک بریلوی قبول کرتا ہوں۔ جس کو دیکھنا ہے دیکھ لو تجلی ڈاک نمبر۔

میں نے کہا کہ مولوی صاحب آپ کو نقاد اعظم مولانا عامر عثمانی کی شان میں گستاخی کرنے سے کیا فائدہ ہو گا۔ اگر لوگ تجلی کے خریدار بن جائیں گے تو آپ کی

تبلیغی جماعت کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آپ یہ کیوں کہتے پھر رہے ہیں کہ چلہ لگانا اور صرف تبلیغی جماعت کا ساتھ دینا ہی سنت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے تجلی پڑھا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ ہمارے پاس جان چھڑانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ۔ صراط مستقیم، تحذیرالناس، بہشتی زیور، جیسی کتابوں کو چوراہوں پر رکھ کر آگ لگا دی جائے میں نے کہا یہ سب کتابیں کوئی حدیث یا قرآن تو ہیں نہیں۔ کہ مذہب اسلام کی روح کو ٹھیس پہنچے گی۔ مگر مولوی صاحب ہم کو یہ کہہ کر جھوٹا کہتے ہیں کہ یہ تجلی کا چمچہ ہے۔

ایسی ایسی باتیں سن کر یہاں لوگوں میں خلفشار پیدا ہوا ہے کہ جب دیوبند کے اتنے بڑے عالم نے توبہ کر کے بریلوی مسلک قبول کر لیا ہے تو وہی مسلک ٹھیک ہے اور ہمیں اس کی اتباع کرنی چاہیے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کیا کریں اور کس طرح اس خلفشار کو ختم کریں اور ان مولوی صاحب کے ساتھ ہمارا برتاؤ کیا ہو جو تبلیغی جماعت کے امیر ہیں اور عوام میں ایسی بے چینی پھیلا رہے ہیں۔

ص ۵۲: تجلی ستمبر نومبر ۱۹۸۶ء

جواب من جانب مدیر تجلی دیوبند

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب احتیاط اور ذمہ داری نام کی کوئی چیز دنیا میں باقی نہیں رہی ہے۔ تب ہی تو دین و مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی زبان بھی قطعاً" بے لگام ہو کر رہ گئی ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں تولہ بھر بھی خوف آخرت اور خدا ترسی موجود ہوتی ہے وہ بھی زبان چلاتے وقت شاید اتنی بداحتیاطی اور غیرذمہ داری کا مظاہرہ نہ کر سکیں جتنی بداحتیاطی اور دیدہ دلیری کا ثبوت تبلیغی جماعت کے اس رکن نے پیش کیا ہے جو حسن اتفاق سے مولانا منت اللہ صاحب بہاری کے مرید بھی ہیں۔

کسی بزرگ سے مرید ہو جانے اور تبلیغی جماعت میں چلہ کشی کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ نفس کی اصلاح ہو' چہروں پر عاجزی بکھرے دلوں میں نورانیت پیدا ہو اور آدمی اس نفس کی غلامی سے نجات حاصل کرے جو بسا اوقات انسان کو شیطان بنا دیتا ہے۔

لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ موجودہ زمانے میں بزرگوں سے واسطہ قائم کرنے اور تبلیغی جماعت میں درجنوں چلہ دینے کے بعد بھی ہمارے نفسوں کی اصلاح نہیں ہو پاتی ہم چلہ کشی اور وظائف خوانی کے بعد بھی اتنے ہی بد احتیاط غیرذمہ دار اور احتساب آخرت سے بے پرواہ نظر آتے ہیں۔ جتنے تبلیغی جماعت کا رکن بننے اور کسی بزرگ کا حلقہ بگوش ہونے سے پہلے تھے۔

آخر کس کام کی وہ چلہ کشی اور پیری مریدی جو ایک مسلمان کو محتاط اور متقی نہ بنا سکے جو مسلمان کے دل میں خدا کے خوف اور فکر آخرت کا جذبہ پیدا نہ کر سکے جو

دل کو نرمی اور خشیت عطا نہ کر سکے۔

کیا خدا سے ڈرنے والے اور احتساب کا فکر رکھنے والے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جو منہ میں آیا بک دیا اور جو چاہے الزامات دوسروں پر عائد کر دیئے نہ خوف خدا نہ شرم دنیا اور نہ پاس ایمان داری۔

تبلیغی جماعت میں ایسے افلاطون کی تو کمی نہیں جو چلہ کشی اور گشت بازی کو سنت رسول قرار دیتے ہیں اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ سب اسوہ رسول کے ذیل میں درج ہو رہا ہے لیکن ایسے افلاطون سے ملنے کا شرف آج ہمیں پہلی بار ہوا ہے جو دن دھاڑے یہ دعویٰ کرتا ہو کہ فی نفسہ تبلیغی جماعت کا ساتھ دینا بھی سنت اور اسوہ رسول کی اتباع کرنے کے مترادف ہے۔

ایک نیم خواندہ مسلمان بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ سنت فعل رسول کو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ کام جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل اور غیر مستقل طور پر انجام دیا ہو۔ تبلیغی جماعت سے رشتہ قائم کرنے کو سنت قرار دینے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ کہنے والا پس پردہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ بعینہ یہ جماعت آنحضور کے عہد مبارک میں بھی موجود تھی اور آنحضور نے اس سے رشتہ و تعلق قائم کر کے اس کے سنت رسول ہونے کا ثبوت فراہم کیا تھا۔

(چند پیراگراف کے بعد) ہمارے دیوبند میں کتنے ہی دیوبندی ایسے ہیں جو شب برات کے موقعہ پر حلوا بنانے کے قائل ہیں۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ اس قسم کے دیوبندی حضرات کسی نہ کسی دیوبندی عالم اور دیوبندی بزرگ سے وابستہ بیعت بھی ہیں اور بزرگان دیوبند کی مجلسوں میں آمدورفت بھی رکھتے ہیں۔

دامن دیوبند میں بزرگوں کے ان گنت مزار بکھرے ہوئے ہیں اور ان میں کئی مزاروں پر "روشنی" کے عنوان سے چھوٹے موٹے عرس بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں اور ان عرسوں میں ان علماء کے صاحب زادے مٹرگشت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جنہیں دیوبندیوں کی ناک سمجھا جاتا ہے۔

(چند سطروں کے بعد) مولانا عامر عثمانی حق پرستی کے ناطے اس بات کے قائل

تھے کہ حق' حق ہے خواہ وہ غیروں نے اپنا رکھا ہو اور باطل' باطل ہے۔ خواہ وہ اپنوں کی پیشانی کا جھومر بنا ہوا ہو۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اس سفیدی کو حتی الامکان باور کرایا جائے جو دشمن کی دیواروں پر موجود ہے اور کالس کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر سفیدی قرار دینے کی کوشش کی جائے جو دوستوں کی دیواروں پر بکھری ہوئی ہے۔

دنیا کا چکر لگا لیجئے ہر دانش مند اور عدل پسند آدمی کی رائے یہی ہو گی کہ اچھائی بہر حال اچھائی ہے خواہ وہ بیگانوں کی ذات کا جزو ہو اور برائی بہر حال برائی ہے خواہ وہ اپنوں کی شخصیت کا حصہ ہو۔

آپ خود ہی سوچئے کہ جن واقعات کی تردید کرتے ہوئے ہم نے بریلویوں پر یلغار کی ہے' ان سے مناظرے کئے ہیں۔ ان سے دو بدو لڑے ہیں۔ اسی جیسے واقعات اگر بعض بریلوی ذہن رکھنے والے دیوبندیوں نے اپنی تصانیف میں اکٹھے کر دیے ہوں تو کیا ان کی تردید کرنا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے کیا ان پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانا ہی دیوبندی ہونے کی علامت ہے۔

مولانا عامر عثمانی کا جرم فقط یہی تو تھا کہ انہوں نے ان واقعات کو دیوار پر مارنے کی رائے دی تھی جو اپنے بزرگوں کی عظمت واضح کرنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں اور جو اپنے اندر وہی دیومالائی رنگ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے بریلوی مسلک کو ناقص اور گمراہ قرار دیا گیا ہے۔

زلزلہ کے مصنف جناب ارشد القادری نے دیوبندی کتابوں سے کچھ ایسے واقعات نکال کر دکھائے تھے جنہیں ہم ہمیشہ مسترد کرتے آئے ہیں۔ اس چیلنج کے ساتھ کہ ان سے عقائد کے اندر دراڑ پیدا ہوتی ہے۔ ان واقعات کو پڑھنے کے بعد مولانا عامر عثمانی نے ڈاک نمبر میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا وہ لفظ بہ لفظ یہ ہے۔

> "حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی' حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے بزرگ جب فتوے کی زبان میں بات کرتے ہیں تو ان احوال و عقائد کو برملا شرک' کفر اور بدعت و گمراہی قرار دیتے ہیں۔

جن کا تعلق غیب کے علم اور روحانی تصرف اور تصور شیخ اور استمداد بالارواح جیسے امور سے ہے۔ لیکن جب طریقت و تصوف کی زبان میں کلام کرتے ہیں تو یہی سب چیزیں عین امر واقعہ عین کمال ولایت اور عین علامت بزرگی بن جاتی ہیں"۔

(اقتباس ماہنامہ تجلی دیوبند)

(بابت دسمبر و نومبر ۱۹۷۶ء از ص ۵۱ تا ۵۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

الحمد للہ رب العالمین ○ والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین ○

وعلی الہ واصحبہ وحزبہ علیھم اجمعین ○

ابتدائیہ

عنایت خداوندی کی وہ ارجمند گھڑی تھی جب زلزلہ نام کی ایک کتاب لکھنے کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ کون جانتا تھا کہ روشنائی کے چند قطرے سیل رواں بن کر اہل باطل کے مزعومات کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائیں گے اور نوک قلم کا ڈالا ہوا شگاف ہمیشہ کے لیے دشمن کے سینے کا ناسور بن جائے گا اور پھر کسے معلوم تھا کہ ایک مختصر کتاب دیکھتے دیکھتے بحرو بر میں پھیل جائے گی اور ایک چراغ کی لو سے ایمان وعقیدت کے شبستانوں میں لاکھوں چراغ جل اٹھیں گے۔

بلا شبہ یہ سر تا سر احسان ہے اس خالق لوح و قلم کا جس کے دست قدرت میں انسانی قلوب کی کنجیاں ہیں کہ اس نے اپنے حبیب مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و دفاع میں اٹھے ہوئے ایک قلم کو عزت و اقبال کی سربلندی بخشی اور اسے قبول عام کا اعزاز مرحمت فرمایا۔!

اور یہ بھی اسی رحمت کارساز کا تصرف ہے کہ اخلاص و عقیدت کے اس نقش جمیل سے جہاں مومنین کے چہرے یاسمین و نسترن کی طرح کھل اٹھے وہاں اہل باطل کے سلگتے ہوئے جگر کا اضطراب بھی چھپائے نہیں چھپ سکا۔ یہ دیوبند کے مصنوعی مذہب پر ایسی کاری ضرب تھی جس نے مرکزی قیادت کی بنیاد ہلا کر رکھ دی اور زلزلہ کی زد سے اپنے عوام کے بچانے کا سوال ان کے نئے وقت کا سب سے بڑا آزار بن گیا۔

زخموں کی ٹیس

واضح رہے کہ یہ اپنے ہی قلم سے اپنی کتاب کی تحسین نہیں ہے بلکہ ان شکاریوں کا بر ملا اعتراف ہے جنہوں نے اپنی کمین گاہوں کو اپنی آنکھوں سے تباہ ہوتے دیکھا ہے اور جن کے ٹوٹے ہوئے کھنڈرات سے زلزلہ کی قیامت خیزیوں کا ماتم آج بھی صاف سنائی دیتا ہے۔

چنانچہ "بریلوی فتنہ" کا مصنف اپنی جماعت کے ناخدا مولوی منظور نعمانی کی بارگاہ میں زلزلہ کے خلاف استغاثہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

> حال ہی میں ایک صاحب کے ہاتھ میں "زلزلہ" نام کی ایک کتاب نظر پڑی اس کی ورق گردانی کی تو معلوم ہوا کہ بریلوی جماعت کی طرف سے یہ کوئی نئی کتاب لکھی گئی ہے اور اس کا طرز وہ نہیں ہے جو اب تک ان کی کتابوں کا رہا ہے میں نے ان صاحب سے اس کتاب کو ایک دو دن کے لئے لے لیا اور پڑھا۔
>
> میرا احساس یہ ہے کہ یہ کتاب بہت سے لوگوں کے لئے گمراہی اور غلط فہمی کا باعث ہو سکتی ہے۔ یہ قریبا دو سو صفحات کی کتاب ہے اور واقعہ یہ ہے کہ بڑی پر فریب اور زہریلی کتاب ہے۔
>
> (بریلوی فتنہ کا نیا روپ۔ پہلا ایڈیشن ص ۸)
>
> آگے لکھتا ہے:۔
>
> اس کے مصنف کوئی صاحب ارشد القادری ہیں۔ اس کتاب کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس میں وہ بدزبانی اور بدتمیزی بالکل نہیں ہے جو عام طور پر بریلویوں کی کتابوں میں ہوتی ہے۔ تکفیری جارحیت بھی نہیں ہے مگر بڑی پر فریب کتاب ہے۔
>
> میرا اندازہ ہے کہ جو لوگ ان مباحث سے پوری طرح واقف

نہیں ہیں، وہ اس کے فریب کو بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ ہمارے دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسے دینی مدارس کے بہت سے فضلاء بھی اس کے نفاق اور فریب کو نہیں سمجھ سکیں گے۔ (پہلا ایڈیشن ص ۹)

دیکھ رہے ہیں آپ! ذہن کی مرعوبیت کا عالم؟ فکر کی پراگندگی نے کتاب کو چیستان بنا کر رکھ دیا ہے۔ جب اس کا سمجھنا ہی مشکل ہے تو جواب کا مرحلہ کتنا سنگین ہو گا یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اب مولوی منظور نعمانی صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

تمہارا ملفوف خط ملا۔ پچھلے دو تین مہینوں میں مختلف مقامات سے کئی ایسے خطوط آئے جن میں اس کتاب زلزلہ کا تذکرہ تھا۔ میں نے حسب عادت سرسری جواب دے دیا کہ میں اس کتاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور اب اس موضوع کی طرف توجہ کرنے سے معذور سمجھا جائے۔

پھر گذشتہ مہینہ میں جب مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا مدظلہ حجاز مقدس تشریف لے جا رہے تھے تو ان کو رخصت کرنے کے لئے یہ عاجز بھی بمبئی گیا تھا۔ وہاں سے گجرات، سورت، راندیر وغیرہ بھی جانا ہوا تو وہاں بھی بعض حضرات نے اس کتاب کا تذکرہ کیا پھر انہوں نے کہیں سے اس کا ایک نسخہ لا کر مجھے عنایت فرمایا۔

واپسی میں ٹرین میں اسے کچھ دیکھنے کا بھی موقع مل گیا۔ میں نے اس کتاب کو اتنا خطرناک تو نہیں سمجھا جتنا تم نے محسوس کیا ہے۔ لیکن یہ رائے میری بھی ہے کہ اس کے مصنف نے بڑی فنکاری سے کام لیا ہے اور جنگ کے طریقے اور میدان کو بھی

> بدل دینے کی بڑی پر فریب کوشش کی ہے۔ (ص ۱۰)

ہزار احتیاط کے باوجود خط کے بین السطور میں زلزلہ کے خلاف دیوبندی جماعت کی ملک گیر بے چینیوں کو واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے "میں نے اس کو اتنا خطرناک تو نہیں سمجھا جتنا تم نے محسوس کیا ہے" یہ بھی کسی سہمے ہوئے بچے کو تسلی دینے کا ایک جانا پہچانا اسلوب ہے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

> لیکن مجھے تمہاری اس رائے سے اتفاق ہے کہ اس کتاب کا ایسا جواب جو اس کے مصنف کی فنکارانہ فریب کاری کو اچھی طرح ظاہر کردے ضروری ہے۔ (ص ۴۳)

پھر بریلوی فتنے کے یہی مصنف اپنی اسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں "زلزلہ" کی اثر پذیریوں کی بابت کھل کر اعتراف کرتے ہیں۔

> سارے ملک میں اس کتاب کے اثر سے علماء دیوبند کے بارے میں سخت بدگمانیاں پھیلنے لگی تھیں۔ (ص ۹ نیا ایڈیشن)

ماہنامہ تجلی دیوبند کے آنجہانی ایڈیٹر کا یہ اعتراف بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

> بات یقیناً تشویش ناک ہے۔ مصنف نے ایسا ہرگز نہیں کیا ہے کہ اِدھر اُدھر سے چھوٹے موٹے فقرے لے کر ان سے مطالب پیدا کئے ہوں۔ بلکہ پوری پوری عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی طرف سے ہرگز کوئی معنی پیدا نہیں کئے ہیں۔ ہم اگرچہ حلقہ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامتہ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کرسکتا جو اس کتاب کے مشمولات متعدد بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

> مگر یہ کتاب "زلزلہ" جو نقد جواب طلب کر رہی ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کی صورت آخر کیا ہو گی۔ اپنی کسی غلطی کو تسلیم کرنا تو ہمارے آج کے بزرگان دیوبند نے سیکھا ہی نہیں۔ انہوں نے صرف یہ سیکھا ہے کہ اپنی کہے جاؤ اور کسی کی مت سنو۔ انشاء اللہ اس کتاب کے ساتھ ان کا سلوک اس سے مختلف نہیں ہو گا۔ (تجلی ڈاک نمبر)

اب اخیر میں زلزلہ کی بابت "فاران" کراچی کے ایڈیٹر جناب ماہر القادری کے بھی یہ گراں قدر تاثرات ملاحظہ فرمایئے۔

> مولانا ارشد القادری نے زلزلہ نام کی کتاب مرتب فرمائی ہے۔ جس میں تصنیف و تالیف اور استدلال کا بڑا سلیقہ پایا جاتا ہے۔ زبان اور اظہار بھی ادیبانہ ہے۔ (ص ۳۲ فاران فروری ۱۹۷۷ء)

دیوبندی اکابر کے ملفوظات سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> دیوبند کے اکابر کے ملفوظات، دیوبند کے اصل عقائد نہیں ہیں۔ ان ملفوظات کے جو اقتباسات زلزلہ میں دیئے ہیں ہم ان سے اپنی برات کا اظہار کرتے ہیں۔ (ص ۳۶ فاران)

یہ اقتباسات بھی خصوصی توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ تحریر سے حسرت ناکام کا خون ٹپک رہا ہے۔

> مولانا عامر عثمانی مرحوم مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند کے مشورے پر اگر علمائے دیوبند عمل کرتے اور اپنے اکابر کے غلط اقوال سے اظہار برات فرما دیتے تو زلزلہ نام کی کتاب وجود میں نہ آتی۔
>
> (ص ۳۲ فاران)

قلوب و اذہان میں زلزلہ کے فکر انگیز تاثرات کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

> زلزلہ ہاں! ایک کارنامہ انجام دے سکتی ہے۔ یہ کہ جو مسلمان بدعات میں مبتلا ہیں اور شرک آمیز عقائد رکھتے ہیں وہ اس کتاب کو پڑھ کر اپنے مسلک ضلال پر اور زیادہ مستحکم اور ثابت قدم ہو جائیں اور جو حضرات بدعات میں مبتلا نہیں ہیں وہ علمائے دیوبند کی تحریروں کے اقتباسات پڑھ کر متزلزل ہو جائیں۔
> (ص ۴۵ فاران کراچی فروری ۷۷ء)

زلزلہ کے جواب میں چھ کتابیں

زلزلہ کا یہی وہ رد عمل تھا جس نے پوری دیوبندی جماعت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ زلزلہ کی زد سے اپنے عوام کو بچانے کا سوال ارباب حل و عقد کے لئے اتنا سنگین ہو گیا کہ ایک بار مدیر تجلی فرط اضطراب میں اپنے چارہ گروں کو یوں للکارنے پر مجبور ہو گئے۔

> ہم تو جب جانیں کہ ہمارے دارالعلوم کے کوئی بلند قامت مناظر اور علامہ ان تعریضات کا جواب لائیں جو زلزلہ نامی کتاب میں جمع کی گئی ہیں۔ مولانا ارشاد ہی یہ کام کر دیں تو ان کی کلاہ افتخار میں چار چاند لگ جائیں گے۔ (تجلی مئی ۱۹۷۴ء ص ۹۵)

بچارے "مولانا ارشاد" کے پاس کلاہ افتخار ہی کہاں تھی جس میں چار چاند لگتے۔ نام لے کر پکارے جانے کے باوجود پتھر کے بت کی طرح خاموش رہے اور آج تک خاموش ہیں۔ البتہ دارالعلوم دیوبند کے کئی ممتاز اساتذہ اور دارالافتاء کے متعدد ماہرین سر جوڑ کر بیٹھے اور نو ماہ کی عرق ریزی اور جاں فشانی کے بعد زلزلہ کے جواب میں "انکشاف" نام کی ایک کتاب لکھی جو اپریل ۱۹۷۴ء میں دیوبند سے شائع ہوئی۔

اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ اور دیوبندی مذہب کے مایہ ناز مناظر مولوی منظور صاحب نعمانی کی سرکردگی میں "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" کے نام سے زلزلہ کے جواب میں دوسری کتاب مرتب ہوئی جو اگست ۱۹۷۴ء میں ادارہ الفرقان

لکھنؤ سے منظر عام پر آئی۔

اس کے بعد پاکستان کے دیوبندی علماء کو متحدہ کوششوں سے زلزلہ کے جواب میں "سیف حقانی" کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی جو جوتا مارکیٹ کراچی میں ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔

اس کے بعد دیوبندی مذہب فکر کے نوجوان علماء مشرقی یوپی سے اٹھے اور زلزلہ کے جواب میں چوتھی کتاب بنام "زلزلہ در زلزلہ" مرتب فرمائی جو مبارک پور سے نومبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔

اس کے بعد برطانیہ کے مولوی خالد محمود نے "دھماکہ" کے نام سے زلزلہ کے جواب میں پانچویں کتاب مرتب فرمائی جو ۱۹۷۶ء میں دارالاشاعت کراچی سے شائع ہوئی۔

اسی ضمن میں ضلع لکھیم پور کھیری سے ایک فاضل دیوبند اٹھے اور انہوں نے زلزلہ پر زلزلہ کے نام سے چوبیس صفحے کا ایک کتابچہ رائپور سے شائع کیا۔

زلزلہ کے جواب میں یہ وہ چھ کتابیں ہیں جو مجھے دستیاب ہو گئی ہیں لیکن وہ کتب اور رسائل جواب تک ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے ہیں ان کا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے کہ وہ کتنے ہیں۔

بہرحال ایک کتاب کے جواب میں چھ کتابوں کا پے بہ پے منظر عام پر آنا واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ دیوبند برادری میں زلزلہ کے جواب کی اہمیت بالکل ایسی ہی تھی جیسے ہمالہ کی چوٹی کوئی سر کر لے۔ اس طرح دیوبندی اہل قلم کے لئے شہرت و ناموری حاصل کرنے کا یہ ایک نہایت زرین موقع تھا کہ وہ زلزلہ کے مجیب کی حیثیت سے اپنی جماعت میں نمایاں ہو جائیں۔ بلکہ دیوبندی برادری میں زلزلہ کے جواب کا اعزاز اتنا گراں قدر سمجھا جانے لگا تھا کہ چھ میں سے تین کتابیں تو ایسی ہیں کہ ان کے سرورق پر زلزلہ کے جواب کا صرف سائن بورڈ ہی ہے۔ ورق الٹئے تو زلزلہ کے اٹھائے ہوئے مباحث کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں ہے۔ ان کتابوں کے

مصنفین نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ سائن بورڈ ہی لگا کر شہیدوں میں اپنا نام لکھوا لیں۔

البتہ تین کتابیں ایسی ہیں جنہوں نے غلط سلط جیسے بھی بن پڑا ہے زلزلہ کے مباحث کو چھونے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ تو آنے والے اوراق ہی بتائیں گے کہ انہوں نے جواب دے کر گلوخلاصی کی ہے یا اپنی گردنوں کے لئے اور نئے پھندے تیار کئے ہیں۔

وہ تین کتابیں یہ ہیں:۔ (۱) انکشاف (۲) بریلوی فتنہ کا نیا روپ (۳) زلزلہ در زلزلہ۔

واضح رہے کہ آنے والے اوراق میں میری جوابی تحریر کا تعلق انہی تین کتابوں سے ہے۔ باقی کتابوں کا تعلق چونکہ زلزلہ کے مباحث سے نہیں ہے اس لئے میں نے ان کتابوں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ البتہ توفیق ایزدی اگر شامل حال رہی تو ان کے جارحانہ حملوں کے دفاع میں ایک مستقل تصنیف کر کے فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کروں گا۔

"میری یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں "انکشاف" کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں "بریلوی فتنہ" کا محاسبہ کیا گیا ہے اور تیسرے باب کا تعلق "زلزلہ ور زلزلہ" کے رد و ابطال سے ہے"۔

"زیر و زبر" کا مطالعہ کرتے وقت تین باتیں آپ خاص طور پر محسوس فرمائیں گے۔

۱۔ گالیوں، دشنام طرازیوں اور اہانت آمیز تحریروں کا جواب دیتے ہوئے بھی ہم نے کہیں اپنی تحریر میں "جواب آں غزل" کا رنگ نہیں پیدا ہونے دیا ہے خوب صورت طنز اور خوش گوار استعارات و کنایات کے علاوہ کسی جگہ بھی قلم کی شرافت اور زبان کا وقار مجروح نہیں ہوا ہے۔

۲۔ دشمن کے حملوں کا دفاع کرنے کے لئے ہم نے باہر کا کوئی ہتھیار استعمال

نہیں کیا ہے۔ ان کی دلیلوں کو توڑنے' ان کے جوابات کو مسمار کرنے اور ان کی غلط بیانیوں کا پردہ چاک کرنے کے لئے ہم نے انہی کی تحریروں سے "تیغ و سپر" کا کام کیا ہے۔

یہیں سے آپ پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ زلزلہ کے جواب میں لکھی ہوئی کتابیں اپنے مواد کے لحاظ سے کس درجہ نقائص و اغلاط اور قلم کی ناتجربہ کاریوں پر مشتمل ہیں۔

۳۔ ہم نے پوری کتاب میں ایک مجیب کی حیثیت سے موضوع بحث کے دائرے کا احترام بہرحال ملحوظ رکھا ہے اور اپنے حریفوں کے خلاف قارئین کو مشتعل کرنے کے لئے قطعاً کوئی ایسی بحث نہیں چھیڑی ہے جسے جارحانہ حملے سے تعبیر کی جائے۔

آئینہ آئینہ سہی لیکن
ترے پندار کا جواب تو ہے

ارشد القادری

مکتبہ جام نور — جمشید پور۔ (بہار)
۲۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء — مطابق ۱۳۹۸ھ

انکشاف کا تنقیدی جائزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

پہلی بحث
دلائل کے بیان میں

انکشاف نام کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو زلزلہ کے جواب میں دیوبند سے شائع ہوئی ہے۔ بچکانہ طرز تحریر، فکر و ذہن کی ناپختگی اور مضحکہ خیز بحث و استدلال کے لحاظ سے یہ کتاب ہرگز اس قابل نہیں تھی کہ تنقیدی جائزے کے ضمن میں اس کا نام بھی لیا جاتا لیکن اس بدنصیبی کو کیا کیجئے گا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے مرکزی دارالافتاء کے عمائدین نے اس کتاب کو ایک قابل اعتماد دستاویز کی حیثیت سے اپنی قوم کے سامنے پیش کیا ہے اور اس کی ثقاہت پر اپنی مہر توثیق ثبت کر کے کتاب کے مندرجات کا اپنے آپ کو جواب دہ ٹھہرا لیا ہے۔

اس لئے آنے والے مباحث میں اصولی طور پر میرا روئے سخن قطعاً" مفتیان دیوبند کی طرف ہو گا۔ اور یہ تنہا میرے ہی مطالعہ کا ردعمل نہیں ہے بلکہ مدیر تجلی مولانا عامر عثمانی نے بھی اپنے تبصرہ میں یہی موقف اختیار کیا ہے جیسا کہ انکشاف پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

> "انکشاف" کے آغاز میں حلقہ دیوبند کے تین نمائندوں کی تقریظیں موجود ہیں۔
>
> (۱) محترم مولانا حامد الانصاری غازی، (۲) محترم مفتی احمد علی سعید (۳) محترم مفتی ظفیرالدین۔ ان تینوں حضرات نے کتاب کو سراہا ہے اور اسے جہل کے بالمقابل علم سے تعبیر کیا ہے۔

اب ہم جو کچھ عرض کریں گے اس کا روئے سخن ان اساتذہ ہی کی طرف ہو گا۔ (تجلی دیوبند بابت نومبر ۷۲ء ص ۷۸)

پہلے اسے پڑھ لیجئے

اصل بحث کا آغاز کرنے سے قبل صحیح سمت میں فکر کی پیش قدمی کے لئے مندرجہ ذیل نکات کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔

ا۔ آنے والے اوراق میں آپ انکشاف کے اقتباسات پڑھ کر سخت گھٹن محسوس کریں گے۔ اکثر مقامات پر غیر مہذب اور دل آزار حملوں سے آپ کا ذوق لطیف مجروح بھی ہو گا۔ اور زبان و ادب' اردو کے محاورے تذکیر و تانیث کی فاش غلطیوں اور مہمل فقروں سے تو پوری کتاب ہی داغدار نظر آئے گی لیکن دل پر جبر کر کے انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ اقتباسات کی ایک ایک سطر آپ کو پڑھنی ہے تاکہ علم اور جہل' شرافت و دناءت اور اندھیرے اور اجالے کے درمیان آپ واضح طور پر ایک خط فاصل کھینچ سکیں۔

مدیر تجلی مولانا عامر عثمانی بھی کرب کی اس منزل سے ایک بار گزر چکے ہیں۔ ان کے مطالعہ کا رد عمل انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

انکشاف پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

کوئی بھی سلیم الطبع اور ذی فہم قاری ان کی کتاب سے سوائے پراگندہ خیالی اور تحیر کے کچھ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔ بلکہ حسن انشاء کا ذوق رکھنے والے تو شاید دس پانچ ورق سے زیادہ پڑھ ہی نہ سکیں۔ (تجلی نومبر ۱۹۷۲ء ص ۷۸)

نگاہوں پر بوجھ نہ ہو تو زلزلہ کی شریف و سنجیدہ اور طیب و طاہر زبان کے جواب میں مفتیان دیوبند نے جو زبان استعمال فرمائی ہے ذرا اس کے بھی چند نمونے ملاحظہ فرمالیں۔

انکشاف کی زبان

☆ مولانا ارشاد القادری نے علماء حق اکابر دیوبند پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے جو کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ ہمیشہ سے علماء سو ابلیس کے شاگرد کی یہ عادت رہی ہے۔

(انکشاف ص ۱۰)

☆ افسوس مولانا ارشد القادری کی فریب کاری اور افترا پردازی پر اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہو گا۔ (ص ۱۳)

☆ مولف بھی اسی گروہ کے ایک فرد ہیں جن کا وجود مذہب اسلام کے لئے ہمیشہ باعث ننگ و عار رہا ہے۔ (ص ۶۰)

☆ اور (مولف زلزلہ نے) ایک خالص اسلامی کلام میں کفر کے معنی ڈال کر ابلیس کی ذریت کو بڑھا کر اپنا حلقہ وسیع کرنے کی ایک ذلیل اور ناخدا ترس حرکت کی ہے۔ (ص ۹۰)

☆ ارشد القادری کا جاہلانہ فیصلہ۔ (ص ۹۲)

☆ اپنی جہالت کی ایک شرمناک مثال پیش کی ہے۔ (ص ۹۵)

☆ قادری صاحب کے مکرو فریب کے انبار میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ (ص ۱۲۵)

☆ مولف کے اس قاعدہ میں کس قدر جہالت و سفاہت ٹپکتی ہے۔ (ص ۳۵)

☆ ان حضرات کو بدنام کرنے کی ذلیل و جاہلانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ (ص ۲۵۸)

یہ ہے وہ زبان جو دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کے سایہ میں پروان چڑھی ہے اور ماتم یہ ہے کہ مہذب گالیوں پر مشتمل یہ زبان اس کتاب کے جواب میں استعمال کی گئی ہے جس کی زبان و بیان کی شرافت و پاکیزگی کا دیوبندی جماعت کے اصاغر و اکابر سبھی نے اعتراف کیا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

۲۔ زلزلہ میں تصویر کے پہلے اور دوسرے رخ میں دیوبندی لٹریچر سے جن کتابوں کے حوالے دیے گئے تھے' جواب میں مفتیان دیوبند نے ان میں سے کسی کتاب کے متعلق یہ نہیں کہا ہے کہ وہ ہماری کتاب نہیں ہے یا ہم اس پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس طرح انہوں نے واضح طور پر اس حقیقت کو تسلیم کرلیا ہے کہ زلزلہ میں جن بنیادوں پر ان کے خلاف الزامات قائم کئے گئے ہیں وہ قطعاً" صحیح اور واقعہ کے عین مطابق ہیں۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ ان پر الزامات کی بنیاد بھی رکھی جا سکتی ہے یا نہیں تو اس کا فیصلہ آنے والے اوراق کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ خود ہی کرلیں گے۔

۳۔ جواب میں تضاد کا الزام اٹھانے کے بجائے مفتیان دیوبند نے تصویر کے دوسرے رخ میں بیان کردہ واقعات کو دلائل و براہین سے صحیح ثابت کرنے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے۔ لیکن اپنے بزرگوں کی عقیدت کے خمار میں یہ نکتہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے کہ ان کی کتابوں میں صرف واقعات ہی نہیں ہیں بلکہ عین مخالف سمت میں ایک مسلک بھی ہے۔ اس طرح انہوں نے زلزلہ کے موقف کی تائید میں اتنے مواد جمع کردیئے ہیں کہ مجھے ان کا شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا ہے۔

علم و فن کی تاریخ میں "انکشاف" نام کی یہ پہلی کتاب ہے' جس نے "دوست" کا نہیں "دشمن" کا دفاع کیا ہے اب اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ کتاب مرتب کرنے والوں میں تصنیفی شعور اور فکری بصیرت کا فقدان تھا یا پھر انہوں نے زلزلہ کے الزامات کا گہرا مطالعہ کئے بغیر صرف مصنف بننے کے شوق میں ایک کتاب لکھ ڈالی ہے۔

زلزلہ کا موقف یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے حق میں جن عقیدوں کو علمائے دیوبند کفر اور شرک قرار دیتے ہیں وہی عقیدے اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں وہ عین اسلام سمجھتے ہیں۔ اسی مفہوم کو تصویر کے پہلے اور دوسرے رخ میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

زلزلہ کا یہ موقف ذہن نشین کرلینے کے بعد اب آپ انصاف کی مشعل ہاتھ

میں لے کر ان دلائل کا بے لاگ مطالعہ فرمائیں جو مفتیان دیوبند نے اپنے بزرگوں میں غیبی مشاہدہ کی قوت ثابت کرنے کے لئے فراہم کئے ہیں۔ آپ کا دل اگر جانب داری کے الزام میں ملوث نہیں ہے تو مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے وفائی نہیں کریں گے۔

پہلی دلیل

سب سے پہلے آپ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت علم و ادراک کے متعلق دیوبندی جماعت کا یہ بنیادی عقیدہ ملاحظہ فرمائیں۔

> کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں کے دل میں کیا ہے' یا فلاں کی شادی کب ہو گی یا فلاں درخت کے کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے ستارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول ہی جانے۔
>
> (تقویتہ الایمان ص ۸۵ زلزلہ ص ۵۶)

سلیس اردو زبان میں بغیر کسی پیچ و خم کے یہ عبارت اپنا یہ مفہوم واضح کرتی ہے کہ اس بات کا علم کہ فلاں کے دل میں کیا ہے' علم غیب ہے۔ اس بات کا علم کہ فلاں کی شادی کب ہو گی' علم غیب ہے۔ اس بات کا علم کہ فلاں درخت میں کتنے پتے یا آسمان میں کتنے تارے ہیں' علم غیب ہے اور یہ بھی واضح کرتی ہے کہ ان ساری باتوں کا علم خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ رسول کو ان باتوں کی قطعاً" خبر نہیں۔ جو رسول کے لئے اسی طرح کا علم تسلیم کرتا ہے وہ رسول کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے اور اسی کا نام شرک ہے۔

ایک طرف رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دیوبندی مذہب کا یہ عقیدہ نظر میں رکھئے اور دوسری طرف اپنے بزرگوں کے بارے میں مفتیان دیوبند کا یہ اعتراف ملاحظہ فرمائیے۔

> دنیا جانتی ہے کہ اکابر دیوبند جیسے حضرت مولانا نانوی' حضرت

> مولانا گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب، حضرت مولانا محمود الحسن وغیرہ اپنے زمانے کے عالم و محدث ہی نہیں تھے بلکہ باطنی علوم کے بھی بہت ... سے امین محافظ تھے۔ (انکشاف ص ۲۴)

جانتے ہیں یہ "علوم باطنی" کیا ہیں؟ وہی علوم جو کسی کو مخفیات اور باطنی احوال سے باخبر کرتے ہیں۔ اب ذرا آگے یہی اعتراف صراحت کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> یہ حضرات اکابر اپنے قلوب کے تصفیے کی وجہ سے انوار تجلیات اور عالم مثال کا بے حجاب مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا کرتے تھے۔ (انکشاف ص ۲۴)

یعنی بالکل اسی طرح جس طرح ہم اپنے ماتھے کی آنکھوں سے محسوسات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

غور فرمایئے! زلزلہ میں دیوبندی مذہب فکر کے رہنماؤں پر اس کے علاوہ اور ہمارا الزام ہی کیا تھا کہ وہ اپنے گھر کے بزرگوں کے بارے میں جس قوت مشاہدہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اس سے کم درجے کی قوت بھی وہ رسول کے لئے تسلیم کرنا شرک سمجھتے ہیں۔ یہاں آپ نے اس کا زندہ ثبوت دیکھ لیا اور خدا نے توفیق بخشی تو آنے والے صفحات میں اس سے بھی زیادہ واضح ثبوت آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

درخت کے پتے، آسمان کے تارے، شادی کا وقت اور دل کی بات یہ ساری چیزیں اسی عالم محسوسات سے تعلق رکھتی ہیں لیکن "تقویۃ الایمان" کی صراحت کے مطابق رسول کو تو اس عالم محسوسات کی بھی خبر نہیں ہے لیکن گھر کے بزرگوں کے حق میں عقیدے کی زبان یہ ہے کہ وہ نہ صرف عالم محسوسات بلکہ عالم مثال اور عالم تجلیات کا، جس کا تعلق عالم غیب سے ہے، بے حجاب مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا کرتے تھے۔ ایک معمولی ذہن کا آدمی بھی اتنی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ جب تک آنکھوں میں غیب دیکھنے والی قوت موجود نہ ہو عالم غیب کا بے حجاب مشاہدہ کیونکر عمل

جا سکتا ہے۔

اور ستم یہ ہے کہ ہم رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھپی ہوئی باتوں کا علم خدا کی عطا سے بھی تسلیم کریں تو شرک کے الزام میں لائق گردن زدنی ٹھہرائے جائیں۔ جیسا کہ صاحب "تقویتہ الایمان" نے صراحت فرمائی ہے کہ "پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دیئے سے غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوگا"۔

لیکن گھر کے بزرگوں کے بارے میں عقیدے کا یہ تیور آپ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ عالم غیب کے بے حجاب مشاہدہ کی یہ قوت انہیں خدا کی عطا سے نہیں بلکہ قلوب کے تصفیے کی وجہ سے حاصل ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ہماری مظلومی قابل داد ہے یا نہیں؟ ہم شرک کی جڑ کاٹ دیں جب بھی شرک کے الزام سے چھٹکارا نہیں وہ شرک کی آبیاری کریں تو روئے زمین کے سب سے بڑے موحد ہیں۔

اپنے گھر کے بزرگوں میں غیبی قوت مشاہدہ کا جو عقیدہ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں، اس کی تائید میں انکشاف کے مصنفین نے آنے والے اوراق میں دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ ان کا جذبہ طلب بہرحال قابل ستائش ہے کہ انہوں نے اپنے بزرگوں میں باطنی علم و ادراک کی قوت ثابت کرنے کے لئے سارے جہاں کی خاک چھان ڈالی ہے کاش اس محنت شاقہ کا ہزاروں حصہ بھی انہوں نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں صرف کیا ہوتا تو اظہار شکایت کے لئے "زلزلہ" نام کی کتاب لکھنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی۔

اب عین مخالف سمت میں ایک مسلک کے ہوتے ہوئے انکشاف کے مصنفین کو ان دلائل سے کیا فائدہ پہنچا ہے یہ تو آنے والے صفحات ہی بتائیں گے لیکن دلائل فراہم کر کے وہ اس رخ سے ضرور بے نقاب ہو گئے ہیں کہ اپنے گھر کے بزرگوں کو غیب داں ثابت کرنے کے لئے وہ رائی کا پہاڑ بنا سکتے ہیں۔ لیکن اپنے

رسول کے مقام علم و ادراک کے سوال پر سامنے کا پہاڑ بھی انہیں نظر نہیں آتا۔

دوسری دلیل

"اصطلاحات صوفیہ" نام کی کسی غیر معروف کتاب کے حوالے سے اپنے بزرگوں میں غیبی مشاہدہ کی قوت ثابت کرنے کے لئے مفتیان دیوبند کی یہ دوسری دلیل ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> "پوشیدہ باتوں کا معلوم کرنا کشف ہے۔ اس کی دو قسم ہے۔ کشف صغریٰ، کشف کبریٰ، کشف صغریٰ کو کشف کونی بھی کہتے ہیں۔ یعنی سالک اپنی قلبی توجہ سے زمین و آسمان، ملائکہ، ارواح، اہل قبور، عرش کرسی، لوح محفوظ الغرض دونوں جہاں کا حال معلوم کر لے اور مشاہدہ کر لے۔

(اصطلاحات صوفیہ ص ۳۶، انکشاف ص ۳۵)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ آنکھوں سے لہو کی بوند ٹپکنے کی بات ہے یا نہیں؟ اگر اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں یہ عقیدہ قرآن و سنت کے مطابق ہے کہ وہ اپنی قلبی توجہ سے زمین و آسمان، ملائکہ، ارواح، اہل قبور، عرش کرسی، لوح محفوظ الغرض دونوں جہاں کے احوال معلوم کر لیتے ہیں تو پھر آپ ہی بتایئے کہ اس کے بعد اب کون سا علم باقی رہ جاتا ہے جس پر شرک کا حکم لگایا جائے گا۔

حالات کی کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف تو یہ حضرات صرف قلبی توجہ سے دونوں جہاں کی پوشیدہ باتوں کے معلوم کر لینے کی لامحدود قوت اپنے گھر کے بزرگوں میں تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف امام الانبیاء کے حق میں عقیدے کی زبان یہ استعمال کرتے ہیں کہ:۔

> کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں کے دل میں کیا ہے، فلاں کی شادی کب ہو گی۔ یا فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے ستارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و

رسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے' رسول کو کیا خبر؟ (تقویتہ الایمان ص ۵۸)

اب اہل انصاف ہی فیصلہ کریں کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تقویتہ الایمان کا یہ عقیدہ اور گھر کے بزرگوں کے لئے مفتیان دیوبند کا وہ تازہ اعتراف' یہ دونوں مل کر اعتقاد عمل کا تضاد ثابت کرتے ہیں یا نہیں؟

اور یہیں سے یہ مشہور الزام بھی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے یا نہیں کہ اپنے بزرگوں کے حق میں وہ کتنے فراخ دل اور اپنے نبی کے بارے میں کس درجے تنگ نظر واقع ہوئے ہیں۔

شرک ہی سے اگر نفرت تھی تو دونوں جہاں کے احوال کے مقابلے میں صرف دل کی بات' آسمان کے تارے اور درخت کے پتوں کی کیا حقیقت ہے یہ تو دونوں جہاں کے احوال کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہیں لہٰذا ان چند چیزوں کا علم اگر نبی کے حق میں شرک تھا تو اس سے بھی لاکھ گونہ بڑا شرک اپنے بزرگوں کے حق میں کیونکر گوارا کر لیا گیا۔

اب اس کھلی ہوئی بے انصافی کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے اور بیگانے کا فرق دل ہی تک محدود نہیں رہتا' زبان اور قلم کی حدود عمل میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔ اب میں نفاق و اخلاص کے اس دوراہے پر آپ سے آپ ہی کے ضمیر کا فیصلہ چاہوں گا۔

ایک مغالطہ کا جواب

مفتیان دیوبند اور ان کی جماعت کے دیگر مصنفین نے "زلزلہ" کے الزامات سے گلوخلاصی کے لئے بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے انبیاء اولیاء کے لئے "علم غیب" کا انکار کیا ہے کشف کا انکار نہیں کیا ہے اور ہمارے بزرگوں کے متعلق جو واقعات ہماری کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں ان کا تعلق کشف سے ہے علم غیب سے نہیں ہے اس لئے ہمارے اعتقاد عمل کے درمیان تضاد کا الزام

قطعاً" بے بنیاد اور غلط ہے۔

اس مغالطہ کا تفصیلی جواب تو ہم دوسرے باب میں دیں گے یہاں اختصار کے ساتھ صرف اتنا اشارہ کافی سمجھتے ہیں کہ ہمارے اور اہل دیوبند کے درمیان اصل جھگڑا چھپی ہوئی باتوں کے علم کا ہے۔ اس بات کا نہیں ہے کہ اس علم کو کشف کہا جائے گا یا علم غیب؟ تاہم اس وضاحت کے بعد بھی اگر دیوبندی مصنفین کو اس بات پر اصرار ہے کہ "علم غیب" کا لفظ ہی بنائے اختلاف ہے اور کسی دوسرے الفاظ میں چھپی ہوئی باتوں کے علم کا کوئی مدعی ہو تو اس پر کوئی الزام نہیں ہے تو میں عرض کروں گا کہ تقویتہ الایمان آپ ہی کے گھر کی کتاب ہے اس کی اس عبارت کو حکم مان لیجئے۔ ہمارا آپ کا فیصلہ آسانی سے ہو جائے گا۔ وہ عبارت یہ ہے۔

> سوجو کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور و نزدیک سے پکارا کرے اور بلا کے مقابلہ میں اس کی دہائی دیوے اور دشمن پر اس کا نام لے کر حملہ کرے اور اس کے نام کا ختم پڑھے یا شغل کرے یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ میں اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جو مجھ پر احوال گزرتے ہیں جیسے بیماری، تندرستی و کشائش و تنگی و مرنا و جینا، غم و خوشی سب کی ہر وقت اسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے تو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔
>
> (تقویتہ الایمان ص ۱۰)

بتایئے اس عبارت میں علم غیب کا لفظ کہاں ہے۔ اگر چھپی ہوئی باتوں کا علم بنائے اختلاف نہیں ہے تو شرک کا حکم کس چیز پر لگایا گیا ہے اور عبارت میں اس امر

کی بھی کوئی صراحت موجود نہیں ہے کہ ان چھپی ہوئی باتوں کا علم کشف کے ذریعہ ہو تو جائز ہے اور علم غیب کے ذریعہ ہو تو شرک ہے بلکہ شرک کا جو حکم بھی لگایا گیا ہے چھپی ہوئی باتوں کے علم پر لگایا گیا ہے جو کشف کو بھی شامل ہے اور علم غیب کو بھی۔ لہذا یہ کہنا کہ کشف کے ذریعہ چھپی ہوئی باتوں کے علم کا دعویٰ ہم جائز سمجھتے ہیں اپنے اکابر کے مسلک سے کھلا ہوا انحراف ہے اور اسی کا نام اعتقاد و عمل کا تضاد ہے۔

یہی الزام زلزلہ میں بار بار دہرایا گیا ہے لیکن آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اس الزام کو اٹھانے کے بجائے مفتیان دیوبند مختلف طریقوں سے اس الزام کی توثیق فرما رہے ہیں۔

اب اس بحث کے اخیر میں "اصطلاحات صوفیہ" والی عبارت پر ذرا دیوبند کے مدیر تجلی کا بھی تبصرہ پڑھ لیجئے کہ وہ گھر کی آواز ہے۔ انکشاف پر تبصرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

> اس کا مطلب یہ ہے کہ فقط بریلویوں ہی کے نزدیک نہیں، دیوبندیوں کے نزدیک بھی سالک کی قلبی توجہ کی زد اور حیطہ عمل سے عرش و کرسی اور لوح محفوظ بھی باہر نہیں ہیں۔ دونوں جہان کا حال صرف معلوم ہی نہیں کرتا، مشاہدہ بھی کرتا ہے۔
>
> ہم اساتذہ دیوبند سے دریافت کرتے ہیں کہ قرآن و سنت میں اس کی کیا بنیاد ہے۔ کوئی آیت یا حدیث ایسی پیش فرمایئے جس سے اس دعوے اور رائے کی تصدیق ہو سکے۔
>
> تجلی بابت نومبر ۱۹۶۷ء ص ۷۹

تیسری دلیل

پچھلے صفحات میں اصطلاحات صوفیہ کے حوالہ سے آپ مفتیان دیوبند کا بیان پڑھ چکے ہیں کہ کشف کی دو قسمیں ہیں۔ کشف صغریٰ، کشف کبریٰ، صغریٰ کا حال پڑھ چکے ہیں۔ اب کبریٰ کا حال پڑھیئے۔

ارشاد فرماتے ہیں:۔

کشف کبریٰ اس کو کشف الٰہی بھی کہتے ہیں۔ یعنی ذات حق سبحانہ کا مشاہدہ اور معائنہ ہو جانا اور جملہ حجابات اور اعتبارات کا اٹھ جانا اور نور بصیرت سے خلق کو عین حق اور حق کو عین خلق دیکھنا۔ سالک کا مقصود اصلی یہی کشف ہے۔
(اصطلاحات صوفیہ ص ۱۳۰ انکشاف ص ۳۶)

مفتیان دیوبند اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اس واضح تفصیل سے آپ کے شبہات یقیناً زائل ہو گئے ہوں گے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اکابر دیوبند بلکہ تمام اولیاء اللہ کشف کبریٰ ہی کو دراصل حصول مقصد سمجھتے ہیں اور اس کشف صغریٰ کو صرف مفید قرار دیتے ہیں۔ (انکشاف ص ۳۷)

اس تحریر سے اپنے اکابر کے متعلق مفتیان دیوبند کا یہ موقف اچھی طرح واضح ہو گیا کہ ان کے اکابر کشف صغریٰ اور کشف کبریٰ دونوں ہی مقام پر فائز تھے البتہ صغریٰ کو صرف مفید سمجھتے تھے لیکن کبریٰ کو اصل مقصود قرار دیتے تھے۔

اب یہ سوال اپنی جگہ پر ہے کہ آب و گل کی اس دنیا میں خدا کی ذات کا معائنہ اور مشاہدہ کرنا کیا یہ شرعاً کسی انسان کے لئے ممکن بھی ہے؟ لیکن مبارک ہو مفتیان دیوبند کو کہ جو مدعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درخواست کے باوجود حاصل نہ ہو سکا وہ انہوں نے اپنے اکابر کے لئے بغیر کسی زحمت کے تسلیم کرلیا۔

کشف کبریٰ کی تفصیل پڑھ کر ایک سوال اور دماغ کی سطح پر ابھرتا ہے کہ سلوک کی اس منزل میں جملہ حجابات ہی جب اٹھ گئے تو اب سالک کی نظر سے کون سی چیز مخفی رہ گئی۔

یہی سوال زلزلہ میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ سلوک کی منزل کے ایک عام مسافر کی قوت کشف کا جب یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ سارے حجابات اس کی نگاہوں سے اٹھ جاتے ہیں تو اس منزل کے میر کارواں، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت

کشف کا کیا عالم ہو گا۔ لیکن آپ دیوبندی ذہن کی اس **بوالعجبی** پر سینہ پیٹ کر رہ جائیں گے کہ وہ پیغمبر اعظم کے حق میں ہزار فہمائش کے باوجود یہ قوت کشف تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں۔

> یقیناً لاکھوں مکاشفات بغیر کسی ریاضات و مجاہدات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ممکن ہیں۔ مگر یہ چیزیں وجود پذیر بھی ہوئیں اس کا کیا ثبوت؟ اور بغیر ثبوت کے اس پر عقیدہ کی بنیاد کیسے رکھی جا سکتی ہے جب کہ عقیدہ کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ (انکشاف ص ۱۴۵)

جملہ حجابات کا اٹھ جانا اگر سلوک کی اس منزل ہی کا فیضان ہے تو اب اصل سوال یہ ہے کہ خود پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام بھی اس منزل سے گزرے ہیں یا نہیں اگر گزرے ہیں اور یقیناً اس منزل سے گزر چکے ہیں تو جملہ حجابات کے اٹھ جانے کے لئے کیا اتنا ثبوت کافی نہیں ہے؟

عقیدت کا اندھا پن گمراہی کا بہت مشہور آزار ہے لیکن اتنی مدہوشی شاید ہی کہیں دیکھنے میں آئی ہو کہ گھر کے بزرگوں کے حق میں دونوں جہاں کا بے حجاب مشاہدہ ثابت کرنے کے لئے مفتیان دیوبند نے ایک غیر مستند اور عوامی سطح کی کتاب کی عبارت کو نصوص کا درجہ دے دیا ہے۔ علم کے ایوانوں میں جہل کی یہی پذیرائی رہی تو کچھ عجب نہیں ہے کہ کل یہ لوگ اسلام کے بنیادی مسائل پر بحث کرنے کے لئے "قصہ چہار درویش" کو استدلال میں پیش کر دیں اور یہ امر بھی محسوس کرنے کے قابل ہے کہ دوسروں کے مکاشفات کے ثبوت کے لئے تو ان کے یہاں دلیل کا کوئی معیار نہیں ہے۔

اور مجھے سخت تعجب ہے مرکزی دارالافتاء کے ان مسند نشینوں پر کہ انہوں نے بغیر کسی چون و چرا کے "اصطلاحات صوفیہ" کی اس عبارت کو کہ "نور بصیرت سے خلق کو عین حق اور حق کو عین خلق دیکھنا" کیسے قبول کر لیا۔ جب کہ اس عبارت کا واضح مطلب مخلوق کو عین خالق اور خالق کو عین مخلوق تصور کرنا ہے۔

مفتیان دیوبند ہی علمی دیانت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بتائیں کہ عبادت و ریاضت اور سلوک و تصوف کا جو مقصود اصلی اس عبارت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ کیا وہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق ہے اور کیا اس کا ڈانڈا شرک سے نہیں ملتا۔ لیکن صد حیف کہ اپنے بزرگوں کی عقیدت میں یہ شرک بھی گوارا کر لیا گیا؟

اب آخر میں کشف کبریٰ والی عبارت پر دیوبند کے مدیر تجلی آنجہانی عامر عثمانی صاحب کا بھی تبصرہ پڑھ لیجئے کہ وہ گھر کی آواز ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

> اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک سالک اسی اینٹ اور پتھر کی دنیا میں کشف کے زور سے ذات خداوندی کا مشاہدہ اور معائنہ بھی کر سکتا ہے بلکہ یہی اس کا مقصود اصلی ہے۔ حالانکہ مسلم شریف میں قوی راویوں کے توسط سے ہم اللہ کے رسول کا ارشاد اپنے سر کی آنکھوں سے پڑھتے ہیں۔ **واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا۔**
>
> اس کے علاوہ حدیث احسان میں بھی صراحت ہے کہ خدائے تعالیٰ کو اس دنیا میں ہرگز نہیں دیکھا جا سکتا۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ بطور ایک اصول کے ارشاد فرماتے ہیں۔ **لان البصر فی الدنیا خلق للفناء فلم یقدر علی رویتہ الباقی۔**
>
> حضرت موسیٰ علیہ السلام حالانکہ نبی تھے لیکن انہیں دیدار کی درخواست میں اللہ نے فیصلہ سنا دیا لن ترانی تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے۔ پھر بھی تجلی ذات کی ایک جھلک کو بھی وہ برداشت نہیں کر سکے اور ہوش و حواس نے جواب دے دیا تو یہ راہ طریقت و تصوف کے سالک آخر کون سی مٹی سے بنے ہیں اور کس مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں کہ ذات حق کا مشاہدہ اور معائنہ بھی فرما لیتے ہیں۔ (تجلی نومبر ۷۴ء ص ۸)

چوتھی دلیل

اپنے بزرگوں میں غیبی مشاہدات کی قوت ثابت کرنے کے لئے مفتیان دیوبند کی چوتھی دلیل ملاحظہ فرمایئے۔

انکشاف کے مصنفین امام غزالی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

اکابر دیوبند کی اس خصوصیت (یعنی غیبی قوت مشاہدہ) کو امام غزالی کی ان عبارات کی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے۔

فالعلم الاول علم الکاشفہ وھو علم الباطن و ذالک غایت العلوم لقد قال بعض العارفین من لم یکن نصیب من ھذا لعلم اخاف علیہ سوء الخاتمہ

پہلی قسم علم مکاشفہ ہے یہ باطن (حقیقت) کا علم ہے اور حقیقت کا علم ہی علوم کی غایت ہے۔ بعض عارفین کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس علم سے واقف نہیں ہے میں اس کے سوء خاتمہ سے خائف ہوں۔ (ج ۱ ص ۱۳)

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

اعنی علم المکاشفہ فھو عبارۃ عن نوریظھر فی القلب عند تطھرۃ و تزکیتہ من الصفات المذمومہ وینکشف من ذالک النور امور کثیرۃ (احیاء علوم الدین۔ ص ۸۱)

علم مکاشفہ اس نور کو کہتے ہیں جو قلب میں اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ قلب صفات مذمومہ سے (یعنی ناپاک صفات) سے پاک و صاف ہو اس نور سے بہت سی اہم چیزیں منکشف ہوتی ہیں۔ (انکشاف ص ۲۵)

غور فرمایئے! حجتہ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے علم مکاشفہ کے متعلق اپنی اس عبارت میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ علم مکاشفہ ایک نور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ نور قلب میں اس وقت ظاہر ہوتا ہے۔ جب قلب نفسانی کدورتوں سے پاک ہو جائے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس نور سے بہت سی

چھپی ہوئی چیزیں منکشف ہوتی ہیں۔ اپنے اکابر کے متعلق مفتیان دیوبند کا دعویٰ ہے کہ یہ علم بھی انہیں حاصل تھا۔

اب ایک طرف گھر کے بزرگوں کے بارے میں نور باطن کا یہ اعتراف ملاحظہ فرمایئے کہ جس سے چھپی ہوئی باتیں خود بخود منکشف ہو جاتی ہیں اور دوسری طرف امام الانبیاء کے حق میں "تقویتہ الایمان" کا یہ عقیدہ پڑھئے۔ دل اگر اندھی عقیدت کے آزار میں مبتلا نہیں ہے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ "زلزلہ" کا الزام اپنی جگہ پر ناقابل تردید ہے۔

> کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں کے دل میں کیا ہے؟ فلاں کی شادی کب ہو گی؟ یا فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں؟ یا آسمان میں کتنے ستارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول ہی جانے، کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر؟ (تقویتہ الایمان ص ۵۸)

اب سوال یہ ہے کہ اصحاب نفوس قدسیہ پر نور باطن کے ذریعہ جو چھپی ہوئی باتیں منکشف ہوتی ہیں ان میں تقویتہ الایمان کی بیان کردہ یہ چھپی ہوئی باتیں بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ان چھپی ہوئی باتوں سے رسول کی بے خبری کا دعویٰ کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے ہاں! اگر کوئی شخص رسول پاک کی ذات کو نور باطن سے خالی مان لے تو وہ اپنے گستاخ منہ سے البتہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ شاید دیوبندی حضرات اس کی جسارت کریں ورنہ ایک وفادار امتی تو اس کے تصور ہی سے لرز اٹھے گا۔

اصولی طور پر امام غزالی کی اس عبارت سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ نور باطن ہی چھپی ہوئی باتوں کے انکشاف کا ذریعہ ہے جسے یہ نور عطا کر دیا گیا گویا اسے ایک ایسی قوت بخش دی گئی جسے بوقت ضرورت وہ استعمال کرتا رہتا ہے۔

پانچویں دلیل

اپنے بزرگوں میں غیبی مشاہدے کی قوت ثابت کرنے کے لئے مفتیان دیوبند کی

پانچویں دلیل ملاحظہ فرمایئے۔

انکشاف کے مصنفین "عوارف المعارف" کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قیل الدنیا والاخرۃ عند الارواح سواء وقیل الارواح اقسام ارواح تجول فی البرزخ وتبصر احوال الدنیا والملئکۃ وتسمع ما تتحدث بہ فی السماء فی احوال الادمیین۔ وروی سعید بن مسیب عن سلمان قال ارواح المؤ منین تذھب فی برزخ من الارض حیث شاء بین السماء والارض

(عوارف المعارف ص ۸۱ ج ۲' انکشاف ص ۷۰)

کہا گیا ہے کہ ارواح کے نزدیک دنیا و آخرت برابر ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ اس کی (یعنی روح کی) چند قسمیں ہیں۔ بعض روحیں برزخ میں سیر کرتی ہیں اور دنیا اور ملائکہ کے احوال دیکھتی ہیں اور وہ ان باتوں کو بھی سنتی ہیں جو آدمیوں کے احوال کے بارے میں آسمان میں ہوتی ہیں اور سعید بن مسیب سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ مومنین کی روحیں برزخ ارضی سے جہاں چاہتی ہیں زمین و آسمان کے درمیان جاتی ہیں۔

یہ عبارتیں نقل کرنے کے بعد مفتیان دیوبند نتیجے کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔ پوری توجہ کے ساتھ یہ اقرار نامہ پڑھنے کے قابل ہے۔

> اب مذکورہ اثبات سے آپ بخوبی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ارواح اولیاء کو کس قدر من جانب اللہ اختیارات ہیں۔ (انکشاف ص ۷)

یہ مان لینے کے بعد کہ عام مومنین کی روحیں برزخ میں سیر کرتی ہیں اور دنیا و ملائکہ کے احوال دیکھتی ہیں اور ان باتوں کو بھی سنتی ہیں جو آدمیوں کے بارے میں آسمانوں میں ہوتی ہیں اور برزخ ارضی سے جہاں چاہتی ہیں آسمان و زمین کے درمیان آتی جاتی ہیں۔ لازماً" یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہر وقت ان پر غیب کی نئی نئی باتیں

منکشف ہوتی رہتی ہیں جو دنیا میں رونما ہونے والی ہوتی ہیں۔

پھر جب عام مومنین کی روحوں کے غیبی مشاہدات کا یہ حال ہے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اعظم کی قوت مشاہدہ اور مقام علم و ادراک کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

واضح رہے کہ ارواح مومنین کے لئے غیبی مشاہدے کی جو قوت مفتیان دیوبند نے ثابت کی ہے اس کے پیچھے حقیقت پسندی سے زیادہ اکابر پرستی کا جذبہ کار فرما ہے کیوں کہ روحوں میں غیبی مشاہدہ کی قوت جب تک ثابت نہ ہو جائے' مرنے کے بعد اپنے اکابر کو غیب داں کیوں کر ثابت کیا جا سکتا ہے۔

سچ پوچھئے تو اہل دیوبند کے ساتھ آج کے مذہبی اختلافات میں سارا شکوہ دل کی اسی بے وفائی کا ہے کہ گھر کے بزرگوں کے لئے تو مرنے کے بعد بھی غیبی مشاہدے کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں عقیدے کی زبان یہ استعمال کی جاتی ہے۔

> یہ آیت تا قیامت یہ اعلان کرتی رہے گی کہ آپ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو علم غیب نہ تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت تک آپ کو علم غیب نہ ہو گا۔
>
> مضمون قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند' فاران' کراچی کا توحید نمبر ص ۱۲۶

"قیامت تک علم غیب نہ ہو گا" کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ جیسے حیات ظاہری میں معاذ اللہ انہیں غیب کا کوئی علم نہ تھا۔ وصال کے بعد بھی قیامت تک انہیں غیب کا کوئی مشادہ نہ ہو گا۔

نفاق و اخلاص کے اس دورا ہے پر آپ کے ضمیر کی آواز سننے کے لئے ہم گوش بر آواز رہیں گے۔

چھٹی دلیل

زلزلہ میں شیخ الاسلام نمبر کے حوالے سے مولوی ریاض احمد فیض آبادی صدر جمعیتہ علمائے میسور کا ایک بیان نقل کیا گیا تھا جسمیں انہوں نے مولوی حسین احمد صاحب کے ساتھ اپنی آخری ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ دم رخصت موصوف کی یہ گفتگو خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔

میں نے کہا حضرت انشاء اللہ اختتام سال پر ضرور حاضر ہوں گا۔ فرمایا کہہ دیا کہ ملاقات نہیں ہو گی۔ اب تو میدان آخرت ہی میں انشاء اللہ ملو گے مجمع میرے قریب جو تھا احقر کی معیت میں آبدیدہ ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ رونے کی کیا بات ہے کیا مجھے موت نہ آئے گی اس پر احقر نے الحاح کے ساتھ کچھ علم غیب اور زیادتی عمر پر بات کرنی چاہی مگر فرط غم کے باعث بول نہ سکا۔
(شیخ الاسلام نمبر ص ۱۵۶ زلزلہ ص ۲۰۰)

اس عبارت پر زلزلہ میں جو تبصرہ کیا گیا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اس گفتگو کا حاصل سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مولوی حسین احمد صاحب کو کئی ماہ پیشتر اپنی موت کا علم ہو گیا تھا اور "کہہ دیا کہ ملاقات نہیں ہو گی" یہ لب ولجہ شک اور تذبذب کا نہیں، یقین اور ادعان کا ہے "مجمع آبدیدہ ہو گیا" یہ جملہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کو سچ مچ اس خبر کا یقین ہو گیا۔
اس واقعہ میں جو چیز خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ موت کا علم یقینی امور غیب ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن قرآن کی کوئی آیت اور حدیث کی کوئی روایت نہ مولوی حسین احمد صاحب کو اس علم کے خاموش ادعا سے روک سکی اور نہ ہی اس خبر پر ایمان لانے والوں کی راہ میں حائل ہوئی اور اب اس طرح اس کی تشہیر کی جا رہی ہے جیسے یہ دنیا کی کوئی معمولی حقیقت بن گئی ہو۔

اس الزام کا جو جواب مفتیان دیوبند نے دیا ہے وہ اپنے مسلک کے ساتھ تصادم کا ایک خون ریز حادثہ ہے تحریر فرماتے ہیں۔

> زلزلہ کے کئی صفحات پر پھیلے ہوئے چند واقعات جن میں سے بعض کا تعلق تو محض تجربہ کی پختگی سے ہے اور بعض اخبار بالغیب سے ہے جو حضرت (شیخ) کی کھلی ہوئی کرامت ہے اور بعض بہ قول مولانا قادری صاحب بہ عنوان "اپنی وفات کا علم" پر مشتمل ہے۔ (انکشاف ص ۲۳۴)

اخبار بالغیب کا لفظ خاص طور پر نوٹ کرنے کے قابل ہے' کیونکہ اس مقام پر ان حضرات نے یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی ہے کہ یہ کشف ہے'۔ علم غیب نہیں ہے لیکن یہاں "اخبار بالغیب" کے الفاظ کے ذریعہ نہایت سچائی کے ساتھ اپنے شیخ کی غیب دانی کا اعتراف کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ خبر کے لئے علم ضروری ہے۔ لہٰذا جو غیب کا مخبر ہو گا وہ غیب داں بھی ضرور ہو گا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج دیوبندی مذہب کے دفاع کا سب سے بڑا طلسم ٹوٹ گیا۔

اب اصل جواب ملاحظہ فرمایئے ارشاد فرماتے ہیں۔

> اگر بہ قول مولانا ارشد القادری اسے تسلیم کا بھی درجہ دے دیں کہ حضرت مدنی کو اپنی وفات کے پہلے ہی اس کا علم ہو گیا تھا تو سوال یہ ہے کہ بزرگان دین کی ذکاء و فراست نورانی سے ان چیزوں کو بعید از عقل کیوں سمجھا جاتا ہے۔ (انکشاف' ص ۲۳۴)

یہ سوال تو مفتیان دیوبند کو مولوی منظور نعمانی سے کرنا چاہئے تھا۔ جنہوں نے اپنی کتاب میں اسلام کا یہ عقیدہ پیش کیا ہے۔

> وہ پانچ غیب جن میں مرنے کی جگہ اور وقت کا علم بھی شامل ہے ان کو حق تعالے نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے۔ ان کی اطلاع نہ کسی مقرب فرشتے کو دی اور نہ کسی نبی اور رسول کو۔
> (فتح بریلی کا دلکش نظارہ ص ۸۵)

ایک طرف تو یہ عقیدہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدائے تعالٰے نے کسی نبی و رسول تک کو اس کی اطلاع نہیں دی ہے اور دوسری طرف اپنے بزرگوں میں موت کے پیشگی علم کی قوت ثابت کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی ذکاوت اور فراست ایمانی سے ان چیزوں کو بعید از عقل کیوں سمجھا جاتا ہے۔

زلزلہ میں یہ سوال بار بار دہرایا گیا ہے کہ غیب کی بات معلوم کرنے والی فراست ایمانی کی جو قوت آپ کے بزرگوں کو حاصل ہے اسے خدا کے محبوب پیغمبر کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے آپ لوگ شرک کے آزار میں کیوں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مفتیان دیوبند نے نہ صرف یہ کہ اس الزام کا کوئی جواب نہیں دیا ہے بلکہ ہمارے مسلک کی تائید میں ائمہ' اسلاف کی عبارتیں پیش کر کے انھوں نے کھلے بندوں یہ اعتراف کر لیا ہے کہ ہمارا الزام اپنی جگہ پر ناقابل تردید ہے۔

ساتویں دلیل

زلزلہ میں سوانح قاسمی کے حوالے سے بانی دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا گیا تھا۔ کہ ایک بار ان کے جلسہ میں چار شیعہ مجتدین چالیس اعتراضات سوچ کر آئے اور ان میں سے ہر ایک دس دس اعتراض لے کر ایک ایک گوشے میں بیٹھ گیا لیکن نانوتوی صاحب نے اپنی غیبی قوت ادراک کے ذریعہ ان میں سے ہر ایک کے دل میں چھپے ہوئے اعتراضات کو معلوم کر لیا اور اسی ترتیب سے جواب بھی دے دیا جس ترتیب کے ساتھ وہ اپنے اپنے دلوں میں چھپا کر لائے تھے۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے زلزلہ میں کہا گیا تھا۔

> "گھر کے بزرگوں کے لئے تو جذبہ عقیدت کی یہ فراوانی ہے کہ دلوں کے چھپے ہوئے خطرات آئینے کی طرح ان کے پیش نظر ہیں۔ اپنے مولانا کے لئے اس غیبی قوت ادراک کا اعتراف کرتے ہوئے نہ شرک کا کوئی قانون دامنگیر ہوا اور نہ مشرب

توحید سے کوئی انحراف نظر آیا۔"
لیکن انبیاء و اولیاء کے حق میں اسی غیبی قوت ادراک کے سوال پر ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے۔
"کچھ اس بات میں بھی ان کو بڑائی نہیں ہے کہ اللہ نے غیب دانی اختیار میں دے دی ہو کہ جس کے دل کا احوال جب چاہیں معلوم کرلیں یا جس غائب کا احوال جب چاہیں معلوم کرلیں کہ وہ جیتا ہے یا مرگیا یا کس شہر میں ہے"۔ (تقویۃ الایمان ص ۲۵)
انصاف و دیانت کی روشنی میں چلنے کی تمنا کرنے والو؟ حق و باطل کی راہوں کا امتیاز محسوس کرنے کے لئے کیا اب بھی مزید کسی نشانی کی ضرورت ہے؟ (زلزلہ ص ۱۱۱)

اس الزام کے جواب میں مفتیان دیوبند نے تحریر فرمایا ہے۔

"اب ذرا دلوں کے خطرات کو بذریعہ کرامت معلوم کرنے کا فیصلہ خود صاحب فتوحات مکیہ سلطان اولیاء امام الصوفیاء محی الدین ابن عربی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ موصوف کرامت کی تقسیم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔
کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک حسی۔ دوسری معنوی' عوام الناس صرف کرامت حسیہ ہی سے واقف ہے جیسے دلوں پر بات کرنا۔ مغیبات ماضیہ (یعنی گزرے ہوئے غیوب) کی خبر دینا' موجودہ غیب کی خبراور آنے والے غیبی باتوں سے مطلع کرنا۔
(فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۳۸۶' انکشاف ص ۳۶")

نوٹ: طوالت کے خوف سے عربی عبارت چھوڑ دی گئی۔ صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا۔
(قادری)

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد بطور نتیجے کے تحریر فرماتے ہیں۔

اب قارئین بنظر انصاف بغیر کسی پاس داری کے غور کریں کہ کیا یہ چیزیں خلاف شرع ہیں؟ جواب میں نفی یا اثبات جو بھی پہلو اختیار کریں' علامہ ابن العربی' شیخ الاسلام صاحب فتوحات مکیہ کا ضرور خیال رکھیں' (انکشاف ص ۱۳۶)

سبحان اللہ! اس کے علاوہ اور زلزلہ کا الزام ہی کیا ہے کہ جن باتوں کو آپ حضرات اپنے بزرگوں کے حق میں خلاف شرع نہیں سمجھتے وہی باتیں انبیاء اور اولیاء کے حق میں آپ کے یہاں شرک ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ نہایت فراخ دلی کے ساتھ یہ الزام آپ حضرات نے قبول فرمالیا۔

صاحب فتوحات مکیہ کا خیال رکھنے کی تلقین فرماتے ہوئے شاید آپ کو یاد نہیں رہا کہ وہ تقویتہ الایمان کے مصنف نہیں ہیں۔ رعایت ہی کی بھیک مانگنی ہے تو مولوی اسماعیل دہلوی کے لیے مانگیے جو اس عبارت کے نشانے پر ہیں۔ بلاوجہ صاحب فتوحات مکیہ کا نام کیوں لیتے ہیں' ان سے اس مسئلے میں ہمارا اختلاف ہی کب ہے۔

گھر کے بزرگوں کی حمایت میں مسلک کا خون جب چھپائے نہیں چھپ سکا تو تقویتہ الایمان کی عبارت یاد آئی۔ اب اس کا جو جواب مفتیان دیوبند نے دیا ہے وہ اس اعتبار سے بڑا ہی عبرت انگیز ہے کہ عقیدت کے نشے میں وہ ایمان کی حقیقتوں سے بھی انکار کر بیٹھے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

اب رہی تقویتہ الایمان کی عبارت کی تشریح جسے مولف نے اکابر کے عمل و اعتقاد میں تضاد ثابت کرنے کے لیے استدلال میں پیش کیا ہے تو اس کی بارہا وضاحت کر چکا ہوں کہ انبیاء اولیاء سے جن چیزوں کی نفی تقویتہ الایمان یا اس جیسی دوسری کتابوں میں کی گئی ہے اس کا مصداق کشف و کرامات سے قطعاً جداگانہ ہے۔ کیونکہ جن چیزوں کی نفی انبیاء و اولیاء سے تقویتہ الایمان میں کی گئی ہے وہ چیزیں یقینی و قطعی اور ذاتی و کلی ہیں جس کا تعلق سوائے اللہ کے کسی دوسرے کے ساتھ خاص کرنا اور اس

کا اعتقاد رکھنا شرک کو متلزم ہے۔ (انکشاف ص ۱۴۲)

دیکھ رہے ہیں آپ نشے میں بہکنے کا عالم! یعنی تقویتہ الایمان میں انبیاء سے علم یقینی و قطعی کی نفی کی گئی ہے۔ اب مفتیان دیوبند ہی شرعی دیانت کے ساتھ جواب دیں کہ انبیاء کے علم کو یقینی و قطعی نہ ماننا بلکہ قطعی اور یقینی ہونے کی نفی کرنا یہ ایمان کی حقیقتوں کا کھلا ہوا انکار ہے یا نہیں؟ اور اس انکار کے بعد کیا کسی کے لیے دائرہ اسلام میں رہنے کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

اب رہ گیا علم ذاتی کے انکار کا سوال! تو اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ تقویتہ الایمان میں انبیاء کے لیے صرف علم ذاتی کے عقیدے کو شرک قرار دیا گیا ہے اور علم غیب عطائی کے عقیدے کو جائز کہا گیا ہے تو یہ بھی سو فیصدی جھوٹ اور غلط ہے۔ ثبوت کے لیے تقویتہ الایمان کی یہ عبارت پڑھیے۔

> پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دیئے سے غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہو گا۔ (تقویتہ الایمان ص ۱۰)

اب جہاں تک مطلقاً" ذاتی و کلی علم غیب کا سوال ہے تو وہ ہمارے نزدیک بھی غیر خدا کے لیے ثابت کرنا شرک ہے لیکن مفتیان دیوبند کی علمی بے مائیگی پر ترس آتا ہے کہ وہ اپنے مسلک کے سب سے بڑے دارالافتاء کے مسند نشین ہیں اور انہیں اتنی بھی خبر نہیں کہ شرک کیا ہے۔ انہوں نے اپنے جواب میں علم ذاتی و کلی کے متعلق لکھا ہے کہ سوائے خدا کے کسی دوسرے کے ساتھ اسے خاص کرنا شرک کو متلزم ہے۔

مفتیان دیوبند صاف صاف بتائیں کی کیا یہی ان کے اکابر کا مسلک ہے؟ اور اس سوال کا بھی جواب دیں کہ اگر خدا کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ خاص نہ کیا جائے بلکہ خدا اور اور غیر خدا دونوں کے لیے علم غیب ذاتی و کلی کا عقیدہ رکھا جائے تو ایسی صورت میں کیا یہ اسلامی عقیدہ بن جائے گا؟

صد حیف کہ دارالافتاء کی مسند پر بیٹھنے والے آج شریعت کی ابجد سے بھی

واقف نہیں ہیں۔

آٹھویں دلیل

تذکرۃ الرشید کے حوالے سے مولوی رشید احمد گنگوہی کے متعلق دلوں کے خطرات پر مطلع ہونے کے آٹھ واقعات نقل کیے گئے تھے۔ پہلے واقعہ میں ولی محمد نام کے ایک طالب علم کا جو گنگوہی صاحب کے یہاں پڑھتا تھا یہ تاثر نقل کیا گیا تھا کہ

> حضرت کے سامنے جاتے مجھے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ قلب کے وساوس (یعنی خطرات و وسوسے) اختیار میں نہیں ہیں اور حضرت ان پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۲۷)

اس واقعہ پر زلزلہ کا تبصرہ یہ تھا۔

> مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ دلوں کے خطرات سے باخبر ہونے کی یہ کیفیت اتفاقی نہیں بلکہ دائمی تھی۔ یعنی حواس پنجگانہ کی طرح وہ ہر وقت اس قوت سے کام لینے پر قادر تھے' اپنے گھر کے بزرگوں کی غیب دانی کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن انبیاء و اولیاء کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی عام زبان یہ ہے:
>
> (جو کوئی کسی کے متعلق یہ سمجھے کہ) جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔ (تقویتہ الایمان ص ۱۰)
>
> اب اس بے انصافی کا شکوہ کس سے کیا جائے کہ ایک ہی عقیدہ جو انبیاء و اولیاء کے بارے میں شرک ہے' وہی گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام و ایمان بن گیا ہے۔ (زلزلہ ص ۱۲۵)

اس الزام کا جواب دیتے ہوئے مفتیان دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

> اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ تسلیم کرلیں کہ تمام واقعات جو دوسرے باب میں بیان کیے گئے ہیں اس پر شاہد ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہی بذریعہ کرامت دلوں کے خطرات پر یا مخفی امور کے مشاہدات پر مطلع ہو گئے تو پھر اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ (انکشاف ص ۱۷۵)

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

> اب امور غیبی کا مشاہدہ بھی علامہ غزالی کے قلم سے ملاحظہ فرما لیجئے تاکہ دلوں کے خطرات کے ساتھ امور غیبی کے مشاہدات کا شبہ بھی زائل ہو جائے اور قارئین کرام خوب سمجھ لیں کہ یہ چیزیں بندے کو بھی بذریعہ کشف و کرامت حاصل ہوتی ہیں۔ (انکشاف ص ۱۷۶)

ذرا سنجیدگی کے ساتھ حالات کے اس رخ کا جائزہ لیجئے کہ کبھی کبھی نشے کی حالت میں جھوٹ کا پردہ کس طرح فاش ہو جاتا ہے۔ مفتیان دیوبند نے اپنی اس کتاب میں بار بار اس جملے کو دہرایا ہے کہ کشف کے ذریعہ جو چھپی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے اسے علم غیب نہیں کہہ سکتے بلکہ بعض بعض جگہ تو انہوں نے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے نہایت دل آزار پیرایہ اختیار کیا ہے۔ مثال کے طور پر چند مقامات کی نشاندہی کرتا ہوں۔

> مکاشفات کو علم غیب بتانے والے علم و فن سے کورے سخت جاہل اور مزاج شریعت سے ناآشنا ہیں۔ (انکشاف ص ۱۳۶)

اسی طرح کی اہانت آمیز عبارت ایک جگہ اور ملاحظہ فرمائیں:۔

> رہا ارواح اولیاء کو احیاناً" عالم برزخ میں دنیا کے احوال کا علم ہو جانا' تو ایسے علم کو علم غیب سے تعبیر کرنے والا سخت نادان اور جہالت میں مبتلا ہے۔ (انکشاف ص ۹۳)

ایک طرف تو یہ لکھا جا رہا ہے کہ کشف علم غیب نہیں ہے اور دوسری طرف امام غزالی کے حوالے سے اسی کشف کو امور غیبی کا مشاہدہ بھی کہا جا رہا ہے۔

اب اہل علم ہی انصاف کریں کہ امور غیبی کا مشاہدہ علم غیب نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے۔ آخر مشاہدہ بھی تو علم غیب ہی کا ایک ذریعہ ہے بلکہ پہلا ذریعہ مشاہدہ ہی ہے اور اس سے بھی زیادہ واضح طور پر لفظوں کی چوری پکڑنا چاہتے ہوں تو تقویتہ الایمان کی یہ عبارت پڑھیئے۔

> "کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں کے دل میں کیا ہے یا فلاں کی شادی کب ہو گی یا فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں' یا آسمان میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے' رسول کو کیا خبر؟ (تقویتہ الایمان ص ۵۸)

انصاف کی نظر سے اس عبارت کو پھر پڑھیئے۔ کتنے واضح لفظوں میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ دلوں کے خطرات پر مطلع ہونا بھی علم غیب ہی ہے اور پھر اسی سانس میں مفتیان دیوبند کی یہ تحریر ایک بار اور پڑھیئے اور عقیدے کی شقاوت کا اندازہ لگایئے:

> تاکہ دلوں کے خطرات کے ساتھ امور غیبی کے مشاہدات کا شبہ بھی زائل ہو جائے اور قارئین کرام خوب سمجھ لیں کہ یہ چیزیں بندے کو بھی بذریعہ کشف و کرامت حاصل ہو جاتی ہیں۔
> (انکشاف ص ۱۷۶)

ایک طرف بندے کو حاصل ہو جاتی ہیں اور دوسری طرف رسول کو کیا خبر؟ آج یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرات رسول کو بندہ بھی نہیں مانتے!

ایک ذیلی بحث میں ہم بہت دور نکل آئے ورنہ بات چل رہی تھی آٹھویں دلیل کی۔ اب پھر اپنے ذہن کا رشتہ گزشتہ مباحث کے ساتھ جوڑ لیجئے:۔

امام غزالی کے حوالے سے غیبی مشاہدات پر مشتمل صحابہ کرام وغیرہم کے چند

واقعات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

> صحابہ کرام، تابعین عظام و غیرہم کے امور غیبی کے مشاہدات کے چند نمونے آپ کے سامنے ہیں اگر ایمان کا چراغ گل نہیں ہوا ہے تو آپ خود فیصلہ کیجئے اور مولانا ارشد القادری سے بھی استفسار کیجئے کہ کیا ان حضرات کے عمل و اعتقاد پر بھی تضاد کا حکم لگایا جائے گا اور یہ حضرات بھی بہ قول مولوی ارشد القادری صاحب قرآن و حدیث کے منکر ٹھہریں گے؟ (انکشاف ص ۱۷۸)

سب سے پہلے تو میں اس صریح بہتان کا شکوہ کروں گا کہ معاذ اللہ میں نے کب اور کہاں صحابہ کرام اور تابعین عظام وغیرہم کو قرآن و حدیث کا منکر ٹھہرایا ہے۔ ۔۔تیان دیوبند میں ذرا بھی اپنے منصب کی غیرت ہو تو وہ اسے ثابت کریں یا اس صریح دل آزاری کی معذرت طلب کر کے اخلاقی قدروں کا احترام بجالائیں۔

"اگر ایمان کا چراغ گل نہیں ہو گیا ہے" یہ اور اس طرح کے بہت سارے میرے جملے مفتیان دیو بند نے "زلزلہ" سے مستعار لیے ہیں یہ میرے لیے باعث مسرت ہے کہ انہوں نے اپنی زبان کو خوب صورت اور شائستہ بنانے کے لیے زلزلہ سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ کاش انہوں نے ایمان کی غیرت، عشق کی حرارت اور اسلام کی دیانت بھی زلزلہ سے مستعار لے لی ہوتی تو مجھے "زیر و زبر" لکھنے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔

درمیان میں یہ ایک ضمنی بات نکل آئی ورنہ مجھے مفتیان دیوبند کے استفسار کا جواب دینا تھا۔

بنیادی طور پر "زلزلہ" کا موضوع بحث علمائے دیوبند کے اعتقاد و عمل کے درمیان تضاد ثابت کرنا ہے۔ تصویر کے دونوں رخوں میں اسی الزام کی وضاحت کی گئی ہے۔

اب دیوبندی مذہب کے وکیلوں کے لیے اس الزام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے دو ہی راستے تھے یا تو بغیر کسی جھجک کے وہ اس حقیقت کا اعتراف کر لیتے کہ ہماری جن کتابوں میں عقیدہ و مسلک کا بیان ہے وہ سر تا سر غلط اور باطل ہیں یا پھر اس بات کا اقرار کرتے کہ جن کتابوں میں مسلک کے خلاف واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ ناقابل اعتماد ہیں۔

جیسا کہ سخت پیرایہ بیان میں مولانا عامر عثمانی نے بھی یہی مشورہ اپنے علماء کو دیا تھا موصوف کے الفاظ ذہن سے نکل گئے ہوں تو پھر انہیں تازہ کر لیجئے:۔

> ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو تقویتہ الایمان' فتاویٰ رشیدیہ' فتاویٰ امدادیہ' بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے میں رکھ کر آگ لگا دی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں اور ہم دیوبندیوں کے صحیح عقائد ارواح ثلاثہ اور سوانح قاسمی اور اشرف السوانح جیسی کتابوں سے معلوم کرنا چاہئیں یا پھر ان موخرالذکر کتابوں کے بارے میں اعلان فرمایا جائے کہ یہ تو محض قصے کہانیوں کی کتابیں ہیں جو رطب ویابس سے بھری ہوئی ہیں اور ہمارے صحیح عقائد وہی ہیں جو اول الذکر کتابوں میں مندرج ہیں۔ (تجلی ڈاک نمبر)

لیکن مفتیان دیوبند دونوں ہاتھ میں لڈو لینا چاہتے ہیں ایک طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ تقویتہ الایمان وغیرہ میں جو مسلک بیان کیا گیا ہے وہ بھی صحیح ہے اور دوسری طرف یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں دیوبندی بزرگوں کے جو واقعات نقل کیے گئے ہیں وہ بھی قابل اعتماد اور درست ہیں۔

اور چونکہ واقعات سے گھر کے بزرگوں کے فضائل و کمالات آشکارا ہوتے ہیں اس لیے پوری کتاب میں واقعات کو حق بہ جانب اور اسلامی معتقدات سے ہم آہنگ ثابت کرنے کے لیے جگہ جگہ احادیث' آثار سلف' اقوال ائمہ اور واقعات صالحین کے

حوالے دیئے گئے ہیں۔ لیکن جذبہ عقیدت کی بے خودی میں یہ نکتہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے کہ واقعات کی حمایت میں جو دلائل انہوں نے فراہم کیے ہیں وہ سر تا سر ہمارے حق میں جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ حیرانی کے عالم میں بار بار ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا صحابہ کرام کے عمل و اعتقاد پر بھی تضاد کا حکم لگایا جائے گا۔ کیا سلف صالحین بھی شرک کے آزار میں مبتلا تھے وغیرہ وغیرہ۔

اب قارئین کرام ہی بتائیں کہ ان احمقانہ سوالات کا میں کیا جواب دوں؟ ویسے دنیا میں احمقوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن یہاں سوالات کے پیچھے حماقت سے زیادہ گستاخانہ جسارت کارفرما ہے دراصل اس طرح کا سوال کر کے مفتیان دیوبند اپنے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جس طرح ہمارے یہاں عقیدہ واقعہ کو جھٹلاتا ہے اور واقعہ عقیدے کی تکذیب کرتا ہے معاذ اللہ اسی طرح کی دورنگی صحابہ و تابعین وغیرہم کے یہاں بھی ہے۔ مفتیان دیوبند اگر اس طرح کے ناپاک خیال میں مبتلا ہیں تو اس غلط فہمی کا ازالہ بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔

غیبی مشاہدات اور چھپی ہوئی باتوں کے علم و ادراک پر مشتمل انہوں نے صحابہ و تابعین کے واقعات نقل کر کے اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ ان امور میں ان کا عمل کیا تھا۔ اب اگر مفتیان دیوبند اپنے گمان میں سچے ہیں تو اس عمل کے خلاف ان کا کوئی عقیدہ دکھلا دیں۔ زیادہ نہیں تقویتہ الایمان کی عبارت کے اس ٹکڑے ہی کی تائید میں صحابہ اور تابعین کا کوئی قول پیش کر سکتے ہوں تو دکھائیں۔

> "کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلاں کے دل میں کیا ہے یا فلاں کی شادی کب ہو گی یا فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے' رسول کو کیا خبر۔" (تقویتہ الایمان ص ۵۸)

صحابہ کرام کے یہاں "رسول کو کیا خبر" کا عقیدہ تو وہ کیا دکھلا سکیں گے کہ وہاں

ہر سوال کے جواب میں ایک ہی فقرہ زبان زد ملے گا جو احادیث کی کتابوں کے ہزاروں اوراق پر بکھرا ہوا ہے یعنی اللہ اور اس کا رسول جانے۔

اب ذرا بھی دیوبندی علماء میں غیرت ہو گی تو مجھے امید ہے کہ آئندہ اس طرح کا استفسار وہ مجھ سے نہیں کریں گے۔

نویں دلیل

"تذکرۃ الرشید" کے حوالے سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی غیبی قوت ادراک کے متعلق ذیل میں یہ واقعہ نقل کیا گیا تھا جس کا پورا متن یہ ہے :۔

میر واجد علی قنوجی فرماتے ہیں کہ میرے مرشد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گنگوہ گیا۔ خانقاہ میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اٹھا کر کنویں میں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا تھا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کنویں کا پانی تو میٹھا ہے کڑوا نہیں ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا جس میں پانی بھرا ہوا تھا' حضرت نے بھی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔

آپ نے فرمایا اچھا اس کو رکھ دو۔ یہ فرما کر ظہر کی نماز میں مشغول ہو گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیب جس قدر جس سے پڑھا جائے پڑھو اور خود بھی حضرت نے پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے دعاء کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ اس کے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اس وقت مسجد میں جتنے نمازی تھے سب نے چکھا کسی قسم کی تلخی اور کڑواہٹ نہ تھی۔

تب حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد اللہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔" (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۱۲)

اس واقعہ پر زلزلہ میں جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

عالم برزخ کے حالات غیب ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی غیب دانی کا یقین دلانے کے لیے اتنا ہی بتا دینا کیا کم تھا۔ لیکن آپ نے تو یہاں تک بتا دیا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم کر لیا کہ اب عذاب رفع بھی ہو گیا۔

اسے کہتے ہیں مطلق العنان غیب دانی کہ جدھر نگاہ اٹھی مستور حقیقتوں کے چہرے خود بخود بے نقاب ہوتے چلے گئے۔

(زلزلہ ص ۱۵۶ نیا ایڈیشن)

اس الزام کا جواب جو مفتیان دیوبند نے دیا ہے وہ چشم عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

دراصل حضرت گنگوہی کی قوت کشف کی بات ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت کے سامنے "کشفا" پانی کی کڑواہٹ کی وجہ یہی ظاہر ہوئی ہو اور اس کے لیے یہ تدبیر فرمائی ہو۔" (انکشاف ص ۲۰۲)

بتائیے یہ الزام کا جواب ہوا یا ایک نیا الزام اور اپنے سر پر لاد لیا گیا۔ اب تک تو یہی کہا جاتا رہا ہے کہ کشف اپنے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ خدا جب چاہتا ہے کسی بندے کو کشف ہو جاتا ہے۔ اس میں اپنی قوت کو کوئی دخل نہیں جیسا کہ یہی مفتیان دیوبند اسی کتاب میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

کشف و کرامات اہل سنت و الجماعت کے یہاں ثابت و مسلم ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ چیزیں غیر اختیاری ہیں کسی بزرگ یا ولی کے اختیار میں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں ان

واقعات کا صدور و ظہور فرمائیں۔ (انکشاف ص ۱۲)

لیکن کشف کی قوت کسی کے اندر مان لینے کے بعد تو اس کے غیر اختیاری ہونے کا دعویٰ ہی قطعاً" باطل ہو جاتا ہے۔ جس طرح ہمارے اندر دیکھنے، سننے، بولنے اور چلنے کی قوت ہے۔ یہ قوتیں قطعاً" ہمارے اختیار میں ہیں۔ اگر اختیار میں نہ ہوں تو ان قوتوں کے ناجائز استعمال پر سزا کا اعلان اور بہتر استعمال پر انعام کا وعدہ بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

اب اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفاداری کی حس ذرا بھی بیدار ہو تو ہر مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو گا کہ اپنے بزرگوں کے لیے تو یہ لوگ اختیاری کشف کی قوت مانتے ہیں۔ لیکن یہی عقیدہ ہم نبی و ولی کے حق میں ظاہر کریں تو ان حضرات کے سینے سے شرک کا ناسور ابلنے لگتا ہے۔

دسویں دلیل

"زلزلہ" میں تذکرۃ الرشید کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا گیا تھا کہ ضلع جالندھر میں منشی رحمت علی خاں نام کے کوئی صاحب کسی سرکاری اسکول میں ملازم تھے، انہیں حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ حافظ محمد صالح نام کے ایک دیوبندی مولوی کی صحبت میں کچھ دنوں رہنے کا انہیں موقع ملا جس سے بہت حد تک ان کے خیالات بدل گئے۔ اب اس کے بعد کا واقعہ مصنف کے الفاظ میں یہ ہے تحریر فرماتے ہیں۔

> حافظ محمد صالح دام مجدہ، کی شاگردی کے زمانہ میں اکثر مولانا گنگوہی قدس سرہ، کے محامد و مناقب ان کے کان میں پڑتے مگر یہ متاثر نہ ہونے اور یوں خیال کیے ہوئے تھے کہ جب تک حضرت پیران پیر رحمتہ اللہ علیہ خواب میں تشریف لا کر خود ارشاد فرما دیں گے کہ فلاں شخص سے بیعت ہو اس وقت تک بہ طور خود کسی سے بیعت نہ کروں گا۔ اسی حالت میں ایک مدت

گزر گئی کہ یہ اپنے خیال پر جمے رہے۔
آخر ایک شب حضرات پیران پیر قدس سرہ' کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانے میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو حق تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں اور جو ذکر و شغل اس کے مناسب ہوتا ہے وہ ہی بتلاتے ہیں۔ (تذکرہ ج ا ص ۳۲)

اس واقعہ پر زلزلہ میں جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"دیکھ لیا آپ نے! صرف اپنے شیخ کی غیب دانی کا سکہ چلانے کے لیے حضرت سید الاولیاء سرکار غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کی زبانی ایک ایسے عقیدہ کی تشہیر کی جا رہی ہے جو دیوبندی مذہب میں قطعاً" شرک ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ بیان کا لب ولہجہ تردیدی بھی نہیں ہے کہ الزام اپنے سر سے ٹال سکیں۔

اب ایک طرف یہ واقعہ نظر میں رکھیے اور دوسری طرف تقویتہ الایمان کی یہ عبارت پڑھیے توحید پرستی کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

(جو کوئی کسی کے متعلق یہ تصور کرے) کہ جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔

(تقویتہ الایمان ص ۸)

دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ گنگوہی صاحب کے غیبی قوت و ادراک ثابت کرنے کے لیے ان حضرات کو شرک کرے کتنے مراحل سے گزرنا پڑا۔ (زلزلہ ص ۱۵۹)

اب اس الزام کا جو جواب مفتیان دیوبند نے دیا ہے وہ ان حضرات کے علم

بصیرت کے افلاس اور اندھی عقیدت کے آزار کا بہترین نمونہ ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> قطع نظر اس سے کہ اس کا ثبوت ہے یا نہیں اس وقت اتنا عرض کرنا ہے کہ حضرت پیران پیر کے اس فرمانے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس کا وجود خارجی بھی ہو۔ (انکشاف ص ۲۰۲)

سبحان اللہ! کتنا دندان شکن اور مدلل جواب ہے یہ! کتاب آپ حضرات لکھیں اور ثبوت ہم دیں۔ کتاب لکھنے والوں کی نظر میں اگر یہ بات غلط اور خلاف شرع تھی تو اسے کتاب کے اندر مثبت انداز میں جگہ ہی کیوں دی گئی اور وجود خارجی کی بات بھی خوب ہی کہی۔

عقل مندو! اتنی بات تو سطحی شعور کا آدمی سمجھ سکتا ہے کہ الزام دعوے پر ہوا کرتا ہے وجود خارجی پر نہیں۔

بہر حال گھر کے بھیدیوں کی زبانی پہلی بار یہ راز فاش ہوا کہ دیوبندی مصنفین بغیر ثبوت اور وجود خارجی کے روایات و واقعات بیان کرنے کے عادی ہیں۔ جیسا کہ مفتیان دیوبند نے اپنی اس کتاب میں نہایت صراحت کے ساتھ اپنے بزرگوں کی اس عادت کا اعتراف کیا ہے۔

> واقعات کشف و کرامت کی اشاعت سے مقصود تو صرف اتنا ہوتا ہے کہ بزرگوں کے آثار محفوظ ہو جائیں نہ اس لیے کہ یقینی طور پر وہ صحیح درست ہیں۔ (انکشاف ص ۱۴۱)

اب اس کے بعد اصل جواب ملاحظہ ہو۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> اور اگر بقول مولوی ارشد القادری اس الزام کو تسلیم بھی کر لیں تو اس میں تعجب ہی کی کیا بات ہے۔ ایسے علم (علم لدنی) کا ثبوت تو قرآن و حدیث میں موجود ہے اور من جانب اللہ اولیاء اللہ کے لیے تو ایک انعام ہے لہٰذا اس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو اس نعمت عظمیٰ سے محروم اور علم لدنی کی حقیقت سے

بالکل نا آشنا ہو۔ (انکشاف ص ۲۰۳)

اللہ اکبر! اپنے بزرگوں کی محبت میں کیسے کیسے اسرار و معارف کے جوہر کھل رہے ہیں۔ اب ذرا علم لدنی کی حقیقت بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :۔

علم لدنی وہ علم ہے جو بغیر خارجی اسباب و وسائط کے دل میں خود بخود پیدا ہو جائے۔ (انکشاف ص ۲۰۴)

اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے کہ جو علم لدنی گھر کے بزرگوں میں خود بخود پیدا ہو جاتا ہے اور جو چھپی ہوئی باتوں کے انکشاف کے لیے کلید کے طور پر بوقت ضرورت استعمال ہوتا ہے' اسے بشرط عطائے خداوندی بھی رسول کی ذات میں یہ لوگ تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ صورت نہ تھی کہ آپ کو نبوت کے مقام رفیع پر پہنچا کر بہ یک دم اور اچانک ذات پاک نبوی کو منشاء علم بنا دیا گیا ہو اور ضرورتوں اور حوادث کے وقت خود بخود آپ کے اندر سے علم ابھر آتا ہو۔ (فاران کراچی کا توحید نمبر ص ۱۱۳)

اس سوال کے لیے اس سے زیادہ موزوں اور کوئی جگہ ہمیں نہیں مل سکتی کہ گھر کے بزرگوں کے لیے جس علم لدنی کا ثبوت قرآن و حدیث سے مفتیان دیوبند کو مل گیا وہ صاحب قرآن کے حق میں قاری طیب صاحب کو کیوں نہیں ملا۔ اس کے جواب میں سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اپنے اور بیگانے کا فرق دل ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ زندگی کی ہر کروٹ میں نمایاں نظر آتا ہے۔

یہاں تک تو ایک ضمنی بحث تھی اصل الزام یہ ہے کہ گنگوہی صاحب کے حق میں یہ عقیدہ کہ حق تعالیٰ نے انہیں ایسا علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا انہیں سلام کرتا ہے تو وہ اس کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں' اس بات کو مستلزم ہے کہ علم و ادراک کی یہ قوت قطعا" ان کے اختیار میں تھی کیونکہ دل کے مخفی ارادوں کا انکشاف اگر خدا کی مرضی پر موقوف ہوتا تو یہ ہرگز نہیں کہا جاتا کہ جب کوئی حاضر ہونے والا انہیں سلام کرتا ہے تو وہ اس کے ارادے سے واقف ہو

جاتے ہیں۔ کیونکہ خدا کی ذات اس امر کے التزام سے بالاتر ہے کہ جب انہیں کوئی سلام کرے وہ انہیں اس کے ارادہ پر مطلع کر دیا کرے۔ اس لیے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ علم و انکشاف کی یہ قوت انہیں دائمی طور پر دے دی گئی تھی اور وہ ہر وقت اس قوت سے کام لینے پر قادر تھے۔

اتنی وضاحت کے بعد اب قارئین کرام غور فرمائیں کہ ایک طرف تو مفتیان دیوبند علم و ادراک کی اس دائمی اور اختیاری قوت کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر اسے تسلیم بھی کر لیں تو تعجب ہی کی کیا بات ہے اور دوسری طرف اہل سنت کا مسلک یہ بیان کرتے ہیں کہ :۔

> کشف و کرامت اہل سنت و الجماعت کے یہاں ثابت و مسلم ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ چیزیں غیر اختیاری ہیں۔ کسی بزرگ یا ولی کے اختیار میں نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں ان واقعات کا ظہور و صدور فرما دیں۔ (انکشاف ص ۱۲)

اب عقیدہ و عمل کے اس تضاد کو سوا اس کے اور کس طرح اٹھایا جا سکتا ہے کہ مسلک کا تعلق انبیاء و اولیاء کی ذات سے ہے اور مسلک کے خلاف عمل گھر کے بزرگوں کے لیے ہے۔

اب اس طرح کے علم کے متعلق تقویتہ الایمان کا یہ عقیدہ بھی نظر میں رکھیں تو مفتیان دیوبند کی علمی خیانت پوری طرح آشکارا ہو جائے گی۔

> جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میرے پاس ایسا کچھ علم ہے کہ جب میں چاہوں اس سے غیب کی بات معلوم کر لوں اور آئندہ باتوں کا معلوم کر لینا میرے قابو میں ہے، سو وہ بڑا جھوٹا ہے کہ وہ دعوئی خدائی کا کرتا ہے۔ (تقویتہ الایمان ص ۲۱)

کوئی خود اپنے بارے میں ایسا دعوئی کرے یا کوئی دوسرا اس کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھے دونوں میں نتائج کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں یہ دعوئی پوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گیا

کہ علمائے دیوبند کے یہاں دو طرح کی شریعتیں ہیں ایک ہی عقیدہ انبیاء اولیا کے حق میں شرک ہے اور اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں عین اسلام۔

دوسری بحث جوابات کے بیان میں

مفتیان دیوبند نے زلزلہ کے الزامات کے جو جواب دیئے ہیں اس کے چند نمونے صرف اس لئے پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ ان کے فکر و بصیرت کے افلاس کا صحیح طور پر اندازہ لگا سکیں اور آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکیں کہ جب مرکز کے مسند نشینوں کی علمی لیاقت کا یہ حال ہے تو شاخ پر بیٹھنے والوں کا کیا حال ہو گا۔

پہلا جواب

زلزلہ میں حکیم الامت نامی کتاب کے حوالے سے لکھا گیا تھا کہ اس کے مصنف مولوی عبدالماجد دریا بادی نے جو تھانوی صاحب کے خلیفہ خاص بھی ہیں۔ ان کی ایک مجلس کا حال لکھتے ہوئے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ دیوبندی مذہب فکر کی طرف سے حسن ظن رکھنے والوں کو چونکا دینے کے لئے کافی ہیں ان کے تاثرات کے جو الفاظ نقل کئے گئے تھے وہ یہ ہیں :۔

> بعض لوگوں کے حالات حضرت نے اپنی زبان سے اس طرح ارشاد فرمائے کہ گویا "در حدیث دیگراں" بعینہ ہم لوگوں کے جذبات و خیالات کی ترجمانی ہو رہی ہے۔ دل نے کہا کہ دیکھو روشن ضمیر ہیں نہ' سارے ہمارے **مخفیات** ان پر آئینہ ہوتے جا رہے ہیں۔ صاحب کشف و کرامت ان سے بڑھ کر کون ہو گا (چند سطروں کے بعد) خیر اس وقت تو گہرا اثر اس **غیب دانی** اور

کشف صدر کا لے کر اٹھا۔ مجلس برخاست ہوئی۔
(حکیم الامتہ ص ۴۴)

اس واقعہ پر زلزلہ کا تبصرہ یہ تھا۔

اخیر کا یہ جملہ پڑھیے۔ یہاں بات ایک دم کھل کر سامنے آگئی ہے۔ مجاز و استعارہ کے ابہام سے ہٹ کر بالکل صراحت کے ساتھ تھانوی صاحب کے حق میں غیب دانی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ لفظ ہے جس پر پچاس برس سے یہ حضرات جنگ کرتے آرہے ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قطعاً" کفر اور شرک ہے۔ (زلزلہ ص ۱۷۵)

اب اس الزام کا جو جواب مفتیان دیوبند نے دیا ہے وہ چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

مصنف زلزلہ کی لیاقت علمی کا اندازہ لگائیے کہ صرف لفظ غیب دانی سے مولانا قادری نے عالم الغیب کا فتویٰ دے دیا ہے۔
(انکشاف ص ۲۱۴)

اگر یہ لوگ نشے کی حالت میں نہیں ہیں تو زلزلہ کا پورا تبصرہ آپ کے سامنے ہے' تلاش کر کے بتائیے کہ کہیں بھی اس میں "عالم الغیب" کا لفظ ہے اب اس کے بعد ایک نیا تماشا اور دیکھیے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس لفظ کے کہنے والے کون صاحب ہیں۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی جو اردو زبان کے مجددین کے سرفہرست' صاحب طرز انشا نگار ہیں۔ آپ اس غیب دانی کی وضاحت کے لئے خود ان کی طرف رجوع فرمالیں۔
(انکشاف ص ۲۱۴)

سبحان اللہ! بڑا معقول جواب ہے۔ زلزلہ کے الزامات سے نجات حاصل کرنے کا یہی راستہ اختیار کرنا تھا تو جواب میں ایک ضخیم کتاب لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھا۔

ایک چھوٹے سے اشتہار میں اتنا لکھ دینا بہت کافی تھا کہ زلزلہ میں جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں ان کی عبارتوں کی وضاحت کے لئے ان کتابوں کے مصنفین کی طرف رجوع فرمالیں۔ اپنے مردوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے ہم زندوں میں سے اب کوئی تیار نہیں ہے اور مفتیان دیوبند کی چالاکی ملاحظہ فرمایئے کہ عبدالماجد صاحب کی شان میں اردو کے مجدد اور صاحب طرز انشاء نگار کی بات تو لکھ گئے لیکن اسے کیوں چھوڑ دیا کہ وہ مولوی حسین احمد صاحب کے مرید اور تھانوی صاحب کے محبوب خلیفہ بھی تھے۔

اس کے بعد تبصرہ کے اس حصے کا کہ مجاز و استعارہ کے ابہام سے ہٹ کر بالکل صراحت کے ساتھ تھانوی صاحب کے حق میں غیب دانی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ لفظ ہے جس پر پچاس برس سے یہ حضرات جنگ کرتے آرہے ہیں" جواب دیتے ہوئے گل افشانی فرماتے ہیں:۔

> دیکھ رہے ہیں آپ! یہاں بھی آپ کو چکمہ دیا جارہا ہے حالانکہ جس پر پچاس سال سے جنگ لڑی جارہی ہے اس کا محاذ دراصل لفظ "عالم الغیب" ہے جو خاصہ خداوندی ہے اور شریعت کی خاص اصطلاح ہے۔ سوا اللہ کے کسی دوسرے پر اس کا اطلاق درست نہیں۔ (انکشاف ص ۲۱۵)

آنکھوں میں دھول جھونکنے کا محاورہ آپ نے سنا ہو گا اس کا صحیح نمونہ یہاں دیکھ لیجئے زلزلہ کے جس صفحے پر ہم نے غیب دانی کے لفظ کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس لفظ پر پچاس برس سے یہ لوگ جنگ کر رہے ہیں وہیں ہم نے حوالہ کے طور پر دیوبندی مذہب کے امام عبدالشکور کاکوری کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے۔

> "ہم یہ نہیں کہتے کہ حضور غیب جانتے تھے یا غیب داں تھے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حضور کو غیب کی باتوں پر اطلاع دی گئی۔ فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق اسی غیب دانی پر کرتے ہیں نہ کہ اطلاع یابی پر۔ (فتح حقانی ص ۲۵ زلزلہ ص ۱۷۵)

اب مفتیان دیوبند ہی بتائیں کہ چکمہ کون دے رہا ہے ہم یا آپ؟ اگر آپ لوگوں نے اپنے قارئین کو چکمہ نہیں دیا ہے تو معقول وجہ بتائیے کہ تبصرہ کی عبارت کے ساتھ حوالے کی یہ عبارت بھی آپ حضرات نے کیوں نہیں نقل فرمائی۔

اب تو الزام کا موقف بالکل واضح ہو گیا کہ ہماری آپ کی جنگ صرف غیب دانی کے لفظ پر ہے عالم الغیب کے لفظ پر نہیں ہے کیوں کہ ہم بھی اس لفظ کے اطلاق کو شریعت کی اصطلاح کے مطابق خدا کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔

اگر آپ حضرات نے کھلی آنکھوں سے زلزلہ کا مطالعہ فرمایا ہے تو عامر صاحب کے تبصرہ کے جواب میں ہماری یہ عبارت ضرور نظر سے گزری ہو گی۔

> "جو لوگ انبیاء اولیاء کے حق میں علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی لفظ عالم الغیب کے اطلاق کو خدا کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ (زلزلہ ص ۳۵)

اب میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ مفتیان دیوبند سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ پوری دیانت داری کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

غیب دانی کے لفظ کے بارے میں ہم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس لفظ پر پچاس برس سے آپ حضرات ہمارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں اب آپ حضرات نے اس دعوے کو چکمہ قرار دیتے ہوئے صراحت فرمائی ہے کہ جنگ کا محاذ دراصل لفظ عالم الغیب ہے، غیب دانی نہیں ہے۔ اگر آپ حضرات کی یہ تحریر سچائی پر مبنی ہے تو اپنے چہرے کا نقاب الٹ کر سامنے آیئے اور اپنے قارئین کو مطمئن کیجئے کہ تصویر کا یہ دوسرا رخ کیا ہے؟

زلزلہ کے مصنف پر اپنی اندرونی چوٹ کا غصہ اتارتے ہوئے آپ حضرات نے یہ عبارت لکھی ہے۔ یہ آپ کے جھوٹ کا پردہ فاش کر رہی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

> اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی کشف و کرامت کا واقعہ ان کی نظر سے گزرتا ہے بس حسد و کینہ پروری کے جذبے میں آکر

علم و استدلال سے ہٹ کر غیب دانی اور خدائی تصرف کا الزام لگاتے ہوئے ان حضرات کو بدنام کرنے کی ذلیل و جاہلانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ (انکشاف ص ۲۲۸)

غیب دانی کے لفظ پر اگر کوئی جھگڑا نہیں ہے اور آپ حضرات بھی اس لفظ کا اطلاق غیر خدا پر جائز سمجھتے ہیں تو ہم نے آپ کے اکابر پر کون سا غلط الزام عائد کیا ہے جس سے ان کی بدنامی ہوتی ہے۔

ضرورت سے زیادہ چالاکی بھی آدمی کو کبھی لے ڈوبتی ہے اپنے ہی قلم سے اپنے جھوٹ کا پردہ فاش کر کے آپ حضرات نے اپنے متعلق ہمیں علامت نفاق کی تلاش کی زحمت سے بچا لیا۔ اس عنایت کا شکریہ؟ لیکن یہ قرض آپ حضرات کے ذمہ واجب الادا رہے گا کہ دونوں باتوں میں سے کون سی بات سچ ہے۔

دوسرا جواب

"مبشرات دارالعلوم" نامی کتاب کے حوالے سے زلزلہ میں یہ عبارت نقل کی گئی تھی۔

بعض کامل الایمان بزرگوں کو جن کی عمر کا بیشتر حصہ تزکیہ نفس اور روحانی تربیت میں گزرتا ہے، باطنی اور روحانی حیثیت سے ان کو من جانب اللہ ایسا ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے کہ خواب یا بیداری میں ان پر وہ امور خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ (مبشرات ص ۱۲، زلزلہ ص ۱۱۴)

اس عبارت پر زلزلہ میں جو تبصرہ کیا گیا تھا اسے بھی پڑھ لیجئے تاکہ مفتیان دیوبند کا جواب آپ واضح طور پر سمجھ سکیں۔

غیرت اسلامی کو آواز دیجئے کہ کشف کا یہی ملکہ راسخہ جو دیوبند کے کامل الایمان بزرگوں کو تزکیہ نفس کی بدولت حاصل ہو جاتا

ہے اور جس کے ذریعہ مخفی امور ان پر خود بخود منکشف ہو جایا کرتے ہیں' وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ لوگ تسلیم نہیں کرتے۔ (زلزلہ ص ۱۴۲)

اب الزام کا جو جواب مفتیان دیوبند نے دیا ہے اسے غیرت ایمانی کے جذبے میں سرشار ہو کر پڑھیے۔ فرماتے ہیں۔

"اب تک آپ کے سامنے اتنی بات بھی واضح ہو چکی ہو گی کہ کشف و کرامت کے صدور و ظہور کا تعلق تزکیہ نفس سے ہے خواہ ذریعہ حصول کچھ بھی ہو۔ ریاضات و مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہو جیسا کہ اولیاء اللہ کو' یا بغیر کسی ریاضت کے حاصل ہو گئی ہو جیسا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام۔
لیکن پھر اسی سوال کو مولانا ارشد القادری بار بار دہرا رہے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے جب قوت کشف و کرامت مانی جا سکتی ہے تو سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اگر تسلیم کر لی جائے تو کیا قیامت لازم آتی ہے۔
آہ! مسلمانوں ذرا سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جرات بیجا کا مظاہرہ تو دیکھو کہ اگر مان لی جائے تو کیا قیامت لازم آتی ہے۔ جی ہاں قیامت ہی نہیں اور بھی کچھ کہیئے۔ کیوں کہ بغیر قرآن و حدیث کے ثبوت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے کسی چیز کا انتساب و عدم انتساب کے درمیان کیا دوزخ و جنت کا سوال نہیں اٹھتا ہے (انکشاف ص ۱۲۴)

ذرا پھر اس مکروہ عبارت کو غور سے پڑھیے اور مفتیان دیوبند کے فہم و بصیرت کا اندازہ لگائیے۔

اس عبارت میں جب ایک جگہ انبیاء کے لیے قوت کشف کا حصول مان لیا گیا جیسا کہ اس فقرہ سے ظاہر ہے "یا بغیر کسی ریاضت کے حاصل ہو گئی ہو جیسے انبیاء

علیہم الصلوۃ والسلام" تو پھر اسی حاصل شدہ قوت کے بارے میں یہ سوال کہاں تک قرین قیاس ہے کہ بغیر ثبوت کے کیسے مانیں۔

عقل مندو! جب ایک جگہ مان لیا کہ ریاضت و تزکیہ کے بغیر وہ قوت انبیاء کرام کو حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس قوت کے ثبوت کے لئے کیا صرف نبی ہونا کافی نہیں ہے؟ الگ سے ثبوت کی ضرورت کیا ہے۔؟

ہاں البتہ غیر نبی میں چوں کہ یہ قوت بغیر ریاضت و تزکیہ کے حاصل نہیں ہوتی اس لے وہاں یہ قوت اس وقت تک تسلیم نہیں کی جا سکتی جب تک کی تزکیہ نہ ثابت ہو جائے۔

اب ذرا دیوبندی ذہن کا یہ عبرتناک تعصب دیکھئے کہ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کشف کے لئے دیوبند کے ان دانشوروں کو قرآن و حدیث کے سارے ذخائر میں ایک ثبوت بھی نہیں مل سکا۔ لیکن جذبہ طلب کو داد دیجئے کہ اپنے گھر کے بزرگوں میں کشف کی قوت ثابت کرنے کے لے وہ قرآن و حدیث دونوں جگہ سے ثبوت تلاش کر لائے۔ جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں۔

> اب مخفی امور پر مطلع ہونے سے متعلق کسی قسم کا کوئی خفا باقی نہیں رہا۔ بلکہ قرآن و حدیث سے اس کی صحیح وضاحت بھی ہو گئی کہ یہ چیز از قبیل کشف و الہام اور منجانب اللہ خاص بندوں پر نوازش ہے۔ (انکشاف ص ۱۷۴)

اب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جذبہ عناد کا ناسور بالکل برہنہ حالت میں دیکھنا چاہتے ہوں تو یہ عبارت پڑھیئے:۔

> یقیناً لاکھوں مکاشفات بغیر کسی ریاضات و مجاہدات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ممکن ہیں۔ مگر یہ چیزیں وجود پذیر بھی ہوئیں اس کا کیا ثبوت؟ اور بغیر ثبوت کے اس پر عقیدہ کی بنیاد کیسے رکھی جا سکتی ہے۔ (انکشاف ص ۴۵)

اس سے بڑھ کر کور چشمی کا ثبوت اور کیا ہو گا کہ پوری برادری کو احادیث و سیر

کے لاکھوں اوراق میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے متعلق کشف اور غیبی مشاہدہ کا ایک واقعہ بھی نہیں مل سکا۔ لیکن اپنے گھر کے بزرگوں میں غیبی مشاہدات کی قوت ثابت کرنے کے لئے واقعات سے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے گئے۔ اب اسی سلسلہ میں ذرا عقل عیار کی کاریگری اور قلم کی لگا تار تضاد بیانی کے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے۔

ابھی آپ نے پڑھا کہ کشف کا ایک واقعہ بھی وجود پذیر نہیں ہوا۔ اب تصویر کا دوسرا رخ پڑھیئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> صحابہ کرام تابعین عظام کے امور غیبی کے مشاہدات کے چند نمونے آپ کے سامنے ہیں۔ اگر ایمان کا چراغ گل نہیں ہوا ہے تو آپ خود فیصلہ کیجئے اور مولانا ارشد القادری سے بھی استفسار کیجئے کہ کیا ان حضرات کے اعتقاد و عمل پر بھی تضاد کا حکم لگایا جائے گا۔ (انکشاف ص ۱۷۸)

کہاں تو یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ کشف اور امور غیبی کے مشاہدے کا کوئی واقعہ وجود پذیر ہی نہیں ہوا اور اب غیبی مشاہدات کے یہ نمونے کہاں سے مل گئے لیکن دھوکہ نہ کھایئے گا کہ یہ اعتراف بھی اخلاص پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک بڑی شرمناک سازش ہے۔ دراصل یہ وہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اعتقاد و عمل کے تضاد کے اکیلے ایک ہم ہی مجرم نہیں ہیں بلکہ اس الزام میں بڑے بڑے لوگ ملوث ہیں۔ جرم تقسیم کر کے ذہنی تسکین حاصل کرنا اگرچہ ہر مجرم کی فطرت ہے لیکن اتنی گستاخ فطرت کہ بزرگوں کا بھی امتیاز ملحوظ نہ رکھے خدا کی پناہ!

اب ایک ہی تصویر کا تیسرا رخ ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> علامہ قادری صاحب نے بار بار دہراتے ہوئے عوام کو ان کے دین و ایمان کا واسطہ دے کر للکارا ہے کہ یہی قوتیں (کشف و کرامت) آقائے نامدار کے حضور میں تسلیم کرنے پر دیوبندی حضرات ابوجہل کے برابر کفر سمجھتے ہیں۔

یقیناً یہ خالص بہتان اور سفید الزام ہے۔ کسی دیوبندی عالم کو ایسا تصور بھی نہیں ہو سکتا، کہنا تو درکنار۔
(انکشاف ص ۲۴۳)

تضاد بیانی کا کمال ملاحظہ فرمایئے کہ ابھی اس تحریر کی روشنائی بھی نہیں خشک ہوئی ہو گی کہ اس کے فوراً بعد ہی قلم سے یہ فقرے صفحہ قرطاس پر ثبت ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ان قوتوں کا تسلیم کرنا کیا صریح توہین نہیں ہے۔ (انکشاف ص ۲۴۳)

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ جب وہ صریح توہین ہے تو پھر کفر کیوں نہیں ہے نہ جانے کس مدہوشی کے عالم میں آج یہ پہلی بار دل کا چھپا ہوا عقیدہ نوک قلم پر آگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کفر نہیں ہے۔

اب اسی تصویر کا چوتھا رخ ملاحظہ فرمائے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

ہم تو لاکھوں مکاشفات آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغیر کسی تزکیہ کے تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ سوال تو یہاں ثبوت اور عدم ثبوت کا ہے۔ (انکشاف ص ۱۶۵)

کشف کی قوتوں کا تسلیم کرنا اگر صریح توہین ہے تو پھر آپ اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار کیوں بیٹھے ہیں۔ غنیمت ہے کہ ثبوت نہیں ملا ورنہ اہانت رسول کا ایک خون ضرور ہوتا۔

اب عقل عیار کی کاریگری اور ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

ہم تو اپنے نبی کے لئے ایسے علم غیب کو اہانت سمجھتے ہیں جس میں نبی اور غیر نبی دونوں یکساں ہوں۔ (ص ۲۴۳)

اب اسی کے ساتھ قاری طیب صاحب کا یہ فقرہ بھی جوڑ دیجئے تو دل کا چھپا ہو نفاق بالکل برہنہ ہو جائے گا۔

رسول اور امت رسول اس حد تک مشترک ہیں کہ دونوں کو علم غیب نہیں ہے۔ (فاران کراچی کا توحید نمبر ص ۱۱۴)

آپ کے یہاں علم میں اشتراک اہانت ہے اور آپ کے مہتمم صاحب کے یہاں جہل میں اشتراک ضروری ہے تو اب نبی کے لیے علم غیب ماننے کی کیا صورت ہو گی؟ پھر علم میں نبی اور غیر نبی کا یکساں ہونا اگر اہانت ہے تو عدم علم میں یکساں ہونا کیوں نہیں اہانت ہو گا۔ پس اس بنیاد پر آپ کے مہتمم صاحب اہانت رسول کے مرتکب ہوئے یا نہیں۔ ہاں یا نہیں میں جواب دیجئے۔

اور چونکہ نبی اور غیر نبی دونوں کو علم غیب میں یکساں قرار دینا اہانت ہے اس لیے حفظ الایمان کے مصنف پر اہانت رسول کا جو مشہور الزام ہے وہ بلاوجہ نہیں ہے۔

اب عقل عیار کی ایک دوسری کاریگری اور ملاحظہ فرمایئے اپنے گھر کے بزرگوں کی طرف خدائی قوتوں کو منسوب کرنے کے لیے مفتیان دیوبند نے ایک عجیب و غریب حیلہ تلاش کیا ہے۔

نبی کے حق میں غیبی قوت ادراک کے عقیدے کو تو یہ کہہ کر انہوں نے مسترد کر دیا ہے کہ نبی کی طرف بغیر ثبوت کے کسی بات کے انتساب پر جہنم کی وعید آئی ہے۔

> اب رہا اولیاء کے حق میں ان چیزوں کا تسلیم کرنا تو یہ کوئی شان نبوت نہیں ہے کہ ثبوت یا عدم کے درمیان دوزخ یا جنت کا سوال اٹھتا ہے یا کسی امور غیر شرعی کو منسوب کرنے پر جہنم کی وعید آئی ہو۔ (انکشاف ص ۲۶۷)

کیا سمجھے آپ؟ دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کی طرف جو خدائی قوتیں اور غیر شرعی باتیں منسوب کی ہیں تو چونکہ وہ لوگ نبی نہیں تھے۔ اس لیے اس میں کسی طرح کا کوئی شرعی مواخذہ نہیں ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ ان کے حق میں جتنا جھوٹ بولو سب روا ہے اور جتنا چاہو انہیں بڑھاؤ کسی طرح کی کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

اب میں مفتیان دیوبند ہی سے سوال کرنا چاہتا ہوں' وہ مجھے فتوے کی زبان میں جواب دیں کہ کسی ولی یا کسی بھی مسلمان کی طرف غیر شرعی باتیں منسوب کرنا کیا

ازروئے کتاب و سنت جائز ہے؟

سمجھ میں نہیں آتا کہ کس مدہوشی کے عالم میں انہوں نے یہ جواب لکھا ہے اور شریعت کے موٹے موٹے اصولوں کا خون کرتے ہوئے انہوں نے ذرا بھی محسوس نہیں کیا ہے کہ اہل علم کی دنیا انہیں کیا کہے گی!

تیسرا جواب

سوانح قاسمی کے حوالے سے زلزلہ میں یہ واقعہ نقل کیا گیا تھا کہ ایک دن مولوی قاسم صاحب نانوتوی اپنے جسد ظاہری کے ساتھ اپنی قبر سے نکل کر دیوبند کے مدرسہ میں چلے آئے اور اس وقت کے صدر مدرس کو چند ضروری ہدایات دے کر واپس لوٹ گئے۔

اس واقعہ کے ضمن میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ وہ وفات کے بعد اپنے جسد ظاہری کے ساتھ قبر سے نکل کر مدرسہ میں کیسے آ گئے۔ تھانوی صاحب نے ارشاد فرمایا:۔

> کہ یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسد عنصری کے دوسری صورت یہ ہے کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسد عنصری تیار کر لیا ہو۔ (ارواح ثلاثہ)

اس جواب پر "زلزلہ" کا الزام یہ تھا کہ روح کا خود عناصر یعنی آگ، پانی، ہوا، مٹی میں تصرف کر کے جسد عنصری یعنی جسم خاکی تیار کرنا چونکہ تخلیق کے ہم معنی ہے۔ اس لیے تھانوی صاحب نے دوسرے لفظوں میں نانوتوی صاحب کی روح کو جسم انسانی کا خالق قرار دے دیا اور یہ کھلا ہوا شرک ہے۔

اس الزام کا جواب مفتیان دیوبند نے یہ دیا ہے کہ تھانوی صاحب کے حاشیہ کا آخری حصہ میں نے چھوڑ دیا ہے اس لیے پوری عبارت کا مفہوم مسخ ہو گیا۔ حاشیہ کا آخری حصہ یہ ہے:۔

"مگر وقت گزر جانے پر اس مرکب کو تحلیل کر دیا جاتا ہے"

اب مفتیان دیوبند ہی کے الفاظ میں پورا جواب پڑھیے۔ تحریر فرماتے ہیں :۔

> آخری جملہ یعنی اس مرکب کو تحلیل کر دیا جاتا ہے' روح کے تصرف حقیقی کی نفی کے لیے کافی ہے جو حاشیہ کا لفظ خود عناصر میں تصرف کرے" سے مولف نے سمجھا ہے۔ اگر مولانا ارشدالقادری اس جملے کو بھی دیانت داری کے ساتھ نقل کر دیتے تو یہ مکرو فریب کا قطعی سدباب ہو جاتا۔
>
> (انکشاف ص ۸۷)

اب قارئین کرام ہی انصاف سے فیصلہ کریں کہ اس جملہ سے الزام اٹھتا ہے یا ایک نیا الزام اور عائد ہو جاتا ہے۔ مرکب اگر تحلیل ہو گیا تو اس سے تصرف حقیقی کی نفی کیونکر ہو گئی۔ قادر مطلق کا بنایا ہوا جسم جب ٹوٹ کر بکھر سکتا ہے تو نانوتوی صاحب کے بنائے ہوئے جسم کو دوام کیونکر حاصل ہو جائے گا۔ کیا اس بنیاد پر مفتیان دیوبند خدا کے تصرف حقیقی کا بھی انکار کر دیں گے؟

البتہ اس آخری جملے سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوئی کہ نانوتوی صاحب اپنے جسم کے صرف خالق ہی نہیں بلکہ فنا کرنے والے بھی ہیں اور یہ عقیدہ عقل کے تقاضے کے بھی عین مطابق ہے کہ جو بناتا ہے' اسی کو بگاڑنے کا بھی حق ہے۔

مفتیان دیوبند کے اس جواب سے ایک نئی بات اور بھی معلوم ہوئی کہ تصرف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تصرف حقیقی اور دوسری صرف تصرف۔ اب یہ مفہوم انہی کو واضح کرنا ہے کہ اس تقسیم کی انہیں یہاں ضرورت کیوں پیش آئی۔ تھانوی صاحب نے تو صرف تصرف کا لفظ استعمال کیا تھا جواب دینے والوں نے تصرف حقیقی کا سوال کہاں سے کھڑا کر دیا۔

اور یہ بھی انہیں بتانا ہو گا کہ تصرف حقیقی کا عقیدہ وہ کس کے حق میں رکھتے ہیں اور صرف تصرف کی قوت وہ کس کے لیے تسلیم کرتے ہیں نیز اس بات کی بھی انہیں وضاحت کرنی ہو گی کہ تصرف کی یہ تقسیم کیا وہ اپنی پرانی کتابوں میں بھی دکھلا

سکتے ہیں؟

اب اخیر میں اعتقاد و عمل کے تضاد کا ایک بالکل تازہ نمونہ اور ملاحظہ فرمائیں۔
یہاں تو تھانوی صاحب نے بعد وفات نانوتوی صاحب کی روح کے لیے تصرف کی قوت کا کھل کر اعتراف کیا ہے لیکن انبیاء اولیاء کے حق میں مفتیان دیوبند کا تازہ عقیدہ یہ ہے۔

> ہمارا بلکہ تمام اہلسنت و الجماعت کا مسلمہ عقیدہ بھی ہے کہ ان حضرات کو خدائی معاملات میں تصرف کا کوئی حق نہیں ہے۔
> (انکشاف ص ۹۹)

کیا کوئی دیوبندی فاضل یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ انسان کا جسم خاکی تیار کرنا خدائی معاملہ نہیں ہے؟

چوتھا جواب

تذکرۃ الرشید کے مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے انگریزی حکومت کے ساتھ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کے نیاز مندانہ جذبات کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے۔

> (آپ) سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہو گا اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے۔ اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔
> (تذکرۃ الرشید ج ا ص ۸۰)

اس پر "زلزلہ" میں جو بے لاگ تبصرہ کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

> کیا سمجھا آپ نے؟ کس الزام کو یہ جھوٹا کہہ رہے ہیں۔ یہی کہ انگریزوں کے خلاف انہوں نے علم جہاد بلند کیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ گنگوہی صاحب کی یہ پر خلوص صفائی کوئی مانے یا نہ مانے لیکن کم از کم ان کے معتقدین کو تو ضرور ماننا چاہئے۔ لیکن غضب خدا

کا کہ اتنی شدومد کے ساتھ صفائی کے باوجود ان کے ماننے والے
یہ الزام ان پر آج تک دہرا رہے ہیں کہ انہوں نے انگریزوں
کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال
مشکل ہی سے ملے گی کہ کسی فرقے کے افراد نے اپنے پیشوا کی
اس طرح تکذیب کی ہو۔ (زلزلہ ص ۱۰۱)

اخیر کا یہ حصہ بھی محفوظ کرنے کے قابل ہے۔

خدا کے باغیوں کے لیے تو جذبہ عقیدت کا یہ اعتراف ہے کہ "
مالک بھی ہیں اور مختار بھی لیکن احمد مجتبیٰ، محبوب کبریا صلی اللہ
علیہ وسلم کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ
ہے۔

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار (مالک) نہیں"
(تقویتہ الایمان) (زلزلہ ص ۱۰۳)

اس الزام کا جو جواب مفتیان دیوبند نے دیا ہے وہ اپنے نبی کی طرف سے دل
کے چھپے ہوئے نفاق کا ایک کھلا ہوا اعتراف ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

تقویتہ الایمان میں تو مالک و مختار حقیقی کی نفی کی گئی ہے وہ اللہ
کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اب رہا حضرت گنگوہی کا ارشاد کہ
سرکار مالک ہے تو یہاں مالک سے مجازاً" یا نعتہ" مراد لیا جا سکتا
ہے۔ مختار حقیقی کیسے مراد ہوا۔ (انکشاف ص ۱۵۱)

نہ "مختار حقیقی" کا لفظ تقویتہ الایمان میں ہے اور نہ "مالک مجازی" کی ترکیب
تذکرۃ الرشید میں ہے۔ دونوں جگہ صرف "مختار" اور صرف "مالک" کا لفظ ہے۔ لیکن
اخلاص اور نفاق کا یہ فرق محسوس کیجئے کہ سرکار برطانیہ کو مالک ثابت کرنے کے لیے
مجازی کا سہارا لیا گیا اور نبی کے حق میں مالک و مختار کی نفی کرنے کے لیے حقیقی کی قید
بڑھا دی گئی۔ قلم کی کاریگری دونوں جگہ ہے لیکن ایک جگہ حمایت میں ہے اور
دوسری جگہ مخالفت میں۔

یہاں تو انگریزوں کو مالک ثابت کرنے کے لیے نہیں بھی تاویل کی گنجائش تھی تو نکال لی گئی لیکن ایک وفادار امتی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھ دیا تھا کہ:

"وہ تمام آدمیوں کے مالک ہیں، جو انہیں مالک نہ جانے، حلاوت سنت سے محروم ہے۔" (بہار شریعت حصہ اول)

تو صرف اتنی سی بات پر مفتیان دیوبند اتنے مشتعل ہو گئے کہ اپنے قلم کی شرافت بھی برقرار نہ رکھ سکے اور زہر میں بجھی ہوئی تحریر سے مصنف بہار شریعت کے جذبہ عقیدت کو اس طرح محسوس کیا:۔

ایسی جرات بیجا کے ساتھ قرآن و حدیث کی مخالفت کرنے والے کیا اب بھی مسلمان اور وحدت پرست رہ سکتے ہیں۔
(انکشاف ص ۱۰۷)

سرکار برطانیہ کو اپنا مالک و مختار قرار دے کر اگر آپ کے اکابر آپ حضرات کے نزدیک مسلمان اور وحدت پرست ہیں تو جو لوگ نبی کو اپنا مالک کہہ رہے ہیں ان کا اسلام کیوں خطرے میں پڑ جائے گا۔ انگریزوں کو اپنا مالک و مختار سمجھنا کیا قرآن و حدیث کی مخالفت نہیں ہے؟

پانچواں جواب

سوانح قاسمی میں مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے متعلق حضرت شاہ امداد اللہ صاحب کی زبانی یہ فقرے نقل کیے گئے ہیں۔

"یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل (گرانی) ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا۔ تم سے حق تعالیٰ کو وہ کام لینا ہے، جو نبیوں سے لیا جاتا ہے۔ (سوانح قاسمی ج ۱ ص ۲۵۹)

اس پر زلزلہ میں جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

> نبوت کا فیضان، وحی کی گرانی اور کار انبیاء کی سپردگی ان سارے لوازمات کے بعد نہ بھی صریح لفظوں میں ادعائے نبوت کیا جائے جب بھی اصل مدعا اپنی جگہ پر ہے۔ (زلزلہ ص ۱۴۰)

اس تبصرہ پر مفتیاں دیوبند تلملا اٹھے ہیں۔ جذبے کا اضطراب ملاحظہ فرمایئے۔

> فیضان نبوت تو ہر اولیاء اللہ بلکہ ہر نبی کی امت پر ہوتا ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ مولوی ارشد القادری اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں۔ (انکشاف ص ۴۸)

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

> جب فیضان نبوت کا ہونا ثابت ہو گیا تو پھر یہ سمجھیے کہ فیضان نبوت کوئی معمولی شے نہیں ہے۔ اس کا برداشت کرنا بھی قوت ایمانی کی بات ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب نبوت کا تعلق وحی سے ہے تو فیضان کا تعلق کہاں سے ہو گا؟ (انکشاف ص ۴۸)

"وحی سے ہو گا" اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہمت کر کے یہ بھی کہہ ڈالیے کہ نبوت کا تعلق وحی سے ہے اور وحی کا تعلق جبرئیل امین سے ہے تو فیضان کا تعلق کہاں سے ہو گا؟

یہی بات تو زلزلہ میں کہی گئی ہے اور وہی بات آپ بھی دہرا رہے ہیں۔ پھر آپ ہی حضرات ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ بلاوجہ ہم پر غصہ اتارنے سے کیا فائدہ۔

اب آخر میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے شاید پسینہ آ جائے گا کہ بقول آپ کے جب نبوت کا فیضان ہر اولیاء پر ہوتا ہے تو آپ کی پوری برادری میں نانوتوی صاحب کے علاوہ بھی کوئی ولی گزرا ہے یا نہیں؟ اگر گزرا ہے تو اس کے متعلق بھی اس طرح کے فیضان نبوت کی کوئی روایت ہو تو صفحہ و سطر کے ساتھ اس کی نشاندہی فرمایئے۔

اور بالفرض وفات یافتہ بزرگوں میں سے اس طرح کے فیضان کی کوئی مثال نہ

مل سکے تو زندوں میں ہی ڈھونڈھیئے۔ آج بھی آپ کے جو اکابر موجود ہیں انہی کے بارے میں اس طرح کی کوئی روایت ہو تو بیان کیجئے۔

زیادہ نہیں صرف قاری طیب صاحب ہی کے بارے میں بتایئے کہ سال میں کتنی بار ان پر وحی کی گرانی کا دورہ پڑتا ہے۔ انہیں اس نعمت عظمیٰ سے محروم نہیں ٹھہرانا ہے تو جواب کی زحمت ضرور فرمایئے گا۔

چھٹا جواب

تذکرۃ الرشید کے مصنف نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے متعلق یہ روایت بیان کی ہے کہ بارہا آپ کی زبان سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ :

سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بہ قسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں' مگر اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۷ ج ۲)

اس پر زلزلہ میں جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

پاس داری کے جذبے سے الگ ہو کر صرف ایک لمحے کے لیے سوچئے! وہ یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ رشید احمد کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ حق ہے بلکہ ان کے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ حق صرف رشید احمد ہی کی زبان سے نکلتا ہے۔ دونوں کا فرق یوں محسوس کیجئے کہ پہلے جملے کو صرف خلاف واقعہ کہا جا سکتا ہے لیکن دوسرا جملہ خلاف واقع ہونے کے ساتھ ساتھ اس دور کے تمام پیشوایان اسلام کی حق گوئی کو ایک کھلا ہوا چیلنج بھی ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں مولوی رشید احمد صاحب کے علاوہ کسی کی زبان بھی کلمہ حق سے آشنا نہیں ہوئی۔

(زلزلہ ص ۱۳۷)

تبصرہ کا یہ آخری حصہ بھی توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے۔

> اور اخیر کا یہ جملہ کہ "اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر"۔ پہلے والے سے بھی زیادہ خطرناک اور گمراہ کن ہے۔ گویا حصول نجات کے لیے اب رسول عربی فداہ ابی و امی کا اتباع ناکافی ہے۔
> اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ کسی کے اتباع پر نجات موقوف ہو۔ یہ شان صرف رسول کی ہو سکتی ہے۔ نائب رسول ہونے کی حیثیت سے علمائے کرام کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اتباع رسول کی دعوت دیں اپنے اتباع کی دعوت دینا قطعاً" ان کا منصب نہیں ہے۔ لیکن صاف عیاں ہے کہ گنگوہی صاحب اس منصب پر قناعت کرنا نہیں چاہتے۔ (زلزلہ ص ۱۳۷)

ان الزامات کے جواب میں مفتیان دیوبند کا فکری کارنامہ ملاحظہ فرمایئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

> اور یہ ظاہر ہے کہ ایک متبع سنت اور کامل التقوی کی زبان ہر لحہ حق گو ہوتی ہے اور مقصد صرف یہ ہے کہ حق ہی نکلتا ہے باطل نہیں۔ (انکشاف ص ۱۷۹)

نہ جانے کس غصے میں مفتیان دیوبند یہ جواب لکھ گئے ہیں۔ انھیں جواب ہی دینا تھا تو سب سے پہلے اعتراض کا مفہوم سمجھ لینا چاہئے تھا۔ اعتراض صرف یہی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ یہ دعویٰ کر کے انہوں نے اس دور کے سارے علمائے حق گو کی صریح توہین کی ہے۔ ان کے اس جواب کے بعد بھی اصل اعتراض اپنی جگہ پر ہے۔

اس کے بعد بوکھلاہٹ میں "زلزلہ" کے مصنف پر اپنا غصہ یوں اتارتے ہیں۔

> اب آپ خود انصاف کیجئے کہ ایسے ناسمجھ کا کیا علاج! بس توڑ مروڑ کر جملے کو خلاف شرع بنانے کی کوشش ہی صاحب "زلزلہ"

کا مقصد اصلی ہے۔ (انکشاف ص ۱۸۰)

گنگوہی صاحب کی زبان سے نکلے ہوئے فقرے اور ان پر زلزلہ کا تبصرہ' دونوں ہی اصل حالت میں قارئین کرام کے سامنے ہیں۔ آپ ہی حضرات بے لاگ ہو کر فیصلہ کریں کہ ہم نے توڑ موڑ کر جملے کو خلاف شرع بنایا ہے یا جملہ ہی خلاف شرع ہے۔

اچھا چلئے! ہم نے اگر توڑ موڑ کر جملے کو خلاف شرع بنایا ہے تو آپ ہی لوگوں نے اسے شرع کے مطابق بنا دیا ہوتا۔ لیکن یہ بھی تو نہیں ہو سکا آپ لوگوں سے' بغیر دلیل کے صرف دعویٰ کب تک آپ لوگوں کا بھرم باقی رکھے گا۔

"حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے" اس کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں رشید احمد صاحب کے علاوہ کسی کی زبان بھی کلمہ حق سے آشنا نہیں ہوئی۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

> اب رہا دوسرا جملہ کہ ہدایت و نجات موقوف ہے۔ میرے اتباع پر تو دراصل یہ استعارہ ہے۔ چونکہ حضرت گنگوہی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قرآن و حدیث کی صحیح اتباع میں ڈوب چکا ہے اس لیے آپ کی اتباع دراصل قرآن و حدیث کی اتباع ہو گی۔
>
> (انکشاف ص ۱۸۰)

غور فرمائیے! یہ الزام کا جواب ہوا یا ایک نیا الزام اور بڑے میاں کے اوپر لاد دیا گیا۔ اس دلیل کا مفاد تو یہ ہے کہ جس کی زندگی بھی قرآن و حدیث کے اتباع میں ڈوب جائے وہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اپنا ہی اتباع کرانے لگے۔

پھر اسلام میں یہ دلیل اگر قابل قبول ہوتی تو چودہ سو برس کی لمبی مدت میں ایسی زندگیوں کی کمی نہیں ہتھی جو قرآن و حدیث کے اتباع میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ پھر اس بنیاد پر جب ہر خلف قرآن و حدیث سے بے نیاز ہو کر اپنے سلف ہی کا اتباع کرتا تو قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنے کی نوبت ہی کب آتی اور قرآن و حدیث کی اشاعت و تعلیم کا یہ سلسلہ ہی وجود میں کیوں آتا۔

اس لیے گنگوہی صاحب کے خلاف اصل الزام یہی ہے کہ انہوں نے اتباع رسول کی دعوت دینے کے بجائے اپنے اتباع کی دعوت کیوں دی اور "اس زمانے میں نجات موقوف ہے میرے اتباع پر"۔ یہ فقرہ بالکل اسی مفہوم میں ہے کہ جیسے پرانی شریعت منسوخ ہو جائے اور من جانب اللہ کوئی نئی شریعت انسانوں پر نافذ ہو۔

ساتواں جواب

مفتیان دیوبند نے "زلزلہ" کا ایک الزام نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ!

> حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک مرید ایک روز خانقاہ میں لیٹے ہوئے تھے۔ کچھ سکر پیدا ہوا اور حضرت شاہ ولی اللہ کو حالت خواب میں دیکھا کہ آپ مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں۔
> اس تخاطب اور فرمان کی منظر کشی صاحب تذکرۃالرشید یوں کرتے ہیں جسے مولف نے بھی چوتھی کہانی کے ذیل میں نقل کیا ہے۔
> حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو دیکھا کہ سامنے تشریف لیے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ان کو مخاطب بنا کر اس طرح فرمایا کہ دیکھو جو چاہو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے چاہنا۔ (انکشاف ص ۱۸۶)

اس واقعہ پر زلزلہ میں جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

> "شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کا گھرانا ہندوستان میں عقیدہ توحید کا سب سے بڑا محافظ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سخت تعجب ہے کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر مولوی رشید احمد صاحب سے سب کچھ چاہنے کی ہدایت فرمائی۔
> "شاہ صاحب کی طرف اتنا بڑا شرک منسوب کرتے ہوئے واقعہ

کے راویوں کو کچھ تو شرم محسوس کرنی چاہیے تھی۔
ایک طرف اپنے مولانا کو بااختیار اور صاحب تصرف ثابت کرنے کے لیے شاہ ولی اللہ صاحب کی زبانی یہ کہلوایا جاتا ہے اور دوسری طرف اپنی توحید پرستی کا ڈھونگ رچانے کے لیے عقیدہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے۔

ہر کسی کو چاہیے کہ اپنی حاجت کی چیزیں اپنے رب سے مانگے۔ یہاں تک کہ لون (نمک) بھی اسی سے مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اسی سے مانگے"۔

(تقویتہ الایمان ص ۳۴، زلزلہ ص ۱۴۲)

اب اس الزام کا جو جواب مفتیان دیوبند نے دیا ہے ذرا اسے بھی پڑھ لیجیے۔ عالمانہ کردار کی شرافت سطر سطر سے ٹپک رہی ہے!
ارشاد فرماتے ہیں:۔

میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ "زلزلہ" کو پڑھتے ہوئے مجھے علامہ قادری کے بارے میں "نیم ملا خطرہ ایمان" کی مثل بار بار یاد آتی ہے۔ فاضل مصنف نے عالم خواب و عالم بیداری کے الگ الگ احکام کو بھی مساوی بنا کر اپنے فریب کی تائید میں ایک اور دلیل تلاش کی ہے۔
حالانکہ شریعت نے خواب و بیداری کے تقریباً تمام تر احکامات میں نہایت واضح فرق کیا ہے۔ (انکشاف ص ۱۸۷)

اس جواب کی بنیاد جس جھوٹ پر ہے سب سے پہلے اس کا پردہ فاش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں اس کے لیے قارئین کرام کو صرف اتنی زحمت دوں گا کہ تذکرۃ الرشید کی اصل عبارت جو "زلزلہ" میں نقل کی گئی ہے ذیل میں ایک بار مطالعہ فرما لیں۔ مرید کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف لکھتے ہیں۔

ایک روز خانقاہ میں لیٹے ہوئے اپنے شغل میں مشغول تھے کہ کچھ سکر پیدا ہوا (یعنی بے خودی کی حالت طاری ہوئی) اور حضرت شاہ ولی اللہ کو دیکھا کہ سامنے تشریف لیے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ان کو مخاطب بنا کر اس طرح امر فرمایا کہ دیکھو جو چاہو حضرت مولانا رشید احمد سے چاہنا۔ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۳۰۹)

اب مفتیان دیوبند کی نقل کردہ عبارت اور تذکرۃ الرشید کی اصل عبارت کو سامنے رکھ کر قلم کی چوری پکڑیے۔

تذکرۃ الرشید کی عبارت میں ہے کہ "لیٹے ہوئے اپنے شغل میں مشغول تھے"۔ یار لوگوں نے اس فقرے کو اس لیے اڑا دیا تاکہ یہ ظاہر نہ ہو سکے کہ یہ واقعہ بیداری کا ہے کیونکہ کسی شغل میں مشغول ہونے کی حالت خواب کی نہیں ہوتی قطعاً بیداری کی ہوتی ہے اور دوسری کاریگری یہ کی کہ اپنی طرف سے یہ فقرہ بڑھا دیا کہ "شاہ ولی اللہ کو حالت خواب میں دیکھا" حالانکہ کتاب میں حالت خواب کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

اب قارئین کرام ہی انصاف فرمائیں کہ تذکرۃ الرشید کا یہ واقعہ شریعت کے مزاج کے عین مطابق تھا تو اس قدر کانٹ چھانٹ اور قطع و برید کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

بیداری کے واقعہ کو خواب کا واقعہ بنانے میں مصلحت کیا تھی اس کا اظہار خود مفتیان دیوبند ہی نے اپنے قلم سے کر دیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

یہ امر واقعہ ہے کہ جو خواب بظاہر خلاف شرع اور کتاب و سنت سے متصادم معلوم ہو تو اس کی تعبیر اس کے خلاف ہوتی ہے اور اسے قطعی امر پر محمول نہیں کیا جاتا۔ (انکشاف ص ۱۸۸)

یعنی خواب کا واقعہ ہے کہ جو کچھ چاہنا حضرت مولانا رشید احمد سے چاہنا۔ اب اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ خبردار ان سے کچھ بھی مت چاہنا۔

بھلے آدمی! اگر یہی تعبیر نکالنی تھی تو خواب ہی کیوں دیکھا تھا۔ بڑی مشکل سے خواب بھی دیکھا تو الٹی تعبیر والا۔ آخر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ کم بخت کتنے گھامڑ نکلے کہ آسان اردو میں بھی میری بات نہیں سمجھ سکے۔

بہرحال مفتیان دیوبند کے اس تعبیر نامے سے اتنی بات ضرور معلوم ہو گئی کہ یہ واقعہ خلاف شرع اور کتاب و سنت سے متصادم ہے اور چونکہ یہ واقعہ بیداری کا ہے اس لیے شرعی مواخذہ سے اب کوئی بچ نہیں سکتا۔

مفتیان دیوبند کا ایک چیلنج

اب اس کے بعد مفتیان دیوبند کا ایک مضحکہ خیز چیلنج ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> اب رہی تقویتہ الایمان کی وہ عبارت جسے مولانا ارشد القادری نے نقل کر کے اپنے تئیں حضرت گنگوہی کے عمل و اعتقاد میں تضاد ثابت کیا ہے۔ زرا اسے بھی پڑھ لیجئے۔
> "ہر کسی کو چاہیئے کہ اپنی حاجت کی چیزیں اپنے رب سے مانگے"
> یقیناً یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے۔ مگر کیا مولوی قادری صاحب یہ ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے عالم خواب کی بشارت کو کسی دیو بندی عالم نے عالم بیداری میں اپنے گلے کا ہار بنا کر اس پر عمل کیا ہو۔ یا کسی وفات یافتہ پیر بزرگ سے اپنی حاجت روائی کی ہو نہیں ہرگز نہیں۔ قیامت تک ایسا ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔ یہ میرا کھلا ہوا چیلنج ہے اگر ہمت ہو تو اس چیلنج کو قبول کر لو۔ (انکشاف ص ۱۸۹)

چیلنج کا جواب

صمیم قلب سے یہ چیلنج قبول کرتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ چیلنج کر کے پچھتایئے

گا مت اور آنکھوں سے آنسو کے بجائے لہو کی بوند ٹپکے تو شکوہ بھی نہ کیجئے گا۔

جہاں تک عالم خواب میں شاہ صاحب کی بشارت کا تعلق ہے اگر بیداری کی حالت میں آپ حضرات نے اس پر عمل نہیں کیا ہے تو سمجھ داری کا ثبوت دیا ہے۔ کیونکہ آپ اقرار کر چکے ہیں کہ آپ لوگوں کے یہاں خواب کی تعبیر الٹی ہوتی ہے۔

لہٰذا "جو کچھ چاہنا حضرت مولانا رشید احمد سے چاہنا" کی تعبیر جب آپ کے یہاں یہ ہوگی کہ ان سے کچھ بھی مت چاہنا تو اب اس ممانعت کے بعد ان سے کچھ چاہنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ پھر بھی یہ آپ حضرات کا حوصلہ ہے کہ شاہ صاحب کے منع کرنے کے باوجود بھی آپ لوگ اپنی حرکت سے باز نہیں آئے۔

پہلا ثبوت:

ایک طرف آپ حضرات عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہر کسی کو چاہیے کہ اپنی حاجت کی چیزیں خدا ہی سے مانگے۔ اس عقیدے میں چونکہ مردہ اور زندہ چھوٹی اور بڑی چیز کی کوئی تفریق نہیں ہے اس لیے اس عقیدے کا تقاضا اسی وقت پورا ہو سکتا ہے کہ نہ زندوں سے کچھ مانگا جائے نہ مردوں، نہ چھوٹی نہ بڑی نہ جسمانی نہ روحانی۔

لیکن دوسری طرف گنگوہی صاحب کی وفات کے بعد آپ کے اکابر نے ان کے مرثیے میں خدا کی حاجت روائی کے اس عقیدے کا جس بری طرح مذاق اڑایا ہے وہ مذہبی تاریخ کا نہایت شرمناک المیہ ہے۔ مرثیہ کا وہ شعر آپ حضرات کے ذہن سے نکل گیا ہو تو اپنا حافظہ تازہ کر لیں۔ خدا کو مخاطب کرتے ہوئے آپ کے شیخ الہند فرماتے ہیں۔

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی!

آپ ہی حضرات منصفی سے کہیے کہ کیا یہ شعر عقیدے کے اس منافقانہ کردار کو بے نقاب نہیں کرتا کہ نہ گنگوہی صاحب کی زندگی میں آپ لوگوں نے خدا کو حاجت روا سمجھا اور نہ اب حاجت روا سمجھ رہے ہیں۔ کیونکہ شاعر کے ذہن میں خدا

کی حاجت روائی کا کوئی تصور ہوتا تو خدا سے وہ ہرگز یہ پوچھنے کی جسارت نہ کرتا کہ اب ہم اپنی حاجتیں کہاں لے جائیں۔

دوسرا ثبوت

آپ نے قیامت تک کی بات کی ہے اور ہم کئی سال پیشتر ماضی میں اس کا ثبوت دے چکے ہیں کہ آپ کے یہاں خدا کو چھوڑ کر گنگوہی صاحب ہی کو اپنا حاجت روا بنایا جاتا رہا ہے۔

ثبوت کے لیے چشم خوں بار سے تذکرۃ الرشید کا یہ واقعہ پڑھیے جسے زلزلہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

حاجی دوست محمد خاں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک نہایت مخلص خادم تھے۔ ایک بار ان کی اہلیہ کی طبیعت سخت خراب ہو گئی۔ ہزار علاج و معالجہ کے باوجود دن بدن علالت سنگین ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ ایک دن بالکل نزع کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حاجی صاحب نے سرہانے بیٹھ کر یٰسین شریف پڑھنی شروع کی۔

اب اس کے بعد کا واقعہ تذکرۃ الرشید کے مصنف کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

> چند لمحے گزرے تھے کہ دفعتاً" مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور ایک لمبا سانس لے کر پھر آنکھ بند کر لی۔ سب نے سمجھ لیا کہ اب وقت اخیر ہے۔
>
> حاجی دوست محمد خاں اس حسرت ناک نظارہ کو نہ دیکھ سکے۔ بے اختیار وہاں سے اٹھے اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی (گنگوہی صاحب) کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آگیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہو تو یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے رفع ہو جائے۔
>
> مراقبہ کرنا تھا کہ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور باتیں کرنی

شروع کردیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۳۲۱)

انصاف سے کہئے کہ واقعہ کا آخری حصہ پڑھ کر بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نہیں کہ جیسے کوئی بندہ اپنے رب کے حضور گڑگڑا رہا ہو کہ اے عالم الغیب اور کارساز خداوند؟ زندگی اور موت کا علم بھی تجھی کو ہے اور خاتمہ بالخیر کرنے یا تکلیف رفع کرنے کی قدرت بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ وقت آگیا ہو تو خاتمہ بالخیر اور زندگی باقی ہو تو یہ تکلیف رفع ہو جائے۔

اور غضب یہ ہے کہ واقعہ نگار نے یہاں اس عذر کی بھی گنجائش باقی نہیں رکھی کہ یہ ایک خادم کا فعل تھا۔

مخدوم صاحب کو اس واقعہ کی کیا خبر؟ کہ ان پر کسی طرح کا الزام عائد کیا جائے آگے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

حاجی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ جس وقت مراقب ہوا حضرت کو اپنے سامنے پایا اور پھر تو یہ حال ہوا کہ جس طرف نگاہ کرتا حضرت کو بہ ہیئت اصلیہ موجود دیکھتا تھا۔ تین شبانہ روز یہی حالت رہی۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۳۲۱)

حاجت روائی کے لیے اپنے خادم کے دل کا خاموش استغاثہ اگر حضرت نے سینکڑوں میل کے فاصلے سے سن نہیں لیا تھا تو مراقبہ کرتے ہی وہ سامنے کیوں کر آگئے اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ شرک کا یہ سارا مرحلہ خادم و مخدوم دونوں نے مل کر طے کیا۔

تیسرا ثبوت

اور پھر حاجت روائی کے لیے اپنے ایک فریادی کی پکار پر گنگوہی صاحب کی تشریف آوری کا یہ واقعہ کچھ پہلا نہیں ہے۔ ایک بار وہ اور بھی استغاثہ والے مراقبے میں سامنے آئے تھے۔ جیسا کہ تذکرۃ الرشید کے مصنف نے حاجی دوست محمد خاں نامی ایک کوتوال کے لڑکے کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک دنیادار پیر کے چنگل میں پھنس

گیا اور اس کے ہاتھ پر مرید ہونے کا ارادہ کر لیا۔ باپ نے ہزار منع کیا لیکن وہ اپنے اس ارادے سے باز نہیں آیا۔ آخر ایک دن مرید ہونے کی نیت سے چل کھڑا ہوا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کی زبانی سنئے۔ لکھا ہے کہ:۔

> "آخر حاجی صاحب نے جب بیٹے کا اصرار دیکھا تو باقتضائے محبت دست بہ دعا ہوئے اور مراقب ہو کر حضرت (گنگوہی) کی جانب متوجہ ہو کر خلوت میں جا بیٹھے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۵)

ادھر باپ اپنے پیر و مرشد گنگوہی صاحب کو حاضر و ناظر تصور کر کے مصروف مناجات تھا اور ادھر بیٹے کا قصہ سنئے' لکھتے ہیں کہ:۔

> "(حاجی صاحب کے بیٹے) عبدالوہاب اپنے پیر کے پاس آئے اور مودب دو زانو بیٹھ گئے۔ بے اختیار پیر کی زبان سے نکلا اول باپ سے اجازت لے آؤ اس کے بغیر بیعت مفید نہیں۔ غرض ہاتھ بیعت کے لیے تھام کر چھوڑ دیئے اور انکار فرما دیا۔
> (تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۶)

اب اس کے بعد سوانح نگار کا یہ تہلکہ خیز بیان چشم عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

> حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں امام ربانی (گنگوہی صاحب) کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ حضرت غایت شفقت کے ساتھ عبدالوہاب کا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ میں پکڑاتے اور یوں فرماتے ہیں لو اب یہ اس کا مرید نہ ہو گا۔ یہ وہی وقت تھا کہ انہوں نے عبدالوہاب کا ہاتھ چھوڑا اور یہ کہہ کر بیعت سے انکار کر دیا کہ باپ سے اجازت لے آؤ۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۶)

ادھر حاجی صاحب نے مراقب ہو کر گنگوہی صاحب سے عقدہ کشائی کی درخواست کی اور ادھر دل کی خاموش زبان کا استغاثہ گنگوہی صاحب نے سن لیا اور

صرف سن ہی لیا نہیں بلکہ پلک جھپکتے نظر کے سامنے بھی آ گئے اور اپنی کار سازی کا کرشمہ بھی دکھا کر چلے گئے۔

یہ دونوں واقعات آپ کے سامنے ہیں۔ جماعتی عصبیت سے بالاتر ہو کر آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ گنگوہی صاحب کو حاجت روا بنانے کا اس سے زیادہ واضح ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

مراقب ہو کر فریاد کرنا صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ گنگوہی صاحب کی مجلس میں نہیں پیش آیا تھا کہ اسے دعا کی درخواست پر محمول کیا جائے بلکہ ایک غائب کو حاضر و ناظر تصور کر کے اس سے شعوری طور پر استغاثہ کیا گیا تھا۔ ایک غائب سے استغاثہ کا مطلب اگر اسے علیم و خبیر' کارساز و متصرف اور حاجت روا سمجھنا نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

مراقبے میں گنگوہی صاحب کو حاضر و ناظر سمجھ کر یہ مشرکانہ استغاثہ اگر تذکرۃ الرشید کے مصنفین و مویدین کے نزدیک باطل تھا تو اسے رد کیوں نہیں کر دیا گیا۔ اس لیے دیوبندی اکابر کی توثیق کے بعد ان واقعات کی ذمہ داری سے اب انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔

چوتھا ثبوت

اب وفات یافتہ بزرگ سے بھی حاجت روائی کا ایک واقعہ سن لیجئے۔ روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے خواجہ غریب نواز نمبر میں مولوی محمد یعقوب صاحب سابق صدر مدرس مدرسہ دیوبند کے متعلق قاری طیب صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ قاری طیب صاحب نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نہ صرف عالم ربانی بلکہ عارف باللہ اور صاحب کشف و کرامت اکابر میں سے تھے۔

لکھا ہے کہ سلوک کی منزل کی تکمیل کے ارادہ سے وہ اجمیر شریف حاضر ہوئے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے روضہ خواجہ کے قریب ایک پہاڑی پر اپنی کٹیا بنائی اور وہیں قیام پذیر ہو گئے اکثر مزار شریف پر حاضر ہو کر دیر دیر تک مراقب رہتے۔ ایک

دن مراقبے میں حضرت خواجہ کی طرف سے ارشاد ہوا۔

> ''آپ کی تکمیل مدرسہ دیوبند میں حدیث پڑھانے ہی سے ہو گی آپ وہیں جائیں اور ساتھ ہی حضرت خواجہ کا مقولہ بھی منکشف ہوا کہ آپ کی عمر کے دس سال رہ گئے ہیں اس میں یہ تکمیل ہو جائے گی۔ (الجمعیۃ خواجہ غریب نواز نمبر ص ۶)

ہماری بحث کا مرکزی نقطہ خواجہ کا یہی ارشاد ہے جو مراقبہ میں ان پر منکشف ہوا۔ یہ ارشاد اس بات کی واضح طور پر نشان دہی کرتا ہے کہ یقیناً یہ کسی درخواست کے جواب میں ہے اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی صاحب مزار سے ایسی ہی درخواست کا نام استغاثہ' استمداد یا طلب حاجت ہے۔ پھر سوال یہاں حاجت کی نوعیت کا نہیں ہے۔ حاجتیں روحانی بھی ہو سکتی ہیں اور جسمانی بھی ہو سکتی ہیں اور دنیوی بھی۔ اصل مدعا یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور دیوبندی جماعت کے عظیم رہنما نے ایک وفات یافتہ بزرگ سے اپنی حاجت روائی کے لیے قصد و ارادہ کے ساتھ سفر کیا' مزار پر پہنچے' مراقب ہوئے اور صاحب مزار سے استغاثہ کیا۔ یہ استمداد لغیر اللہ اور طلب حاجت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

مفتیان دیوبند نے ہمیں جس دعوے کے ثبوت کے لیے چیلنج کیا تھا الحمدللہ کہ ہم نے چار مضبوط حوالوں سے وہ دعویٰ ثابت کر دیا۔ انہوں نے قیامت تک کی بات کہی تھی' میں نے قیامت سے پہلے ہی ثبوت فراہم کر دیئے۔ اب قیامت سے پہلے ہی ان پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو تو میرے اوپر کوئی الزام نہیں ہے کہ قیامت کو خود انہوں نے ہی دعوت دی تھی۔

آٹھواں باب

سوانح قاسمی کے حوالے سے ''زلزلہ'' میں نانوتوی صاحب کا ایک واقعہ نقل کیا گیا تھا کہ وہ وفات کے بعد اپنے جسم ظاہری کے ساتھ ایک مناظرہ میں شریک ہوئے اور اپنی قوت خداداد سے دیوبندی مناظر کی مدد فرمائی۔

اس واقعہ کی حمایت میں وفات یافتہ بزرگوں سے مدد لینے کے سوال پر مولوی مناظر احسن گیلانی نے تحریر فرمایا۔

> وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں علمائے دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہلسنت و الجماعت کا ہے۔ (سوانح قاسمی ج ۱ ص ۲۳۲)

اخیر میں نتیجہ کے طور پر تحریر فرمایا:۔

"پس بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں"۔

اس پر "زلزلہ" میں جو تبصرہ کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

> اللہ اکبر! دیکھ رہے ہیں آپ! قصہ آرائی کو واقعہ بنانے کے لیے یہاں کتنی بے دردی کے ساتھ مولانا نے اپنے مذہب کا خون کیا ہے۔ جو عقیدہ نصف صدی سے پوری جماعت کے ایوان فکر کا سنگ بنیاد رہا ہے اسے ڈھا دینے میں موصوف کو ذرا بھی تامل نہیں ہوا۔ (زلزلہ ص ۷۸)

اب اس الزام کے جواب میں مفتیان دیوبند کے قلم کی کاریگری ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> حضرت مولانا گیلانی کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ارواح اولیاء اگر من جانب اللہ مدد کریں۔ بندے کی فریاد طلب کو اس میں کوئی دخل نہ ہو تو اس فعل کے ہم منکر نہیں ہیں۔
>
> (انکشاف ص ۹۷)

"فلاں کام میں ہم آپ سے مدد لیں گے" فلاں معاملے میں ہمیں آپ سے مدد لینی ہے"۔ یہ اردو زبان کا ایک عام محاورہ ہے۔ ان فقروں سے ہر شخص مدد مانگنے ہی کا مفہوم سمجھتا ہے۔

اس لیے گیلانی صاحب کے اس جملے کا کہ "ہم بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے منکر نہیں ہیں" یہ مطلب نکالنا کہ مدد لینے کے تو ہم منکر نہیں ہیں، مدد مانگنے کے

البتہ منکر ہیں۔ نہ یہ زبان کے محاورے ہی کا مدعا ہے اور خود گیلانی صاحب ہی کا کیونکہ اسی فقرے کے بعد گیلانی صاحب نے اس امر کی بھی صراحت فرمائی ہے۔

> پس بزرگوں کی ارواح سے ہم مدد لینے کے منکر نہیں ہیں۔ بلکہ اس امداد کے لیے بزرگوں' یا ان کی قبروں یا ان کے آثار کی عبادت کو شرک یقین کرتے ہیں۔ موحد اور مشرک کے نقطہ نظر میں یہی جوہری فرق ہے۔ (سوانح قاسمی)

غور فرمایئے وفات یافتہ بزرگوں کی ارواح سے مدد مانگنا بھی اگر گیلانی صاحب کے نزدیک شرک ہوتا تو وہ صرف عبادت کو شرک نہ لکھتے۔ یہیں سے دونوں مسلک کا فرق واضح ہو جاتا ہے کہ عام دیوبندی مسلک میں مدد مانگنا شرک ہے اور گیلانی صاحب کے نزدیک مدد مانگنا نہیں بلکہ عبادت کرنا شرک ہے۔ اور یہی مسلک عام اہلسنّت والجماعت کا ہے۔

اب اخیر میں ذہنی پراگندگی کا ایک تماشا اور ملاحظہ فرمایئے۔

عام حالات میں تو یہ لوگ بزرگوں کے مزارات پر جا کر براہ راست مدد مانگنے اور اپنے ارادہ و اختیار سے انہیں حاجت روا سمجھنے کو کھلا ہوا شرک قرار دیتے ہیں۔ لیکن اب نانوتوی صاحب کے صدقے میں یہ لوگ کئی زینے سے نیچے اتر آئے ہیں اور شرک کے بجائے صرف مکروہ سمجھتے ہیں۔

مفتیان دیوبند ہی کے قلم سے مسلک کی یہ تبدیلی ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> ارواح اولیاء کا من جانب اللہ مدد کے لیے آنا بغیر مکروہات کا ارتکاب کیے یعنی مزارات پر جا کر ان سے براہ راست مانگنا ان کو غم و الم کا ماحی جاننا۔ اپنے اختیار و ارادہ سے تمام حاجتوں کا پورا کرنے والا سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔ (انکشاف ص ۹۴)

اب مفتیان دیوبند ہی بتائیں کہ یہ اعتقاد و عمل کا کھلا ہوا تضاد ہے یا نہیں؟

نواں جواب

آگرہ کے کوئی منشی امیر احمد تھے۔ تذکرۃ الرشید کے مصنف نے ان کا ایک خواب نقل کیا ہے کہ گنگوہ میں کوئی شیعہ رہتا تھا۔ جب وہ مرگیا تو منشی جی نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ مرنے کے بعد تم پر کیا گزری اور اب کس حال میں ہو؟

> اس نے جواب دیا کہ عذاب الیم میں گرفتار ہوں۔ حالت بیماری میں مولانا رشید احمد صاحب دیکھنے تشریف لائے تھے۔ جسم کے جتنے حصے پر مولوی صاحب کا ہاتھ لگا بس اتنا جسم عذاب سے بچا ہے باقی جسم پر بڑا عذاب ہے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۳۲۴)

اس واقعہ پر "زلزلہ" کا تبصرہ یہ تھا۔

> دیکھ رہے ہیں آپ دربار الٰہی میں ان حضرات کی وجاہت و مقبولیت کا عالم! عذات آخرت سے چھٹکارا دلانے کے لیے زبان ہلانے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ صرف ہاتھ لگا دینا کافی ہو گیا اور شیعہ جیسا باغی حق بھی ہاتھوں کی برکت سے محروم نہیں رہا۔
>
> ایک یہ حضرات ہیں کہ عالم اسفل ہی نہیں عالم بالا میں بھی ان کی سطوت و شوکت کے ڈنکے بج رہے ہیں لیکن رسول خدا' محبوب کبریا کے متعلق ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے کہ وہ خدا کے یہاں نہ کسی کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی کو عذاب ہی سے بچا سکتے ہیں۔
>
> (زلزلہ ص ۴۴' تقویتہ الایمان مخلصا" ص ۴۸)

اس الزام کے جواب میں پہلے تو مفتیان دیوبند نے خواب کے حجت ہونے سے انکار کیا۔ پھر بعد میں خیال آیا کہ واقعہ اگرچہ خواب کا ہے لیکن کتاب میں اس واقعہ کا اندراج تو بیداری میں ہوا ہے۔ لہٰذا یہ خواب اگر شرعا" قابل اعتراض تھا تو اسے کتاب میں درج ہی کیوں کیا گیا۔ اس لیے خواب دیکھنے والے کو اگر معاف بھی کر دیا

جائے جب بھی گنگوہی صاحب کی مقبولیت و فضیلت ثابت کرنے کے لیے اس خواب کو مشتہر کرنے والے کیوں کر مواخذہ شرعی سے بچ سکیں گے۔

یہ سوچ کر اب خواب کی حمایت میں تحریر فرماتے ہیں۔

> اگر واقعہ کی صحت تسلیم بھی کرلی جائے تو میں کہتا ہوں کہ اس میں تعجب کی بات ہی کیا ہے۔ یقیناً اولیاء اللہ کی ریاضات و مجاہدات' نفس کی برکت اور ان کی پوری زندگی سنت نبوی کے مطابق اور ان کا ہر قول و عمل عنداللہ محبوب و مقبول ہونے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ خود خیر و برکت کا مجسمہ اور مخلوق کے لیے ان کی ذات باعث رحمت ہی ہوتی ہے۔ (انکشاف ص ۱۹۱)

اب اشک بار آنکھوں کے ساتھ دل کی کدورت کا یہ شرمناک رخ بھی دیکھئے کہ جس نبی کی سنت کے مطابق زندگی بسر کر کے وہ دربار الٰہی میں وجاہت و مقبولیت کا یہ اعزاز حاصل کرتے ہیں ان حضرات کے نزدیک بارگاہ خداوندی میں خود اس نبی کی حیثیت کیا ہے؟ تحریر فرماتے ہیں :

> تقویۃ الایمان کی یہ عبارت کہ "انہوں نے اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہو سکتا ہے کہ اپنے اختیار کی ہو اور اللہ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے' وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا"۔ کسی کی اختراع نہیں بلکہ بعینہ حدیث کا لب لباب اور اس کا خلاصہ ہے۔
> (انکشاف ص ۲۲۹)

زلزلہ میں حقائق واقعات کے ذریعہ اس بات کا واضح ثبوت فراہم کر دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان حضرات کے قلوب اتنے سیاہ ہو چکے ہیں کہ اب صفائی کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ "زلزلہ" کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ ان کی طرف سے کسی حسن ظن میں مبتلا تھے تو آج کی یہ تازہ خبر پڑھ کر پھر ایک بار اپنے ضمیر کا جائزہ لیجئے۔ خدا کے یہاں نبی کی ذات کو بے اثر' بے اختیار' اور بے

نفع ثابت کرنے کے لیے جس حدیث کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ انصاف کیجئے کہ کیا اسی حدیث سے گھر کے بزرگوں کا بھی بے اثر' بے نفع اور بے رحمت و برکت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

افسوس! قبیلے کا رشتہ تو اتنا محترم! لیکن کلمہ پڑھانے کا کوئی احسان نہیں ہے۔

اب وہ حدیث ملاحظہ فرمایئے جسے اپنے دعوے کے ثبوت میں مفتیان دیوبند نے پیش کیا ہے۔ حدیث کا یہ اردو ترجمہ میرا نہیں بلکہ خود انہی کا کیا ہوا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کی روایت سے حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں:۔

> عبدالمطلب کے بیٹو! خود کو آتش جہنم سے بچاؤ۔ فاطمہ میری جگر گوشہ! خود کو جہنم کی لپیٹ سے بچاؤ۔ اس لیے کہ احکام الٰہی میں میری کوئی دسترس نہیں ہے۔ سوائے خون کے رشتے کے کہ اس کی نمی سے میں تمہیں ممکن حد تک تر رکھوں گا۔
> (مشکوۃ المصابیح ص ۴۶۰' انکشاف ص ۲۴۹)

غور فرمایئے! حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ موقع انداز کا ہے یعنی پیغمبر اپنے اہل و عیال اور خاندان کے افراد کو آخرت کے احوال سے باخبر کر رہے ہیں' تعمیل احکام الٰہی کی ترغیب دے رہے ہیں اور خدا کے عذاب سے ڈرانا چاہتے ہیں۔

خدا نے آپ کو عقل و فہم کی کچھ بھی بصیرت عطا کی ہو تو آپ خود فیصلہ کریں کہ ایسے موقعہ پر نبی کا انداز بیان کیا ہونا چاہئے تھا۔ کیا اپنے خاندان والوں سے نبی کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ تم خدا کے احکام کی جتنی چاہو خلاف ورزی کرو میں تمہیں آخرت کے عذاب سے بچا لوں گا۔

کیا معاذ اللہ! آپ اپنے نبی سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ دربار خداوندی میں اپنی وجاہت و مقبولیت کی بنیاد پر اپنے خاندان والوں کو نافرمانی اور بغاوت کی ترغیب دیتا۔

لیکن اس کے باوجود آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسی حدیث میں خون کے رشتے کے متعلق یہ واضح اشارہ موجود ہے کہ میں اس کا تقاضا ممکن حد تک پورا کروں گا۔ اب

آپ ہی سوچئے کہ خدا کے یہاں نبی کا تقرب سمجھنے کے لیے نکتہ شناس دانش وروں کو اس سے زیادہ واضح اشارہ اور کیا چاہئے؟

اتنی تفصیل کے بعد اب **تقویتہ الایمان** کی عبارت کا بھی جائزہ لیجئے جس کی حمایت میں مفتیان دیوبند نے یہ حدیث پیش کی ہے۔

آپ بھی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ **تقویتہ الایمان** کی عبارت کا مفاد یہ ہے کہ خدا کے یہاں رسول پاک اپنی قرابت کا کچھ بھی حق ادا نہیں کرسکتے جب کہ یہ حدیث واضح طور پر اس کی تردید کر رہی ہے اور کھلے بندوں یہ ثابت کر رہی ہے کہ قرابت اور خون کا رشتہ ضائع نہیں ہو گا۔ رسول پاک ممکن حد تک اس کا حق ادا کریں گے۔

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے اب اس بات کا فیصلہ آپ ہی کے ضمیر پر چھوڑتا ہوں کہ دیوبندی حضرات کا یہ کردار نبی کی طرف سے دل کی کدورت کا واضح ثبوت ہے یا نہیں؟

دسواں جواب

"زلزلہ" میں سید احمد بریلوی کے مقصد جہاد سے متعلق "نقش حیات" کی یہ عبارت نقل کی گئی تھی۔

> "سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا۔ جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے۔ اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہو گی اس سے آپ کو غرض نہیں ہے جو حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۱۳' زلزلہ ص ۱۸۴)

زلزلہ میں اس عبارت پر جو تبصرہ کیا گیا تھا' وہ یہ ہے۔

> آپ ہی انصاف سے بتایئے! کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضاکاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنے کے لیے اٹھا تھا۔ (زلزلہ ص ۱۸۵)

اس الزام کے جواب میں مفتیان دیوبند نے راجہ ہندو راؤ کے نام سید صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے اور اپنے قارئین کو یہ تاثر دیا ہے کہ اس خط سے آپ کے اصل عزائم اور ملکی حکومت کے متعلق آپ کے بنیادی نقطہ نظر پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

خط کا یہ حصہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔

> جس وقت ہندوستان ان غیر ملکی دشمنوں (یعنی انگریزوں) سے خالی ہو جائے گا اور ہماری کوشش کا تیر مراد کے نشانوں تک پہنچ جائے گا' حکومت کے عہدے اور منصب ان لوگوں [illegible] کو اس کی طلب ہو گی دے دیا جائے گا اور ان ملکی حکام اور والیان ریاست کی شوکت و قوت کی بنیاد مستحکم ہو گی۔
> (انکشاف ص ۲۲۴)

قارئین کرام سے میں درخواست کروں گا کہ وہ نقش حیات کی عبارت اور اس خط کے مضمون کا تقابلی مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ مقصد جہاد اور نظام حکومت کی پالیسی کے سوال پر دونوں میں کیا فرق ہے؟

وہاں بھی جہاد کا اصل مقصد انگریزی اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا اور یہاں بھی ہندوستان سے غیر ملکی دشمنوں کا انخلا ہی مراد کا نشانہ ہے۔ وہاں بھی لادینی حکومت کا قیام ہی مقصد جہاد ٹھہرایا گیا ہے اور یہاں بھی ملکی حکام اور والیان ریاست کی شوکت و قوت ہی اپنی جدوجہد کی آخری منزل قرار دی گئی ہے۔

اگر فقہی اصطلاح کے مطابق یہ اسلامی جہاد تھا تو بتایا جائے کہ پورے افسانے میں شرعی نظام حکومت کے قیام کا تذکرہ کہاں ہے جو "جہاد" اور "غارت گری" کے درمیان خط فاصل کھینچتا ہے؟

ٹھیک ہی کہا ہے مولانا عامر عثمانی نے کہ مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں ہے۔

اسلامی تاریخ کے کسی بھی قابل اعتماد دور میں "ملی جلی سرکار" کا قیام مقصد جہاد قرار پایا ہو تو مفتیان دیوبند اس کی نشاندہی فرمائیں۔

غلط جذبہ عقیدت کی تحریک پر تراشے ہوئے پتھروں کو بھی خدا کہہ دینا آسان ہے لیکن حقائق کی روشنی میں جنگ آزادی کو اسلامی جہاد ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔

تاریخ کا یہ سب سے بڑا فریب ہے کہ اسلامی جہاد اور اعلاء کلمۃ الحق کے نام پر مرنے والوں کی بھیڑ جمع کی جائے اور جب شہیدوں کے خون سے مقتل کی زمین سرخ ہو جائے تو ملک کا اقتدار ائمہ کفر کے ہاتھوں میں منتقل کر دیا جائے۔

بہرحال کچھ بھی ہو دیوبندی مورخین کی اس ذہانت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ ایک "افسانے" کو واقعہ بنایا۔

تیسری بحث

عقیدہ تصرف کے بیان میں

"زلزلہ" میں تصرف کے متعلق انبیاء و اولیاء کے بارے میں اہلسنت کا عقیدہ ان لفظوں میں ظاہر کیا گیا تھا۔

> یوں ہی خدائے قدیر نے انہیں کاروبار ہستی میں تصرف کا بھی اختیار مرحمت فرمایا ہے، جس کے ذریعہ وہ مصیبت زدوں کی دستگیری اور مخلوق کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔
> اس سلسلے میں علمائے دیوبند کا کہنا ہے کہ انبیاء و اولیاء کے حق میں اس طرح کا عقیدہ رکھنا شرک اور کفر ہے۔ خدا نے انہیں علم غیب عطا کیا ہے اور نہ تصرف کا کوئی اختیار بخشا ہے۔ وہ معاذ اللہ بالکل ہماری طرح مجبور، بے خبر اور نادان بندے ہیں۔ خدا کی چھوٹی یا بڑی کسی بھی مخلوق میں جو اس طرح کی کوئی قوت تسلیم کرتا ہے وہ خدا کی صفات میں اسے شریک ٹھہراتا ہے۔ (زلزلہ ص ۵۱)

علمائے دیوبند کے اس مسلک کے ثبوت میں تقویۃ الایمان کی مندرجہ ذیل عبارتیں پیش کی گئی تھیں۔

> مرادیں پوری کرنی، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی۔ برے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ کی ہی شان ہے

اور کسی انبیا اولیاء کی، پیر و شہید کی، بھوت و پری کی یہ شان نہیں۔ جو کسی کو ایسا ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور اس توقع پر نذر و نیاز کرے اور اس کی منتیں مانے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔۔۔
پھر خواہ سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

(تقویتہ الایمان ص ۱۰ آرمی پریس، زلزلہ نیا ایڈیشن ص ۷۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

سارا کاروبار جہان کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویتہ الایمان ص ۵۸)

تیسری جگہ لکھتے ہیں:۔

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

(تقویتہ الایمان ص ۴۱)

دیوبندی مذہب کی کتاب الایمان کے یہ اقتباسات آپ غور سے پڑھیں۔ ان میں انبیاء و اولیاء کے لیے تصرف کی قدرت، ذاتی ہو یا عطائی، حقیقی ہو یا مجازی، دائمی ہو یا عارضی سب کا یکلخت انکار ہے اور یہ عبارتوں کا صرف مفاد نہیں بلکہ صریح مفہوم ہے۔

استغاثہ کی کہانی

یہ تصویر کا پہلا رخ ہوا اور دوسرا رخ یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا معتقدات کے عین مخالف سمت میں دیوبندی علماء نے اپنے بزرگوں کے متعلق قدرت و تصرف کے جو واقعات اپنی کتابوں میں نقل کیے ہیں۔ انہیں سامنے رکھئے تو مذکورہ بالا عقائد کے

ساتھ ان واقعات کا تصادم دوپہر کے سورج کی طرف آشکارا ہو جائے گا۔

تصویر کے انہی دونوں رخوں کی تفصیلات سے زلزلہ میں یہ دعویٰ ثابت کیا گیا ہے کہ دیوبندی مذہب میں اعتقاد و عمل کے درمیان کھلا ہوا تضاد ہے اور ظاہر ہے کہ جس مذہب میں تضاد ہو، وہ اسلام کا نہیں، نفاق کا مذہب ہے۔

اب یہ ثابت شدہ تضاد صرف اسی صورت میں اٹھ سکتا تھا کہ یا تو مفتیان دیوبند برملا یہ اعتراف کر لیتے کہ انبیاء و اولیاء کے بارے میں قدرت و تصرف سے متعلق جو عقائد ان کی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں وہ قطعاً" باطل اور غلط ہیں یا یہ صورت اگر گوارا نہ تھی تو پھر اس بات کا اقرار کرتے کہ ان عقائد کے عین مخالف سمت میں جو واقعات نقل کیے گئے ہیں وہ سرتاپا غلط اور خلاف شرع ہیں۔ لیکن حیرت ہے مجھے ان کی عقل و بصیرت پر کہ زلزلہ کے الزامات کے جواب میں مفتیان دیوبند نے عقائد و واقعات کا تضاد اٹھانے کے بجائے واقعات کی حمایت میں سارا زور قلم صرف کر دیا ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے کہ بطور کرامت اولیاء اللہ کو کاروبار ہستی میں تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے۔

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں دلائل فراہم کرتے وقت انہوں نے اس نکتے کو نظر انداز کر دیا ہے کہ ان کی کتابوں میں صرف واقعات ہی نہیں ہیں بلکہ عین مخالف سمت میں ایک مکمل مذہب فکر بھی ہے۔

چونکہ کرامت ہی ان کی پیش کردہ دلیلوں کا سنگ بنیاد ہے اس لیے واقعات کی حمایت میں ان کی بحث کا جائزہ لینے سے پہلے کرامت کی تشریح ملاحظہ فرمایئے۔ صاحب "اصطلاحات صوفیہ" کے حوالے سے مفتیان دیوبند نے کرامت کی یہ تعریف بیان کی ہے۔

کرامت

> عادیہ جاریہ نظام عالم کے خلاف کسی امر کا ظہور ہونا خرق عادت ہے اگر کسی نبی سے صادر ہو تو معجزہ کہتے ہیں ولی سے صادر ہو تو

کرامت کہتے ہیں۔ (انکشاف ص ۲۷)

اس تعریف سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ نظام ہستی میں تصرف کا نام کرامت ہے۔ نبی کے ذریعہ ہو تو معجزہ ہے اور ولی کے ذریعہ ہو تو کرامت ہے۔ اب ذیل میں مفتیان دیوبند کے پیش کردہ دلائل کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے اور عقل و بصیرت کے افلاس کا یہ دلچسپ تماشا بھی دیکھئے کہ کس مضحکہ خیز خوش فہمی کے ساتھ انہوں نے اپنے مذہب کا خون کیا ہے۔

پہلی دلیل

"جامع الکرامات" نامی کس عربی کی کتاب کے حوالے سے کرامت کے موضوع پر مفتیان دیوبند نے یہ اقتباس نقل کیا ہے جس کا اردو ترجمہ جو خود انہوں نے کیا ہے' یہ ہے:

> سہل ابن عبداللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا میں پوری صدق قلبی اور خلوص کے ساتھ چالیس دن تک عبادت کرے تو اس کے لیے کرامات کا ظہور ہو جائے گا۔
>
> اور جس کے لیے کرامات کا ظہور نہیں ہو گا وہ اپنے زہد میں غیر صادق ہے' سہل سے کہا گیا کہ ان کے لیے کرامات کیسے ظاہر ہو جاتی ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ وہ "جو چاہے جیسے چاہے جس طرح چاہے لے سکتا ہے۔ (انکشاف ص ۴۳)

خیانت یا جہالت

اس مقام پر ترجمے میں ایک صریح خیانت کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں۔ آخری حصے کی اصل عربی عبارت یہ ہے:

فقال یا خذ ما یشاء کما یشاء من حیث یشاء۔

اس کا ترجمہ مفتیان دیوبند نے یہ کیا ہے۔

"وہ جو چاہے جیسے چاہے جس طرح چاہے لے سکتا ہے" یہ ترجمہ غلط ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے :۔ وہ جو چاہے' جیسے چاہے' جہاں سے چاہے لے سکتا ہے۔ یعنی نظام عالم میں تصرف کر سکتا ہے۔

مفتیان دیوبند نے "کما" اور "من حیث" کا ایک ہی ترجمہ کیا ہے جیسے اور جس طرح۔ جب کہ ان دونوں لفظوں کا مفہوم ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہے۔ اگر ان حضرات کا یہی مبلغ علم ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنی جماعت کے سب سے بڑے دارالافتاء میں کس مصرف کے لیے بٹھائے گئے ہیں۔

بہرحال "جامع الکرامات" کی یہ عبارت ببانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ خدائے قدیر نے ایک ولی کو نظام ہستی میں تصرف کی بھرپور قدرت عطا کی ہے اور اسے یہ اعزاز مرحمت فرمایا ہے کہ وہ جو چاہے پورا ہو سکتا ہے۔

دوسری دلیل

کرامت کی قسمیں بیان کرتے ہوئے جامع الاولیاء نامی کتاب کے حوالے سے مفتیان دیوبند نے یہ اقتباس نقل کیا ہے۔

> کرامت کی چند قسمیں ہیں' مردوں کو زندہ کرنا۔ مردوں کا کلام کرنا۔ سطح سمندر کا پھاڑ دینا' اس کا سوکھ جانا' پانی پر چلنا' زمین کا ان کے لیے سمٹ جانا' جمادات و حیوانات کا کلام کرنا' حیوانوں کا ان کے مطیع ہو جانا' بعض مغیبات کا خبر دینا۔ تصرف کے مقام پر فائز ہونا۔ زمین کے خزانوں پر مطلع ہونا' پردوں کے باوجود کسی دور دراز واقع مقام کو دیکھ لینا۔ مختلف صورتوں میں ڈھل جانا۔ زمین کا اس کے تابع ہو جانا۔
>
> (خلاصہ انکشاف از ص ۴۷ تا ص ۵۳)

یہ ساری عبارتیں نقل کرنے کے بعد [illegible] مفتیان دیوبند کے قلم کا تیور ملاحظہ

فرمائیے۔ اپنے ہاتھوں اپنا ہی قلعہ مسمار کرنے کے بعد وہ کس غضب کی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> گزشتہ صفحات میں واضح کر چکا ہوں کہ کرامات کی جتنی بھی اقسام ہیں۔ اولیاء کرام سے ان کا صدور و ظہور ممکن ہے تو سوال یہ ہے کہ بعض ایسی چیزوں کا صدور بطور کرامت اکابر دیوبند سے ہو گیا تو اس پر چیخ و پکار کیوں کی جاتی ہے۔ شرک و کفر کی بوچھاڑ کیوں کی جاتی ہے اور نادانی اور جہالت سے یہ کیوں فیصلہ کیا جاتا ہے کہ ان کے عقائد و اعمال میں اس قدر تضاد ہے کہ شرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ (انکشاف ص ۵۴)

خدا کے بندو! اسی کا نام تو تضاد ہے کہ ایک طرف آپ حضرات اپنے اکابر سے کرامت کے صدور کو جائز و ممکن بھی کہتے ہیں اور دوسری طرف کرامت کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ نظام عالم میں تصرف کا نام کرامت ہے اور تیسری طرف تقویۃ الایمان کی صراحت کے مطابق خدا کی عطا سے بھی انبیاء و اولیاء کے حق میں تصرف کی قدرت کا عقیدہ رکھنا شرک قرار دیتے ہیں۔

اب آپ ہی حضرات دیانت داری کے ساتھ غور فرمائیں کہ جب خدا کی عطا سے بھی آپ حضرات کسی مخلوق میں تصرف کی قدرت تسلیم نہیں کرتے تو انبیاء سے معجزہ اور اولیاء سے کرامت کا صدور کیوں کر ممکن ہو گا؟

انصاف کے ساتھ سوچئے کہ اپنے مذہب میں یہ دو طرفہ اور سہ طرفہ تضاد تو آپ ہی حضرات کا پیدا کردہ ہے کسی نے زبردستی آپ لوگوں پر مسلط نہیں کیا ہے۔ لہٰذا سنجیدگی کے ساتھ اس کا کوئی حل تلاش کرنے کے بجائے دوسروں پر بلاوجہ غصہ اتارنے سے کیا فائدہ؟

بات بات پر کفر و شرک کی بوچھاڑ تو آپ ہی حضرات کی طرف سے ہے ہم لوگ تو ایک تڑپتے ہوئے زخمی کی طرح صرف اپنی بے چینی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔

البتہ اتنے صریح ظلم و زیادتی کے باوجود بھی اگر دماغ میں پارسائی کی نخوت

انگڑائی لے رہی ہو تو اپنی اسی کتاب سے عقیدہ و عمل کے درمیان کھلے ہوئے تضادات کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

تضاد کا پہلا نمونہ

انبیا و اولیاء کے اختیار کے بارے میں تقویتہ الایمان کا یہ عقیدہ گزر چکا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں ہے۔ یعنی انہیں کسی چیز کا اختیار نہیں ہے نہ حیات ظاہری میں نہ بعد وصال۔

لیکن اپنے گھر کے بزرگوں کا اختیار ثابت کرنے کے لیے آپ حضرات نے امام غزالی کے حوالے سے اہل قبور کی چار قسمیں بیان کی ہیں اور پہلی قسم میں انبیاء و اولیاء کو شامل کیا ہے اور ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے اندر بہت سے اختیارات رہتے ہیں۔ (انکشاف ص ۶۹)

بلکہ اس عبارت کے ذیل میں یہاں تک اعتراف کر لیا ہے کہ "اب مذکورہ اثبات سے آپ بخوبی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ارواح اولیاء کو کس قدر من جانب اللہ اختیارات ہیں"۔ (انکشاف ص ۷۰)

کہاں تو تقویتہ الایمان میں انبیاء و اولیاء کے لیے ایک اختیار بھی نہیں تسلیم کیا گیا تھا اور اب اپنے گھر کے بزرگوں کے صدقے میں ان کے اندر بہت سے اختیارات ماننے کے لئے آپ تیار ہو گئے۔

فرمایئے! یہ عقیدہ و عمل کا تضاد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور یہ تضاد ہمارا پیدا کردہ ہے یا آپ کا؟

تضاد کا دوسرا نمونہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تقویتہ الایمان کا یہ عقیدہ گزر چکا کہ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن اپنے بزرگوں کی حمایت میں "جامع الکرامات" کے حوالے سے آپ حضرات نے دلیل پیش کی ہے کہ ولی جو چاہے جیسے

چاہے اور جہاں سے چاہے کاروبار ہستی میں تصرف کر سکتا ہے۔

کہاں تو تقویۃ الایمان میں رسول کے چاہنے کا کسی درجہ میں بھی کوئی اثر تسلیم نہیں کیا گیا تھا اور اب اپنے بزرگوں کے صدقے میں ایک ادنیٰ ولی کے لیے آپ لوگوں نے یہ اختیار تسلیم کر لیا کہ وہ جو چاہے جیسے چاہے اور جہاں سے چاہے اپنا چاہا ہوا پورا کر سکتا ہے۔

اب آپ ہی حضرات دیانت سے فیصلہ کریں کہ یہ عقیدہ و عمل کا تضاد نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اب اسی سلسلے میں ایک عبرت انگیز واقعہ اور ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا تھانوی نے دربار خداوندی میں اپنے پیر و مرشد کا رسوخ و تقرب ثابت کرنے کے لیے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

> حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ تمہاری خالہ تمہارے لیے اولاد کی دعا کرنے کو کہتی تھیں میں نے کہہ دیا کہ میں دعا کروں گا لیکن میں تو تمہارے لیے اسی حالت کو پسند کرتا ہوں کہ جیسا میں خود ہوں یعنی بے اولاد۔ (اضافات یومیہ ص ۲۵۰ ج ششم جزو دوم)

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:۔

> سامان سب کچھ ہو گئے مگر چاہا ہوا بڑے میاں ہی کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ خاص معاملہ تھا وہ کہاں ٹل سکتا تھا۔
>
> (اضافات یومیہ)

انصاف کیجئے! تھانوی صاحب کا یہ اعتراف کیا اہل وفا کو اس شکوے کا موقع فراہم نہیں کرتا کہ کہاں تو یہ عقیدہ کہ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا اور کہاں یہ واقعہ کہ "بڑے میاں" کا چاہا ہوا اتنا بھاری پڑ گیا کہ کسی طرح ٹل نہیں سکا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ خاص معاملہ تھا۔

عقیدہ اور واقعہ کے پیچھے اگر اپنے اور بیگانے کا تصور کارفرما نہیں ہے تو جو

دلیل اپنے بڑے میاں کی برتری ثابت کرنے کے لیے تھانوی صاحب نے پیش کی ہے کیا اسی دلیل سے تقویتہ الایمان کا عقیدہ مسترد نہیں کیا جا سکتا تھا؟

تضاد کا تیسرا نمونہ

"فتح بریلی کا دلکش نظارہ" نامی کتاب کے حوالے سے مولوی منظور نعمانی کی یہ تحریر گزر چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مفاتیح الغیب جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ پانچ چیزیں ہیں جو سورہ لقمان کی آخری آیت میں مذکورہ ہیں یعنی قیامت کا وقت مخصوص، بارش کا ٹھیک وقت کہ کب برسے گی، مافی الارحام یعنی عورت کے پیٹ میں کیا ہے، بچہ یا بچی۔ مستقبل کے واقعات، موت کا صحیح مقام"۔

اس عبارت میں بالکل صراحت ہے اس امر کی کہ بارش کب ہو گی اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو۔

لیکن اپنے بزرگوں کے واقعات کی تائید میں آپ لوگوں نے "جامع کرامات الاولیاء" کے حوالے سے شیخ ابوالعباس نامی ایک بزرگ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ وہ "بارش پر ایسے قابو یافتہ تھے کہ وہ بارش کو پیسوں کے معاوضے میں فروخت کیا کرتے تھے۔ (انکشاف ص ۵۰)

کہاں تو قرآن کے حوالے سے عقیدہ بیان کیا گیا تھا کہ بارش کب ہو گی اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں اور اب اپنے بزرگوں کے طفیل میں یہاں تک اعتراف کر لیا گیا کہ علم ہی نہیں بلکہ ایک ولی کو برسانے کی بھی قدرت ہے اور یہ قدرت غیر اختیار نہیں بلکہ قطعاً" اختیاری ہے۔ کیوں کہ جب تک کوئی چیز اپنے قبضہ و اختیار میں نہ ہو اسے فروخت کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب آپ ہی حضرات انصاف سے فیصلہ کریں کہ یہ عقیدہ و عمل کا تضاد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

تضاد کا چوتھا نمونہ

آپ حضرات نے "تفہیمات" نامی کسی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ:۔

> جو شخص اپنی حاجت روائی کے لیے اجمیر جائے یا سید سالار مسعود غازی کے مزار پر یا اسی طرح دوسری جگہ پر مراد مانگے یقیناً اس کا گناہ زنا اور ناحق قتل کرنے سے بھی بڑا ہے۔ (انکشاف ص ۱۰۴)

ایک طرف تو آپ حضرات کا یہ عقیدہ ہے اور دوسری طرف روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے خواجہ غریب نواز نمبر کے حوالہ سے زلزلہ میں یہ واقعہ نقل کیا جا چکا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولوی محمد یعقوب صاحب اپنی منزل سلوک کی تکمیل کے لیے اجمیر شریف گئے اور روضہ پاک کے قریب اپنی ایک کٹیا بنائی اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اکثر مزار شریف پر حاضر ہو کر روحانی استفادہ کی غرض سے دیر تک مراقب رہتے۔ "زلزلہ" کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے اپنی کتاب میں آپ حضرات نے بھی اس واقعہ کا انکار نہیں کیا ہے۔

اب آپ ہی حضرات انصاف سے فیصلہ کریں کہ ایک طرف اپنی حاجت روائی کے لیے اجمیر جانا آپ حضرات کے عقیدے میں زنا سے بڑا گناہ ہے اور دوسری طرف اسی گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو آپ لوگ اپنا دینی پیشوا اور بزرگ بھی مانتے ہیں۔

فرمائیے! یہ عقیدہ و عمل کا تضاد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

تضاد کا پانچواں نمونہ

انبیاء و اولیاء کے بارے میں تقویۃ الایمان کا یہ عقیدہ گزر چکا کہ انہیں اپنا حاجت روا سمجھنا شرک ہے۔

لیکن اپنے بزرگوں کے متعلق آپ لوگوں نے اصطلاحات صوفیہ نامی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہی لوگ مسند ارشاد کے وارث ہوتے ہیں۔ ان سے مخلوق کی حاجت روائی ہوتی ہے۔ (انکشاف ص ۲۵۰)

آپ حضرات کے دعوے کے مطابق جب ان سے مخلوق کی حاجت روائی ہوتی

ہے تو لازماً" وہ حاجت روا ہوئے۔ کہاں تو انبیاء تک کو اپنا حاجت روا سمجھنا شرک تھا اور اب اپنے بزرگوں کے صدقے میں سالکین کو بھی حاجت روائی کا منصب آپ لوگوں نے دے دیا۔

واضح رہے کہ تضاد کے الزام سے جان چھڑانے کے لیے اب اس تاویل کی بھی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے کہ سالکین کے لیے اس منصب خداداد کا تعلق حیات ظاہری سے ہے۔ وفات کے بعد ان میں کسی طرح کے تصرف کا اختیار باقی نہیں رہتا کیونکہ اپنی اسی کتاب میں آپ حضرات نے اقرار کیا ہے کہ:-

> اولیاء کرام کی ولایت اور ان کی کرامت' ان کی وفات کے بعد بھی باقی اور باذن اللہ جاری رہتی ہے۔ اس ضمن میں اتنا سمجھ لیجئے کہ اللہ کے حکم سے ارواح اولیاء دنیا میں بھی آ سکتی ہیں اور بحکم الٰہی دوسرے کی مدد بھی کر سکتی ہیں۔
>
> (انکشاف ص ۶۷)

بحکم الٰہی کی بار بار قید لگا کر بھی شرک کے الزام سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ بقول صاحب تقویۃ الایمان بعطاء خداوندی بھی کسی کے متعلق تصرف کا عقیدہ رکھنا شرک ہے اس لیے بحکم الٰہی یا باذن اللہ کی قید سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

پس دیانت نام کی کوئی چیز آپ لوگوں کے یہاں موجود ہو تو آپ ہی حضرات دیانت سے فیصلہ کریں کہ یہ عقیدہ و عمل کا تضاد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

تضاد کا چھٹا نمونہ

تقویۃ الایمان کا یہ عقیدہ اوپر گزر چکا ہے کہ انبیاء و اولیاء میں بعطاء خداوندی بھی تصرف کی قوت تسلیم کرنا شرک ہے۔

لیکن اپنے بزرگوں کی حمایت میں آپ حضرات نے "جامع کرامات الاولیاء" نامی کتاب کے حوالے سے یہ مان لیا ہے کہ اولیاء کرام تصرف کے مقام پر فائز کیے

جاتے ہیں اور اس سلسلے میں بزرگان دین سے بہت سی چیزیں منقول ہیں۔
(انکشاف ص ۲۳۶)

کہاں تو انبیاء کے حق میں بھی تصرف کا عقیدہ شرک تھا اور اب اپنے بزرگوں کے طفیل میں آپ حضرات اولیاء کے لیے بھی تصرف کی قوت مان رہے ہیں اور صرف قوت ہی نہیں مان رہے ہیں بلکہ تصرف کے مقام پر انہیں فائز بھی تسلیم کر رہے ہیں۔

انصاف نام کی کوئی چیز آپ کے یہاں ہو تو آپ ہی حضرات فیصلہ کیجئے کہ یہ عقیدہ و عمل کا تضاد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

ایک اور اعتراف

اپنی اسی کتاب میں اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کے سوال پر آپ حضرات نے تحریر فرمایا ہے۔

> "ہاں! شرک جب ہوتا کہ اولیاء کرام کو متصرف حقیقی سمجھتے ہوئے یہ عقیدہ رکھے کہ ہر کام اور ہر قسم کے تصرف کا حق ان کو ہے۔ (انکشاف ص ۱۰۱)

متصرف حقیقی کا اگر یہ مطلب ہے کہ بغیر خدا کی عطا کے ذاتی طور پر ان کے اندر تصرف کی قوت ہے تو الحمداللہ یہ باطل اور کفری عقیدہ کسی مسلمان کا نہیں ہے۔

البتہ مذکورہ بالا عبارت سے یہ مفہوم اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اگر انہیں متصرف حقیقی نہ سمجھا جائے بلکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ خدا ہی نے انہیں امداد و تصرف کی قوت بخشی ہے تو یہ قطعا" شرک نہیں ہے۔ لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ عبارت کے اس مفہوم اور تقویتہ الایمان کے درمیان کھلا ہوا تصادم ہے کیونکہ تقویتہ الایمانی عقیدے میں بعطاء خداوندی بھی انبیاء اولیاء کے لیے تصرف کی قدرت ماننا شرک ہے۔ تقویتہ الایمان کے الفاظ یہ ہیں :۔

> "پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خودبخود ہے خواہ

> یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۰)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

تقویۃ الایمان کی اس عبارت میں نقطے کی جگہ پر یہ فقرہ ہے "اس کو اشراک فی التصرف کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا۔

اس پر مفتیان دیوبند نے بھی اور ان کے دوسرے ہم عقیدہ مصنفین نے بھی بڑے زور و شور سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس عبارت میں مصنف زلزلہ نے قطع و برید کر کے اس کا مفہوم مسخ کر دیا ہے کیونکہ اس عبارت میں کسی مخلوق کے لیے اللہ کا سا تصرف ثابت کرنے کو شرک کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے شرک ہونے میں کسی مسلمان کو ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔

اس مغالطے کا تفصیلی جواب تو میں دوسرے باب میں دوں گا۔ سردست مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ حذف کردہ فقرے سے جو معنی پیدا ہو سکتے ہیں وہی معنی تو شرک یا مشرک کے لفظ سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ کسی مخلوق میں خدا کی سی کوئی صفت ثابت کرنے کا نام ہی تو شرک ہے اگر وہ خدا کی سی نہ ہو تو اسے شرک ہی کیوں کہا جائے گا۔ اور چونکہ شرک یا مشرک کا لفظ نقل کردہ عبارت میں موجودہ ہے اس لیے اس فقرہ کے بغیر بھی خدا کا سا تصرف ثابت کرنے کا مفہوم مسخ نہیں ہوا۔ ہر شخص بغیر کسی تکلف کے اسے سمجھ سکتا ہے **الا** آنکہ اس کی عقل ہی مسخ ہو گئی ہو۔

زیادہ سے زیادہ اس فقرے سے جو نئی بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس طرز کے عقیدوں کا نام "**اشراک فی التصرف**" ہے اور یعنی کے بعد جو فقرہ ہے وہ "**اشراک فی التصرف**" کا لفظی ترجمہ ہے کوئی نئی بات نہیں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اسلام کا نام اگر کوئی کفر رکھ دے یا ایمان کو شرک سے موسوم کرنے لگے تو اس سے اسلام یا ایمان کی حقیقت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اصل جھگڑا یہاں نام کا نہیں بلکہ اس ظلم و شقاوت کا ہے کہ صاحب تقویۃ الایمان نے ان عقائد

و اعمال کو جو سرتاسر اسلامی ہیں، شرک قرار دے کر کروڑوں مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے۔

کیا علمائے دیوبند کی پوری برادری میں کوئی بھی ایسا دانشور نہیں ہے جو اپنے مصنفین کو استدلال اور اعتراض کا سلیقہ سکھائے۔

دیوبندی صلاحیت فکر کا پہلا نمونہ

بات چل پڑی ہے تو دیوبندی مصنفین کی صلاحیت فکر و فن کے چند عبرت انگیز نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

انکشاف میں مفتیان دیوبند نے اپنے بزرگوں کی دینی و علمی خدمات کا بڑے طنطنے کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کے ثبوت میں جو دلیل پیش کی ہے اسے پڑھنے کے بعد آپ دیر تک سکتے کی کیفیت میں رہیں گے اور یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ جن کی جگہ کسی "گھاٹ" پر تھی انہیں درس و افتاء کی "کھاٹ" پر کیوں بیٹھا دیا گیا ہے۔

دلیل ملاحظہ فرمایئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> مسلمانان ہند کی پوری تاریخ میں اکابر دیوبند نے عقائد کو جس انداز میں نکھارا ہے اس کی تحسین آپ مجدد الف ثانی کی روح سے مراقب ہو کر معلوم کریں۔ (انکشاف ص ۲۴۳)

اپنے اکابر کے کارناموں کی تفصیل کسی سے دریافت ہی کرانی تھی تو اس کے لیے سب سے اطمینان بخش ذریعہ تو یہ تھا کہ لوگوں سے کہا جاتا کہ وہ خدا ہی سے دریافت کر لیں۔ کیونکہ وہاں سارا ریکارڈ بھی موجود ہے اور خدا کے علم غیب کے بارے میں کسی بحث کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ متفقہ طور پر سب کے نزدیک عالم الغیب ہے۔

کسی صاحب مزار کی روح سے دریافت کرانے میں تو طرح طرح کے بے شمار سوالات کھڑے ہو سکتے ہیں۔

سب سے پہلا سوال تو یہی کھڑا ہو گا کہ اکابر دیوبند نے جلوت و خلوت میں جو کچھ بھی کیا ہے' اس کی ساری تفصیل کیا مجدد الف ثانی کی روح مقدس کو معلوم ہے؟ اور بالفرض اپنی غیبی قوت ادراک کے ذریعہ انہیں ساری تفصیلات معلوم ہوں تو اب دوسرا سوال یہ کھڑا ہو جائے گا کہ مفتیان دیوبند کو یہ خبر کیسے لگی کہ دیوبندی اکابر کے بارے میں ان کی روح سب کچھ جانتی ہے۔ کیا مجدد الف ثانی کی طرح انہیں بھی غیب داں تصور کیا جائے؟

اور تیسرا سوال یہ کھڑا ہو گا کہ کسی صاحب مزار کو غیب داں سمجھ کر ان کے پاس جانا اور ان کی روح سے مدد چاہنا کیا دیوبندی مذہب میں شرک نہیں ہے؟

اور بالفرض اپنے مسلک کا خون کر کے سب کچھ مان بھی لیا گیا تو اب چوتھا سوال یہ اٹھ کھڑا ہو گا کہ مراقب ہو کر غیب کے احوال دریافت کر لینا کیا اس طرح کی کوئی قوت بندوں کے اختیار میں ہے؟ اگر نہیں ہے تو کسی کو ایسے کام کی تلقین کرنا جو اس کے اختیار میں نہ ہو حماقت و ظلم کی بات ہے یا نہیں؟ اور اگر اختیار میں ہے تو اپنے مولانا عامر عثمانی کے مشورے کا احترام کرتے ہوئے دیوبندی مذہب کا وہ سارا لٹریچر کسی چوراہے پر رکھ کر جلا دیجئے جن میں اس طرح کی قوت کسی بندے کے حق میں تسلیم کرنے کو شرک لکھا ہوا ہے۔

دوسرا نمونہ

"زلزلہ" میں ایک بحث کے دوران کئی سوالات اٹھائے گئے تھے جن میں پہلا سوال یہ تھا کہ دیوبندی حضرات کے یہاں صحت و غلط کے جانچنے کا پیمانہ الگ الگ کیوں ہے؟ اس سوال کا جو جواب مفتیان دیوبند نے دیا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> "مولانا قادری کے قلم سے چند سوالات سطح کاغذ پر ابھر آئے ہیں ان کے جوابات بھی ملاحظہ فرمائیے۔
> پہلا سوال تو یہی ہے کہ دیوبندی حضرات کے یہاں صحت و غلط

> کے جانچنے کا پیانہ الگ الگ کیوں ہے؟
> جواب! جی ہاں! دیوبندی کے یہاں نہیں بلکہ دنیا کے ہر اہل علم و دیانت کے نزدیک صحت کا پیانہ الگ اور غلط کا پیانہ الگ رہتا ہے اور عقل بھی اس کی متقاضی ہے۔ کیونکہ صحت و غلط کے درمیان تضاد کی نسبت ہے۔
> البتہ اس سوال سے اتنی بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ بریلوی حضرات کے یہاں صحت و غلط کا پیانہ ایک ہی ہے۔
> (انکشاف ص ۲۱۷)

جو لوگ اتنی موٹی بات نہیں سمجھ سکتے کہ حق و باطل، صحیح و غلط، حرام و حلال اور خوب و ناخوب کے جانچنے کا پیانہ کیا ہے انہیں دارالافتاء میں بیٹھنے کے بجائے کسی چوراہے پر بیٹھنا چاہئے تھا۔ یقیناً ہمارے ہاں صحت و غلط ہدایت و ضلالت اور حلت و حرمت کے جانچنے کا پیانہ ایک ہی ہے اور وہ ہے "شریعت"۔

اب مفتیان دیوبند تفصیل کے ساتھ بتائیں کہ ان کے یہاں صحت و غلط کے جانچنے کے جو دو پیانے الگ الگ ہیں وہ کیا ہیں۔

"شریعت محمدی" کا نام نہیں لے سکتے کہ وہ دو نہیں بلکہ ایک ہے البتہ نئے ڈیزائن کی دو شریعتیں خود علمائے دیوبند نے ایجاد کی ہوں تو یہ ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقعہ بھی ہے۔ کیونکہ ایک ہی بات ان کے یہاں انبیاء و اولیاء کے حق میں شرک و کفر ہے۔ لیکن اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں عین اسلام اور ایمان ہے۔ ایک ہی مسئلہ میں کفر و اسلام کی یہ تقسیم اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ دو متوازی شریعتوں کا وجود نہ تسلیم کرلیا جائے۔ اس لیے مفتیان دیوبند نے اپنے گھر کا جو واقعہ بیان کیا ہے وہ غلط نہیں ہے۔

چوتھی بحث

عقیدہ ختم نبوت کے بیان میں

"انکشاف" کے آخر میں مفتیان دیوبند نے اپنے مہتمم قاری طیب صاحب کی تقریر کا ایک اقتباس اس دعوے کے ساتھ پیش کیا ہے کہ وہ "رضاخانی" تابوت میں آخری کیل ثابت ہو گا"۔ (ص ۳۴۳)

تقریر کے اقتباس کے الفاظ یہ ہیں:

> نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم امکان میں سرچشمہ علوم و کمالات ہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی فیض ہیں خاتم النبین کی نبوت کا۔
>
> درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں۔ آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے تو نبوت بھی آپ کا فیض ہے اور بعد والوں کے لیے ولایت بھی آپ ہی کا فیض ہے۔ غرض سرچشمہ کمالات آپ ہیں۔
>
> (ریکارڈ تقریر حضرت مہتمم صاحب بنگلور ۲۰ جون ۷۱ء انکشاف ص ۳۴۴)

اس تقریر کا تعلق چونکہ عقیدہ ختم نبوت سے ہے اس لیے حقائق و شواہد کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مسئلہ ختم نبوت میں علمائے دیوبند کا اصل موقف کیا ہے تاکہ مفتیان دیوبند کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ آخری کیل کس کے تابوت کے لیے تیار کی گئی ہے۔

ایک سنسنی خیز انکشاف

عام لوگوں کو شاید یہ بات معلوم نہیں ہے کہ اس موضوع پر مہتمم صاحب کی صرف تقریر ہی نہیں ہے بلکہ ان کی ایک کتاب بھی ہے جس کا نام آفتاب نبوت ہے۔ بہت دن ہوئے یہ کتاب مارکیٹ سے غائب کر دی گئی کیوں غائب کی گئی اس کی سنسنی خیز تفصیل مولانا عامر عثمانی مدیر تجلی کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ ایک مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

> ہمیں یاد ہے کہ "آفتاب نبوت" کے بعض مندرجات پر ہم نے بھی تجلی میں احتجاج کیا تھا۔ اب یہ کتابیں پاکستان میں کسی ناشر نے چھاپ لی ہیں اور صاحب مضمون نے ان ہی کو سامنے رکھا ہے۔ لیکن اولاً انہیں خود مہتمم صاحب کے صاحبزادے نے اپنے مکتبہ سے دیوبند ہی میں شائع کیا تھا۔
> ان پر مختلف اہل علم کی طرف سے لے دے ہوئی اور اس کے نتیجے میں شاید مہتمم صاحب اور ان کے صاحبزادے نے بھی محسوس کر لیا کہ قلم نے کچھ گڑبڑ کر دی ہے چنانچہ انہیں تقریباً دفن ہی کر دیا گیا۔ آج یہاں ڈھونڈتے پھریئے ایک نسخہ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ (تجلی دیوبند نقد و نظر نمبر ص ۴۷)

اب یہ راز سربستہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ کتاب کیوں غائب کر دی گئی، تجلی کے حوالہ سے اس کتاب کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ مہتمم صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

> حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں بلکہ نبوت بخشی بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آگیا نبی ہو گیا۔ (آفتاب نبوت ص ۱۹)
> اس عبارت پر مدیر تجلی کا یہ تبصرہ دیوبندی جماعت کی پشت پناہی

پر قہر الٰہی کا ایک خوف ناک تازیانہ ہے۔ مفتیان دیوبند چشم عبرت سے پڑھیں۔
قادیانیوں کو اس سے یہ استدلال بھی ملا کہ روح محمدی تو بہرحال فنا نہیں ہوئی وہ آج بھی کہیں نہ کہیں موجود ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ پہلے اس نے ہزاروں انسانوں کو نبوت بخشی تو اب نہ بخشے۔ (ص ۷ تجلی نقد و نظر نمبر)

اب اسی کے ساتھ تجلی کے حوالہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ بھی پڑھ لیجئے تاکہ یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آ جائے کہ مہتمم صاحب نے آفتاب نبوت لکھ کر در پردہ کس کا حق نمک ادا کیا ہے اسلام کا یا قادیانیت کا۔

اللہ جل شانہ' نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو نہیں دی گئی اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور کو نہیں ملی۔
(حقیقۃ الوحی ص ۹۷، بحوالہ تجلی نقد و نظر نمبر ۷۳)

اب عین دوپہر کے اجالے میں مہتمم صاحب کا اصل چہرہ دیکھنا چاہتے ہوں تو مہتمم صاحب اور مرزا صاحب دونوں کی تحریروں کو ایک چوکھٹے میں رکھ کر مدیر تجلی کا یہ دھماکہ خیز بیان پڑھیے۔

حضرت مہتمم صاحب نے حضور کو "نبوت بخش" کہا تھا۔ مرزا صاحب "نبی تراش" کہہ رہے ہیں۔ حرفوں کا فرق ہے' معنی کا نہیں۔ (تجلی نقد و نظر نمبر ص ۷۸)

کیا سمجھے آپ! دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح مرزا صاحب کا عقیدہ ہے کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے بلکہ آج بھی حضور کی خصوصی توجہ کسی نبوت کی استعداد رکھنے والے شخص پر پڑ جائے تو وہ نبی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مہتمم صاحب

بھی حضور کو "نبوت بخش" کہہ کر بالکل اسی عقیدے کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ الفاظ بیان میں فرق ہو سکتا ہے لیکن مدعا دونوں کا بالکل ایک ہے۔

واضح رہے کہ مدیر تجلی کا یہ تبصرہ الزام نہیں بلکہ عین امر واقعہ ہے کیونکہ دونوں کے انداز فکر میں اتنی عظیم مطابقت ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی خط فاصلہ کھینچنا بہت مشکل ہے۔

مثال کے طور پر مرزا صاحب نے اپنے دعوائے نبوت کے جواز میں مجازی ظلی اور بروزی نبی کا ایک نیا فارمولا تیار کیا تھا اور مہتمم صاحب کی تقریر کا جو اقتباس مفتیان دیوبند نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے اس میں مہتمم صاحب نے بھی اسی فارمولے کی زبان استعمال کی ہے۔

اس دعوے کے ثبوت کے لیے غلط جذبہ پاس داری سے بالاتر ہو کر موصوف کی تقریر کا یہ حصہ پڑھیے۔

"درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں۔ آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے"۔

فرمایئے! یہ بالکل مرزا صاحب کی زبان ہے یا نہیں؟

"درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں" کا مدعا سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کے سوا دوسرے انبیاء مجازی یا ظلی یا بروزی نبی ہیں۔ یہی مرزا صاحب نے بھی بار بار کہا ہے اور یہی بات مہتمم صاحب بھی فرما رہے۔ دونوں کے بیان میں لفظوں کا فرق ہو سکتا ہے معنی کا نہیں۔

"اور آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے۔ کیا وہ فقرہ بھی مرزائیوں کے اس دعویٰ کو تقویت نہیں پہنچاتا کہ جب آپ کی نبوت کے فیض سے پہلے بھی انبیاء بنتے رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اب یہ سلسلہ بند ہو جائے۔

مرزا صاحب کی حمایت میں مہتمم صاحب کی "یہ گراں قدر خدمات" سمجھ میں آ گئی ہوں تو اب مفتیان دیوبندی بتائیں کہ وہ آخری کیل کس کی تابوت میں نصب ہو گی؟

یہاں پہنچ کر میں اپنے قارئین کرام سے التماس کروں گا کہ اتنی تیز روشنی کے بعد بھی دماغ کا کوئی گوشہ تاریک رہ گیا ہو تو اب دوپہر کے اجالے میں تشریف لائیے۔

عقیدہ ختم نبوت کے خلاف خاندانی سازش

واضح رہے کہ تحریر و تقریر کے ذریعہ قادیانیوں کے مؤقف کی حمایت میں مہتمم صاحب نے جس نقطہ نظر کی ترجمانی فرمائی ہے یہ خود ان کے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں ہے کہ بلکہ یہ نقطہ نظر انہیں وراثت میں ملا ہے۔ چنانچہ مسئلہ ختم نبوت میں سب سے پہلے اس نقطہ نظر کا سنگ بنیاد ان کے دادا جان مولانا قاسم صاحب نانوتوی نے رکھا تھا اس لیے کہنے دیا جائے کہ مسئلہ ختم نبوت بھی یہ مہتمم صاحب کا خاندانی موقف ہے جس کی حمایت میں دلائل فراہم کرنا قطعی طور پر ان کا موروثی حق ہے۔

اب ذیل میں عقیدہ ختم نبوت کے خلاف خاندانی سازش کی۔ یہ کہانی بالکل خالی الذہن ہو کر سنئے۔

بحث کا مرکزی نکتہ سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ایک قادیانی مصنف کا یہ بیان پڑھئے۔

> بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ احمدی (یعنی قادیانی) ختم نبوت کے قائل نہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین نہیں مانتے۔ یہ محض دھوکے اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ جب احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ شہادت پر یقین رکھتے ہیں تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نبوت کے منکر ہوں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین نہ مانیں۔
> قرآن کریم میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبین○** (احزاب ۴ع ۵)
> محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی جوان مرد کے

باپ ہیں نہ آئندہ ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔
قرآن کریم پر ایمان رکھنے والا آدمی اس آیت کا انکار کس طرح کر سکتا ہے پس احمدیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ خاتم النبین نہیں تھے۔
جو کچھ احمدی کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ خاتم النبین کے وہ معنی جو اس وقت مسلمانوں میں رائج ہیں نہ تو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت پر چسپاں ہوتے ہیں اور ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور شان اس طرح ظاہر ہوتی ہے جس عزت اور شان کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(پیغام احمدیت ص ۱۰)

خط کشیدہ سطروں کو پھر ایک بار غور سے پڑھیئے کیونکہ سازش کو سمجھنے کے لیے بحث کا یہ حصہ یاد رکھنا نہایت ضروری ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں قادیانیوں کا یہ دعویٰ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبین ہونے کا انکار نہیں کرتے بلکہ خاتم النبین کے اس معنی کا انکار کرتے ہیں جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور اسی انکار پر انہیں ختم نبوت کا منکر کہا جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاتم النبین کا وہ کون سا معنی ہے جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور سب سے پہلے اس معنی کا انکار کس نے کیا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں عقیدہ ختم نبوت کے خلاف مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کی سازش بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے۔

ایک قادیانی مصنف مسئلہ زیر بحث میں ان کے موقف کی تحسین کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"تمام مسلمان فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سرور کائنات حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں کیونکہ قرآن مجید کی نص ولکن رسول اللہ و خاتم النبین میں آپ کو خاتم النبین قرار دیا گیا ہے۔
نیز اس امر پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے لفظ خاتم النبین بطور مدح و فضیلت ذکر ہوا ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ لفظ خاتم النبین کے کیا معنی ہیں۔ یقیناً اس کے معنی ایسے ہی ہونے چاہئیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مدح ثابت ہو۔
اسی بنا پر حضرت مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے عوام کے معنوں کو نادرست قرار دیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔
"عوام کے خیال میں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم اور تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ و خاتم النبین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے"۔ (تحذیر الناس ص ۳)
(رسالہ خاتم النبین کے بہترین معنی ص ۴ شائع کردہ قادیان)

اب قادیانی جماعت کی طرف سے وہ خراج عقیدت ملاحظہ فرمایئے جسے اپنے مسلک کے پیش رو اور مقتدا کی حیثیت سے انہوں نے مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے حضور میں پیش کیا ہے۔

جماعت احمدیہ خاتم النبین کے معنوں کی تشریح میں اسی مسلک پر قائم ہے جو ہم نے سطور بالا میں جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے حوالہ جات سے ذکر کیا ہے۔ (افادات قاسمیہ ص ۲۶)

ایک معمولی ذہن کا آدمی بھی اتنی بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی مخالفت کے مسلک پر قائم رہنے کا ہرگز عہد نہیں کر سکتا۔ پیچھے چلنے کا یہ پرخلوص اعتراف اسی شخص کے حق میں متصور ہو سکتا ہے جسے اپنا ہم سفر اور مقتدا سمجھا جائے۔

ایک ہی تصویر کے دو رخ

اتنی تفصیل کے بعد مذکورہ بالا عبارتوں کا تجزیہ کیجئے تو بہت سی حیرت انگیز باتیں معلومات کے اجالے میں آ جائیں گی۔

پہلی بات تو یہ کہ مولانا قاسم صاحب نانوتوی کی صراحت کے مطابق خاتم النبین کے لفظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھنا معاذ اللہ یہ ناسمجھ لوگوں کا خیال ہے۔ امت کا سمجھ دار طبقہ خاتم النبین کے لفظ سے کچھ اور ہی معنی مراد لیتا ہے انہی سمجھ دار لوگوں میں ایک سمجھ دار مولانا نانوتوی بھی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ خاتم النبین کے اجماعی معنی کو مسخ کر کے حضور کے آخری نبی ہونے کا انکار سب سے پہلے مولانا قاسم نانوتوی نے کیا ہے۔ کیونکہ قادیانیوں نے اگر انکار میں پہل کی ہوتی تو وہ ہرگز یہ اعتراف نہ کرتے کہ لفظ خاتم النبین کے معنی کی تشریح کے سلسلے میں جماعت احمدیہ مولانا نانوتوی کے مسلک پر قائم ہے۔

تیسری بات یہ کہ خاتم النبین بمعنی آخری نبی کے انکار کے پس منظر میں مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا نانوتوی دونوں کے انداز فکر اور طریقہ استدلال میں پوری پوری یکسانیت ہے۔

چنانچہ قادیانیوں کے یہاں بھی خاتم النبین کے اصل مفہوم کو مسخ کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا سہارا لیا گیا ہے اور نانوتوی صاحب بھی مقام مدح کہہ کر حضور کی شان عظمت ہی کو بنیاد بنا رہے ہیں۔ وہاں بھی کہا گیا ہے کہ خاتم النبین کے لفظ سے حضور کو آخری نبی سمجھنا' یہ معنی عام مسلمانوں میں رائج ہیں اور یہاں بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ معنی عوام کے خیال میں ہیں۔

اتنی عظیم مطابقتوں کے بعد اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلے میں دونوں کا نقطہ نظر الگ الگ ہے۔ دنیا سے انصاف اگر رخصت نہیں ہو گیا ہے تو اب اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیان اور دیوبند ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ ایک ہی منزل کے دو مسافر ہیں کوئی پہنچ گیا ہے کوئی رہ گزر میں ہے۔

پس خاتم النبین بمعنی آخری نبی کے انکار کی بنیاد پر اگر قادیانی جماعت کو منکر ختم نبوت کہنا امر واقعہ ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسی انکار کی بنیاد پر دیوبندی جماعت کو بھی منکر ختم نبوت نہ قرار دیا جائے۔

شاید صفائی میں آپ یہ کہیں کہ قادیانی جماعت کے لوگ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملاً" ایک نیا نبی مان چکے ہیں اس لیے انہیں منکر ختم نبوت کہنا واقعہ کے عین مطابق ہے۔ میں جواباً" عرض کروں گا کہ عقیدے کی حد تک یہی مسلک تو دیوبندی جماعت کا بھی ہے جیسا کہ ان کی کتاب تحذیر الناس میں لکھا ہوا ہے۔

> اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور قائم رہتا ہے۔ (تحذیر الناس ص ۱۴)
> اگر بالفرض بعد زمانہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔
> (تحذیر الناس ص ۲۸)

غور فرمایئے! جب دیوبندی جماعت کے یہاں بھی بغیر کسی قباحت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہو سکتا ہے تو قادیانی جماعت کا اس سے زیادہ اور قصور ہی کیا ہے کہ جو چیز اہل دیوبند کے نزدیک جائز و ممکن تھی اسے انہوں نے واقع بنا لیا۔

اصل کفر تو نئے نبی کے جواز و امکان سے وابستہ تھا۔ جب وہی کفر نہ رہا تو اب کسی نئے مدعی نبوت کو اپنے دعوے سے باز رکھنے کا ہمارے پاس ذریعہ ہی کیا رہا کیونکہ اس راہ میں عقیدے کی جو سب سے مضبوط دیوار حائل تھی وہ تو یہی تھی کہ

قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماع امت کی روشنی میں چونکہ حضور خاتم النبین بمعنی آخری نبی ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نیا نبی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔

لیکن جب دیوبندی جماعت کے نزدیک حضور خاتم النبین بمعنی آخری نبی بھی نہیں ہیں اور کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت میں بھی کوئی فرق نہیں آتا تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ آخر اب کس بنیاد پر کسی نئے مدعی نبوت کو اپنے دعوے سے باز رکھا جائے گا؟ اور کس دلیل سے کسی نئے نبی پر ایمان لانا کفر قرار پائے گا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ بنیادی سوال کے لحاظ سے دیوبندی جماعت اور قادیانی جماعت کے درمیان قطعاً کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔

میری اس مدلل رائے سے اگر دیوبندی مذہب کے علماء کو اختلاف ہو تو وہ کھلے بندوں یہ اعلان کر دیں کہ تحذیر الناس ان کی کتاب نہیں ہے یا پھر تحذیر الناس میں کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ جن دو بنیادی عقیدوں کا انکار کیا گیا ہے اور جس کے نتیجے میں حضور کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا دروازہ کھل جاتا ہے اس کے خلاف فتوے کی زبان میں اپنی غیر مشروط بیزاری کا اعلان کریں۔

واضح رہے کہ وہ دو بنیادی عقیدے جن کا تحذیر الناس میں انکار کیا گیا ہے یہ ہیں :۔

پہلا عقیدہ: خاتم النبین کے معنی آخری نبی کے ہیں۔

دوسرا عقیدہ: کسی نئے نبی کے آنے کے بعد حضور کی خاتمیت باقی نہیں رہ سکتی۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ دیوبندی علماء تحذیر الناس کے خلاف یہ اعلان ہرگز نہیں کریں گے۔ کیونکہ انہوں نے اسلام کے ان دو بنیادی عقیدوں کو اب تک تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔

بہرحال کوئی وجہ بھی ہو اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اسلامی دنیا کا جو الزام قادیانی جماعت پر ہے وہی الزام دیوبندی جماعت پر بھی عائد کیا جائے گا۔

اس بحث کے خاتمے پر میں "انکشاف" کے مصنفین سے التماس کروں گا کہ بنگلور کی تقریر میں آپ کے مہتمم صاحب نے جو آخری کیل تیار کی تھی اب اسے دیوبندی مذہب کے تابوت میں نصب کر دیجئے۔ کیونکہ کیل بھی گھر ہی کی ہے اور مذہب بھی گھر ہی کا۔

انکشاف کے ان حصوں پر جو کسی درجہ میں بھی توجہ کے قابل تھے' میرا تنقیدی تبصرہ تمام ہو گیا۔ اب یہ فیصلہ کرنا قارئین کرام کا اپنا حق ہے کہ علمائے دیوبند کے خلاف زلزلہ میں عائد کیے گئے الزامات کو صحیح اور حق بجانب ثابت کرنے کے لیے میں نے مفتیان دیوبند کی قلمی خیانت' علمی بددیانتی اور فکری کج روی کو جن دلائل و شواہد کے ساتھ بے نقاب کیا ہے وہ قوم کی عدالت میں کہاں تک قابل قبول ہیں۔

پہلا باب ختم ہوا' اب دوسرا باب جو "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" کے تنقیدی تبصرے پر مشتمل ہے' شروع ہوتا ہے۔ خدا ہمیں اور آپ کو انصاف نظر کی توفیق عطا کرے۔

دوسرا باب

بریلوی فتنہ کا نیا روپ

کا

تنقیدی جائزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

ابتدائیہ

اس کتاب کی ترتیب میں تین مصنفین کے نام ظاہر کیے گئے ہیں۔ مولوی منظور نعمانی ان کے صاحب زادے مولوی عتیق الرحمٰن اور مولوی محمد عارف سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃالعلماء لکھنؤ۔ گویا "زلزلہ" کا جواب باپ' بیٹے' روح القلم تینوں نے مل کر تیار کیا ہے۔

مولوی عارف سنبھلی کے نام کے ساتھ استاذ دارالعلوم ندوۃالعلماء کا دم چھلا دیکھ کر بہت سے لوگوں کو حیرت ہوئی۔ حیرت اس لیے ہوئی کہ زلزلہ میں جتنے الزامات عائد کیے گئے تھے ان کا تعلق قطعاً" اہل دیوبند سے تھا۔ ندوہ ایک فریق کی حیثیت سے کیوں سامنے آگیا۔ جب کہ ندوہ کے قیام کا مقصد فریق بننا نہیں تھا بلکہ مختلف فرقوں کے درمیان مفاہمت اور مصالحت کا راستہ تلاش کرنا تھا۔

آج مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولوی منظور نعمانی کی سازش سے وہ دیوبندی فرقے کا بہت بڑا گڑھ بن گیا ہے۔ لیکن جو لوگ ندوہ کی تاریخ سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دیوبند کے اکابر ندوہ کے قیام کے سخت مخالف تھے۔

یہاں تک کہ ندوہ کے ناظم مولوی محمد علی صاحب جب ندوہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت پیش کرنے کی غرض سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی صاحب سے ملنے دیوبند گئے تو انہوں نے نہ صرف دعوت قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ ملنے سے بھی انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جب ان سے اصرار کیا گیا کہ آپ خود نہیں شریک ہو سکتے تو کم از کم اپنے کسی آدمی کو شرکت کی اجازت دے دیجئے تو انہوں نے جواب

میں فرمایا کہ

> مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ انجام اس کا بخیر نہیں اس واسطے میں اپنی طرف سے کسی کو اجازت نہیں دے سکتا۔
> (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۰۵)

"انجام اس کا بخیر نہیں ہے" اس الہام خداوندی کا اس سے زیادہ واضح ثبوت اور کیا فراہم ہو سکتا ہے کہ آج ندوہ پر دیوبندی فرقے کا تسلط ہو گیا ہے اور اس کے اساتذہ دیوبندی مذہب کی حمایت میں برسرپیکار نظر آ رہے ہیں۔

اور انجام کی یہ وحشت ناک تصویر اور زیادہ نمایاں ہو جائے گی اگر اس کا آغاز بھی آپ نظر میں رکھیں۔

مولانا شبلی نعمانی کے بارے میں اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ندوہ کے بانیوں میں ایک موثر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا ایک مضمون مقالات شبلی کے حصہ ششم میں شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون اس وقت کا ہے جب مولانا شبلی سے ندوہ کے ناظم کی چشمک ہو گئی تھی بتدریج اختلافات یہاں تک بڑھ گئے کہ مولانا کی حمایت میں ندوہ کے طلباء نے اسٹرائک کر دیا۔ اس کے بعد سرگزشت خود مولانا کے قلم سے پڑھیے۔ لکھتے ہیں کہ:

> "عین اسی حالت میں مولود شریف کا زمانہ آیا اور طلباء نے جیسا ہمیشہ کا معمول تھا' مولود شریف کرنا چاہا لیکن اس خیال سے کہ مولود شریف میں بیان کروں گا وہ مولود سے روکے گئے اور تین دن تک یہ مرحلہ رہا۔
> آخر لوگوں نے سمجھایا کہ مولود کے روکنے سے شہر میں عام برہمی پھیلے گی۔ مجبوراً" چند شرطوں اور قیدوں کے ساتھ منظوری دے دی گئی۔ (مقالات شبلی جلد ۶ ص ۱۳۱)

لیکن کیا آج بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطے میں محفل مولود شریف کے انعقاد کی اجازت مل سکتی ہے؟ کیا آج بھی "ہمیشہ کا یہ معمول" وہاں کے طلباء میں زندہ

اور باقی ہے؟ اور پھر کیا آج بھی یا نبی سلام علیک کا روح پرور نغمہ وہاں کی فضا میں گونج سکتا ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں! کیونکہ اب ندوہ پر اہل دیوبند کا غاصبانہ قبضہ ہو گیا ہے۔

غور فرمایئے! وہ آغاز تھا یہ انجام ہے اور غضب یہ ہے کہ گنگوہی صاحب کا الہام انجام ہی کے بارے میں ہے آغاز کے بارے میں نہیں ہے۔

اب یہ فیصلہ خود علمائے دیوبند کو کرنا ہے کہ وہ اس الہام کی توثیق کریں گے یا نہیں؟ کریں جب بھی اور نہ کریں جب بھی، خودکشی کے الزام سے بچنا ناممکن ہے۔

بہرحال زلزلہ کے جواب میں لکھی جانے والی کتاب کا نام "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" لکھ کر کتاب کے مصنفین نے اپنے عوام کی توجہ اصل مسئلے سے ہٹانے کی بڑی خوبصورت کوشش کی ہے اور حقائق کا سامنا کرنے کے بجائے بریلی کا نام لے کر جماعتی عصبیت کو ابھارا ہے تاکہ سادہ لوح افراد کو یہ تاثر دیا جائے کہ نصف صدی سے دیوبند اور بریلی کی جو جنگ چل رہی ہے زلزلہ اسی جنگ کا ایک شاخسانہ ہے کیونکہ اصحاب علم و بصیرت اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ جماعتی عصبیت اس اندھی سرشت کا نام ہے جو ظالم سے نہیں، مظلوم سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

اس کی تازہ مثال دیکھنی ہو تو اسی کتاب پر عامر عثمانی جیسے بے رحم نقاد کا تبصرہ پڑھئے۔ جماعتی عصبیت کے زیر اثر وہ بھی اس سازش کا شکار ہو گئے ہیں اور "بریلی دشمنی" کے جذبے میں انہیں بھی کتاب کے اس حصے کو سراہنا پڑا ہے جو "دفاع" پر نہیں، "حملے" پر مشتمل ہے۔

چنانچہ "بریلوی فتنہ" کے دوسرے ایڈیشن میں کتاب کے مصنفین نے بڑے طنطنے کے ساتھ عامر عثمانی صاحب کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے۔ مضحکہ خیز خوش فہمی اور فکر و بصیرت کے افلاس کا تماشا دیکھنا ہو تو دوسرے ایڈیشن کے مقدمے کا یہ حصہ ملاحظہ فرمایئے۔

"مولانا عامر عثمانی کی تحریریں جن لوگوں کو پڑھنے کا موقعہ ملا ہو گا

وہ اس بات کو بخوبی جانتے ہوں گے کہ موصوف جس مسئلے پر اظہار رائے کرتے تھے اس میں اٹل رہتے تھے۔ ان کو اس سے ہٹانا تقریباً ناممکن سمجھا جاتا تھا اور وہ اپنے اور پرائے کا بھی اس میں فرق نہیں کرتے تھے۔

انہوں نے ہماری کتاب کا مطالعہ غور اور پوری توجہ کے ساتھ کیا اور پھر اس پر جو بے لاگ تبصرہ سپرد قلم فرمایا وہ سب سے پہلے خود انہیں کی ذات کے خلاف پڑتا تھا۔ بلاشبہ یہ ان کا اپنے نفس کے خلاف سخت ترین جہاد تھا جس میں وہ پورے کامیاب ہوئے۔

انہوں نے کھلا اعتراف کیا کہ ہماری کتاب کے ذریعے پہلی بار بریلویت کا اصلی چہرہ دیکھا اور پہلی بار وہ صحیح طور پر اس سے واقف ہوئے۔ ان کا تبصرہ اس ایڈیشن میں کتاب کے آخر میں شامل کیا جا رہا ہے۔ پورا تبصرہ تو آپ وہاں ملاحظہ فرمائیں گے مگر موقع کی مناسبت سے دونوں کتابوں پر ان کے تبصرہ کے چند فقرے یہاں نقل کر دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔

آپ مقابلہ کر کے بھی دیکھ سکیں گے کہ زلزلہ کو پڑھ کر ان کے دل و دماغ کی دنیا پر کیا اثر پڑا اور پھر اس کے اس جواب کو پڑھ کر ان کا سارا تاثر کس طرح تبدیل ہو گیا۔

"زلزلہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے لکھا تھا۔

"دفاع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کوئی بڑے سے بڑا علامتہ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کر سکتا جو اس کتاب کے مشمولات متعدد بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"ہم اپنا دیانت دارانہ فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور

حق یہی ہے کہ متعدد علمائے دیوبند پر تضاد پسندی کا الزام جو اس کتاب میں دلیل و شہادت کے ساتھ عائد کیا گیا وہ اٹل ہے"۔
ایک جگہ "زلزلہ" کے الزامات کا اپنی دانست میں ناقابل تردید ہونا ان پر زور اور قطعی الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں کہ:۔
مصنف بار بار پوچھتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے اس تضاد کا جواب کیا ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ اس سوال کا جواب مولانا منظور نعمانی یا مولانا محمد طیب صاحب کو دینا چاہئے مگر وہ کبھی نہ دیں گے کیونکہ جو اعتراض ناقابل تردید صداقت کی حیثیت رکھتا ہو اس کا جواب دیا ہی کیا جا سکتا ہے؟"
مولانا عامر عثمانی صاحب مرحوم کے ان چند جملوں کو پڑھ کر ہی ناظرین پورا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی دانست میں یہ کتاب کتنی باوزن اس کے اعتراضات کیسے اٹل اور ناقابل تردید تھے۔
لیکن جب انہوں نے ہماری کتاب کو ملاحظہ فرمایا تو ان کے دل و دماغ کی دنیا میں کیسا زبردست انقلاب آیا اس کی پوری کیفیت ان کے اس تبصرہ سے معلوم ہو جائے گی جو انہوں نے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد سپرد قلم فرمایا تھا۔ یہ پورا تبصرہ آپ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمالیں۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔
"اسے پڑھنے کے بعد ہم نے اللہ سے دعا مانگی کہ اے غفور الرحیم "زلزلہ" میں تبصرہ کرتے ہوئے ہمارے قلب میں بریلوی مکتب فکر کے بارے میں جو تھوڑا سا حسن ظن پیدا ہوا تھا اس کے لیے ہمیں معاف کر دے"۔
دوسری جگہ لکھتے ہیں:
"ہمیں بریلوی قسم کی تحریروں کے پڑھنے کا اتفاق تو بار بار ہوا ہے

لیکن زیر تبصرہ کتاب سے پتہ چلا کہ ہم اب تک اندھیرے میں تھے۔ ہمیں ادراک نہیں تھا کہ بریلوی علم کلام بدتمیزی' فحاشی' گالی بازی اور ننگی بازاریت کے کس معیار تک پہنچا ہوا ہے"۔

ایک اور جگہ اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں :۔

تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا محمد عارف سنبھلی نے "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" لکھ کر زلزلہ کے مصنف کو ان کی اصلیت یاد دلا دی ہے اور عوام کے سامنے ایک ایسا مواد رکھ دیا ہے جسے پڑھ کر وہ ادراک کر سکیں گے کہ بریلویت کا خمیر کس مٹی سے اٹھا ہے"۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۱)

اس اقتباس کی ایک ایک سطر بار بار پڑھئے اور انصاف سے بتایئے کہ کیا مولانا عامر عثمانی کے اس تبصرہ میں کہیں ہلکا سا بھی اشارہ اس بات کا ملتا ہے کہ زلزلہ میں اکابر دیوبند کے خلاف جو الزامات عائد کیے گئے تھے' بریلوی فتنہ کے مصنفین نے اپنی کتاب میں ان کے دفاع کا حق ادا کر دیا ہے۔ یا دیوبندی لٹریچر میں اعتقاد و عمل کا جو تضاد ناقابل تردید شہادتوں سے زلزلہ میں ثابت کیا گیا تھا ندوہ کے صنادید نے مل جل کر اسے اٹھا دیا اور اب دیوبندی جماعت کا مذہبی کردار بالکل صاف اور بے غبار ہو گیا۔

ان کا پورا تبصرہ پڑھ جایئے دفاع کے بارے میں تحسین کا ایک لفظ بھی ڈھونڈے سے نہیں ملے گا البتہ جماعتی عصبیت کے جذبے میں حملے کی تعریف جگہ جگہ ضرور کی گئی ہے۔

"بریلوی فتنہ کا نیا روپ" زلزلہ کے جواب میں لکھی گئی ہے اس لحاظ سے اس کا بنیادی کردار یہ تھا کہ زلزلہ میں دیوبندی اکابر کے خلاف جو الزامات عائد کیے گئے ہیں ان کی طرف سے اپنے پڑھنے والوں کا ذہن صاف کرتی اور ان ساری بدگمانیوں کا ازالہ کر دیتی جو زلزلہ کے مطالعہ سے پیدا ہوئی تھیں۔

لیکن قلم کی نوک سے ٹپکتے ہوئے لہو کے ساتھ یہ کتنا دردناک مذاق ہے کہ

مولانا عامر عثمانی نے "بریلوی فتنہ کا نیا روپ" پڑھ کر خدا کے حضور میں معافی مانگی تو اس "حسن ظن" کی جو بریلوی مکتب فکر کے متعلق ان کے ذہن میں پیدا ہوا تھا۔ حالانکہ "جواب نامہ" کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے اکابر کے متعلق اس "سوء ظن اور بدعقیدگی کی معافی مانگتے جس کا اظہار بار بار انہوں نے اپنے تبصرہ میں کیا تھا۔

بریلوی مکتب فکر کے بارے میں تو حسن ظن کا ایک ہلکا سا اشارہ بھی ان کے تبصرہ میں موجود نہیں ہے جب کہ دیوبندی مکتب فکر کی مذمت سے پورا تبصرہ رنگین ہے۔

اب ذرا بریلوی فتنہ کے مصنفین کا مقدر دیکھئے کہ اپنی کتاب کی شان میں مولانا عامر عثمانی سے ایک قصیدہ بھی لکھوا کر لائے تو وہ بھی بدقسمتی سے ان کے خلاف پڑ گیا اور دنیا کی نظر میں جو بھی قلم کا رہا سہا بھرم تھا وہ بھی کھل گیا۔

بہرحال اس پوری بحث سے اتنی بات قطعاً" واضح ہو گئی کہ بریلوی فتنہ کے مصنفین مولانا عامر عثمانی کو اپنے اس موقف سے ہٹا نہیں سکے جس کا برملا اعلان انہوں نے "زلزلہ" کے تبصرہ میں کیا ہے اور جس کی تعبیر کے لیے "دیوبندی اکابر کے خلاف نعرہ بغاوت" سے بہتر اور کوئی لفظ لغت میں نہیں ہے۔

کیونکہ ہزاروں اختلافات کے باوجود یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ وہ مسلک اور خاندان دونوں اعتبار سے کٹر دیوبندی تھے۔ اپنے اکابر کے ساتھ دل کی عقیدت اور فکر کی نیازمندی انہیں ورثے میں ملی تھی۔ اس لیے کتنے دیکھئے کہ بریلوی فتنہ کا نیا روپ ان کے دل کی خلش کا کچھ بھی مداوا کرتی اور دیوبند اکابر کی صفائی میں قلم کا کردار ذرا بھی موثر ہوتا تو ان کی آزردہ روح بے محابا چیخ اٹھتی اور برملا اس بات کا اعتراف کر لیتے کہ "زلزلہ" کے مطالعہ سے اپنے اکابر کے متعلق جو بدظنی میرے دل میں پیدا ہو گئی تھی میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔ کیونکہ بہرحال اپنی "سرشت" کے لحاظ سے وہ بریلی کے 'نہیں' دیوبند ہی کے تھے۔ غیر کا معاملہ ہو تو آدمی دلیل کی قوت سے صرف نظر بھی کر لیتا ہے لیکن اپنوں کے ساتھ دل کی بددیانتی کا حادثہ مشکل ہی سے پیش آتا ہے۔

اب رہ گیا بریلوی مکتب فکر کے متعلق مولانا عامر عثمانی کی بدگمانیوں کا سوال تو اس کا سہرا کچھ بریلوی فتنہ کے مصنفین کے سر نہیں ہے کہ وہ اس کارنامے پر فخر کریں۔ بلکہ وہ اس وقت بھی بدگمانی کا شکار تھے جب زلزلہ پر تبصرہ کر رہے تھے اور بریلوی فتنہ کا وجود بھی کسی حاشیہ خیال میں نہیں تھا۔ بلکہ یہ کہنا حقیقت کی صحیح ترجمانی ہوگی کہ وہ بدگمانیوں کے زہر میں بھیگا ہوا خمیر ہی لے کر پیدا ہوئے تھے اس لیے کہنے دیا جائے کہ جو بدگمانی انہیں وراثت میں ملی تھی اس کا اظہار قطعاً" حیرت انگیز نہیں ہے بلکہ عین توقع کے مطابق ہے۔ البتہ حیرت انگیز یہ واقعہ ہے کہ ایک پیدائشی معتقد کو "زلزلہ" نے "باغی" کیونکر بنا دیا۔

"انکشاف" نامی کتاب کے ذریعہ مفتیان دیوبند کے علم و بصیرت کا مجھے نہایت افسوس ناک تجربہ ہوا۔ البتہ اخباری شہرت کی بنیاد پر ندوہ کے اساتذہ کے متعلق مجھے امید تھی کہ ان کے سوچنے کا معیار کچھ بلند ہوگا لیکن بریلوی فتنہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے ان کی طرف سے بھی سخت مایوسی کا شکار ہونا پڑا۔

جواب کے سلسلے میں علمی اور فکری ڈھانچہ بھی ان کا اپنا نہیں ہے بلکہ انکشاف سے مستعار لیا گیا ہے۔ مفتیان دیوبند نے اپنے جواب کی بنیاد جن مقدمات پر رکھی تھی بریلوی فتنہ کے مصنفین نے بھی انہی مقدمات کو اپنے جواب کی بنیاد بنایا ہے۔

چنانچہ انکشاف والوں نے بھی علم غیب اور کشف و الہام اور تصرف حقیقی و کرامات کا سہارا لیا ہے اور بریلوی فتنہ کے مصنفین نے بھی خوبصورت الفاظ میں انہی باتوں کو ذرا سلیقے کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جیسا کہ قارئین کرام دونوں کتابوں کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد خود اندازہ لگا لیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی بحث

علم غیب کے بیان میں

میں نے "زلزلہ" کے ابتدائی صفحات میں سبب تالیف کے زیر عنوان بحث کا رخ متعین کرتے ہوئے لکھا تھا:۔

> تصویر کے پہلے رخ میں دیوبندی لٹریچر کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دیوبندی حضرات انبیاء و اولیاء کے حق میں علم غیب اور قدرت و تصرف کے عقیدہ کو شرک اور منافی توحید سمجھتے ہیں اور تصویر کے دوسرے رخ میں انہی کی کتابوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علمائے دیوبند اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں علم غیب اور قدرت و تصرف کے عقیدے کو شرک اور منافی توحید نہیں سمجھتے۔(زلزلہ ص ۵۳ نیا ایڈیشن)

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے اس الزام کے جواب میں علمی خیانت' مذہبی تحریف اور فکری کج روی کے کیسے کیسے گل کھلائے ہیں وہ چشم عبرت سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ ایک الزام سے گلوخلاصی کے لئے بہت سارے نئے نئے الزامات کے طوق انہوں نے اپنی گردنوں میں ڈال لئے ہیں۔ شاید کہنے والوں نے اسی موقعہ کے لئے کہا تھا کہ بارش سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے آکھڑے ہوئے۔

حاصل جواب

اس داستان وحشت نشان کا آغاز کرتے ہوئے بریلوی فتنہ کے مصنفین تحریر

فرماتے ہیں :۔

> ناظرین اگر صرف ایک نکتہ کو ذہن میں رکھ کر زلزلہ کا مطالعہ کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ مغالطہ اور فریب کے سارے پردے تار تار نظر آئیں گے۔
>
> وہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت مولانا اسماعیل شہید اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی و غیرہم اکابر جماعت دیوبند نے کسی مخلوق کے لئے جس "علم غیب" کے ثابت کرنے کو شرک کہا ہے وہ' وہ علم غیب ہے جس کو قرآن پاک میں علم غیب کہا گیا ہے اور جس کو **قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ** اور **وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا ھو**○ وغیرہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ بتلایا گیا ہے اور جس کو مختلف مشرک قومیں اپنے معبودان باطل کیلئے مانتی رہی ہیں اور بہت سے جاہل اور اسلامی توحید سے ناآشنا مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں بلکہ اولیاء کرام کے بارہ میں اسی علم غیب کا عقیدہ[۱] رکھتے ہیں اور "زلزلہ" میں "تصویر کا دوسرا رخ" کے زیر عنوان بزرگان جماعت دیوبند سے متعلق اس سلسلہ کی جو حکایات نقل کی گئی ہیں اور جو واقعات لکھے ہیں وہ سب کشف و الہام اور فراست ایمانی کے قبیل سے ہیں جو بندوں ہی کی صفات ہیں۔
>
> (بریلوی فتنہ ص ۳۵ نیا ایڈیشن)

---

[۱] مسلمانوں کے خلاف اتنے بڑے سنگین الزام کے ثبوت میں نہ کوئی قابل اعتماد شہادت پیش کی گئی ہے اور نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ سب سے بڑی دلیل جو حاشیہ میں دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے جاہلوں' گمراہوں کو ہم نے بچشم خود دیکھا ہے اور ان کی صریح مشرکانہ باتیں سنی ہیں۔ خود ہی گواہ خود ہی قاضی کی اس سے زیادہ واضح اور کہیں نہیں مل سکتی۔

یہی ہے وہ نسخہ شفا جسے دیوبند اور ندوہ کے ماہرین نے سالہا سال کی عرق ریزیوں کے بعد مرتب کیا ہے اور جسے پیش کر کے وہ اپنی بیمار قوم کو تسلی دے رہے ہیں کہ اب چین کی نیند سو جاؤ ہم نے "زلزلہ" کا جواب تیار کر لیا ہے یہ کہنا تو قبل از وقت ہو گا کہ انہوں نے "زلزلہ" کا جواب تیار کیا ہے یا خود کشی کے بعد اپنے مذہب کا نیا کفن! لیکن اتنی بات ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آنے والے اوراق کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ میری رائے سے ضرور اتفاق کریں گے کہ جواب کے مقابلے میں خاموشی ان لوگوں کے لئے کہیں بہتر تھی۔

بہرحال اب ہم پھر قوم کی کھلی عدالت میں استغاثہ کا اصل بیان، پھر اس کا اصل جواب اور جواب پر اپنا تنقیدی جائزہ پیش کر رہے ہیں اور ارباب علم و دانش سے بجاطور پر توقع رکھتے ہیں کہ وہ منصفانہ جذبے کے ساتھ ہماری معروضات کا مطالعہ فرمائیں گے۔

"بریلوی فتنہ" کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ حصہ دلچسپی کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہے:۔

> حضرت مولانا اسماعیل اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہم اکابر جماعت دیوبند نے کسی مخلوق کے لئے جس علم غیب کے ثابت کرنے کو شرک کہا ہے وہ، وہ علم غیب ہے جس کو قرآن پاک میں علم غیب کہا گیا ہے۔ (بریلوی فتنہ ص ۳۵)

ذرا اس طویل ترین فقرے کا حلیہ ملاحظہ فرمائیں۔ ایسا لگتا ہے کہ آدمی کے بجائے کوئی "آسیب زدہ" بول رہا ہے۔ تین بار علم غیب کی تکرار کے بعد بھی یہ معمہ حل نہیں ہو سکا ہے کہ آخر علم غیب کیا ہے۔

لیکن کئی ورق کے بعد بریلوی فتنہ کے مصنفین کو شاید اپنی یہ فروگزاشت یاد آ گئی اور انہوں نے علم غیب کے مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> قرآن عزیز کی زبان اور دین کی خاص اصطلاح میں علم غیب،

> غیب کا وہی علم ہے جو کسی کے بتلائے بغیر کسی ہستی کو خود اپنے اختیار سے حاصل ہو اور یہ بے شک اللہ تعالیٰ کی صفت اور شان ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ (بریلوی فتنہ ص ۵۹)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی زبان اور دین کی اصطلاح میں علم غیب کا اطلاق' غیب کے اسی علم پر ہو گا جو کسی کے بتلائے بغیر کسی ہستی کو خود اپنے اختیار سے حاصل ہو اور یہ شان صرف خدا کی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ازروئے قرآن' علم غیب کا لفظ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر نہیں بولا جائے گا۔

خودکشی کی چند مثالیں

اب اپنے ہی خنجر سے اپنے قتل کا ایک عبرت ناک تماشا دیکھئے۔

یہی مولوی اشرف علی تھانوی جن کا حوالہ مصنف نے مذکورہ بالا عبارت میں دیا ہے۔ اپنی مشہور کتاب حفظ الایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر لفظ عالم الغیب کے اطلاق کی بابت ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

واضح رہے کہ تھانوی صاحب کی یہی وہ ایمان سوز اور دل آزار عبارت ہے جس میں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دے کر بارگاہ رسالت میں بدترین قسم کی گستاخی کی ہے اور جس کے خلاف مسلمانوں کا سواد اعظم آج تک احتجاج کر رہا ہے۔ اب دل پہ ہاتھ رکھ کر حفظ الایمان کی وہ لرزہ خیز عبارت پڑھئے۔

> حضور کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد کل غیب ہے یا بعض غیب' اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اسمیں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بکر بلکہ ہر صبی (بچہ) مجنون (پاگل) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل

ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔ (حفظ الایمان ص ۹)

اور اسی قابل اعتراض عبارت کی صفائی میں دیوبندی گروہ کے ایک ممتاز راہنما مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے اپنی کتاب توضیح البیان میں تحریر فرمایا ہے:۔

صاحب حفظ الایمان کا مدعا تو یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود علم غیب عطائی ہونے کے عالم الغیب کہنا جائز نہیں۔

(توضیح البیان ص ۱۲)

اسی کتاب میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

یہاں گفتگو غیب کے مفہوم میں ہو رہی ہے جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر بھی صادق آتا ہے اور غیر کے علم غیب پر بھی۔ (ص ۱۳)

تیسری جگہ اس سے بھی زیادہ واضح ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے:۔

حفظ الایمان میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بعطائے الٰہی حاصل ہے۔ (توضیح البیان ص ۴)

آپ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ حفظ الایمان میں خود تھانوی صاحب نے نہایت صراحت کے ساتھ علم غیب کا اطلاق نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں اور پاگلوں کے علم پر بھی کیا ہے اور توضیح البیان میں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے نہایت شدومد کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر "علم غیب" اطلاق کرتے ہوئے ان کے حق میں علم غیب کا عقیدہ کھلے بندوں ثابت کیا ہے اور سب سے بڑھ کر نقد الزام تو یہ ہے کہ خود مولوی منظور نعمانی جو بریلوی فتنہ کے اصل مصنف ہیں اپنی کتاب "فیصلہ کن مناظرہ" میں اسی حفظ الایمان کی عبارت پر علمائے

عرب و عجم کی طرف سے عائد کئے جانے والے الزامات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

> غیب کی بعض باتوں کا علم تو سب کو ہے۔ کیونکہ ہر جاندار کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ضرور ہے جو دوسرے سے مخفی ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے۔ (فیصلہ کن مناظرہ ص ۴۴)

اتنی تفصیل کے بعد اب مذکورہ بالا عبارتوں کی روشنی میں آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ ایک طرف تو علم غیب کے اطلاق کو صرف خدا کے ساتھ خاص مانا جا رہا ہے اور اس کا مفہوم یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جو کسی کے بتلائے بغیر کسی ہستی کو خود اپنے اختیار سے حاصل ہو اور دوسری طرف اسی علم غیب کا اطلاق زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جملہ حیوانات و بہائم کے علم پر بھی کیا جا رہا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں جی چاہتا ہے کہ مولوی منظور نعمانی اور دیوبندی مکتب فکر کے ذمہ دار علماء سے میں چند سوال کروں۔ زلزلہ کے الزامات کا اگر ان کے پاس کوئی صحیح جواب ہے تو وہ ہمیں ان سوالات پر مطمئن کریں۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ حفظ الایمان، توضیح البیان اور فیصلہ کن مناظرہ میں زید و عمر، ہر صبی و مجنون اور جملہ حیوانات و بہائم کے لئے جو علم غیب تسلیم کیا گیا ہے، اس علم غیب سے کیا مراد ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن کی زبان اور شریعت کی اصطلاح میں اگر علم غیب سے مراد غیب کا وہی علم ہے جو کسی کے بتلائے بغیر کسی ہستی کو خود اپنے اختیار سے حاصل ہو تو صاف صاف بتلایا جائے کہ حفظ الایمان، توضیح البیان اور فیصلہ کن مناظرہ میں زید و عمر، ہر صبی و مجنون اور جملہ حیوانات وبہائم اور ہر جاندار کے لئے جو علم غیب تسلیم کیا گیا ہے تو کیا علمائے دیوبند کے نزدیک ان تمام مخلوقات کا علم بغیر خدا کی عطا کے خود اپنے اختیار سے حاصل ہے؟ اگر حاصل نہیں ہے تو ان کے علم پر علم غیب کا اطلاق کیوں کیا گیا؟ اور اگر حاصل ہے تو علمائے دیوبند کو کروڑوں خداؤں کی

بندگی مبارک ہو۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ حفظ الایمان اور فیصلہ کن مناظرہ میں یہ فقرہ جو کہا گیا ہے "کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ضرور ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے"۔ اس کے متعلق واضح الفاظ میں بتایا جائے کہ یہ کس دعوے کی دلیل ہے۔ اگر یہ دلیل اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے کہ ہر شخص کو علم غیب حاصل ہے تو سن لیا جائے کہ یہ دلیل اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ تسلیم نہ کر لیا جائے کہ علم غیب ان باتوں کے علم کو کہتے ہیں جو کسی سے مخفی ہو۔

لہٰذا اب اپنی ہی تحریرات کی روشنی میں صاف صاف لفظوں میں جواب دیا جائے کہ بریلوی فتنہ کے مصنف نے علم غیب کی جو تعریف یہاں کی ہے وہ صحیح ہے؟ یا جو تعریف حفظ الایمان اور فیصلہ کن مناظرہ میں بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہے؟

نیز یہ بھی بتایا جائے کہ دونوں تعریفوں کا ماخذ کیا ہے اور دونوں تعریفوں میں نتائج کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟

آخری ضرب

اب اخیر میں تھانوی صاحب کا کھلا بیان پڑھئے جس سے علم غیب کے سلسلہ میں بریلوی فتنہ کے مصنفین کی بنیاد ہی بالکل منہدم ہو جاتی ہے اور یہ دعوی آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ بعطائے خداوندی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا قطعاً کفر و شرک نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ خدا کے عطا کردہ علم پر بھی "علم غیب" کا اطلاق صحیح ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

> ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا قائل ہے وہ تو کافر ہے اور جو علم بواسطہ کا قائل ہو یعنی خدا کی عطا کے واسطہ کا وہ کافر نہیں۔

(افاضات یومیہ جلد ۸ حصہ اول ص ۲۰)

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے علم غیب کی بحث سے متعلق اپنی کتاب میں زلزلہ کے الزامات کا جواب دیا ہے اس کی بنیاد دو مقدمے پر تھی۔

پہلا مقدمہ تو یہ تھا کہ دیوبندی اکابر نے اپنی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علم غیب کے مذہبی عقیدے کو جو کفرو شرک قرار دیا ہے وہ قرآن اور اسلام کے عین مطابق ہے۔ کیوں کہ قرآن کی زبان اور دین کی اصطلاح میں علم غیب اسی علم کو کہتے ہیں جو بغیر کسی کے بتلائے کسی ہستی کو خود اپنے اختیار سے حاصل ہو اور یہ شان صرف خدا کی ہے اور اسی کے ساتھ خاص ہے۔

لیکن خود تھانوی صاحب' مولوی مرتضیٰ حسن اور مولوی منظور نعمانی کی تحریروں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ بریلوی فتنہ کے مصنفین نے علم غیب کی جو تعریف کی ہے وہ قطعاً" غلط ہے۔ صحیح تعریف یہ ہے کہ علم غیب ان باتوں کے علم کو کہتے ہیں جو دوسرے سے مخفی ہو۔ نیز ان کی تحریروں سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ علم غیب کچھ خدا کے ساتھ خاص نہیں بلکہ نبی اور غیر نبی بلکہ ہر جاندار مخلوق کو بھی علم غیب حاصل ہے۔

اب ان تمام مباحث کی روشنی میں قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ دیوبندی علماء پر یہ الزام عائد ہوتا ہے یا نہیں کہ جو علم غیب ان کے عقیدے میں بچوں' پاگلوں' اور جانوروں تک کو حاصل ہے اسے رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شرک قرار دے کر انہوں نے دین و دیانت کا نہایت بے دردی کے ساتھ خون کیا ہے۔

بحث کا ایک اور رخ

الزامات کے جوابات کی بنیاد جن دو مقدموں پر تھی ان میں سے پہلا مقدمہ ٹوٹ کر بالکل مسمار ہو گیا۔ **فالحمد للہ تعالیٰ و جل مجدہ۔** لیکن مزید وضاحت کے لئے اس بحث کا ایک نئے رخ سے اور جائزہ لیجئے۔ مسئلہ علم غیب پر بحث کرتے

ہوئے بریلوی فتنہ کے مصنفین تحریر فرماتے ہیں:۔

> چوتھی صورت مسئلہ علم غیب کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالی کے برابر جمیع غیوب کا علم محیط تفصیلی تو نہ مانا جائے لیکن ابتدائے آفرینش عالم سے لے کر قیامت تک یا محشر کے حساب وکتاب اور خلہ جنت و نار تک جمیع اشیاء یعنی تمام کائنات حاضرہ و غائبہ کی ایک ایک جزئی کے علم محیط تفصیلی کا عقیدہ رکھا جائے۔ (بریلوی فتنہ ص ۹۳)

اب اپنے ہی ہاتھوں اپنے مسلک پر ایک کاری ضرب لگاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> یہ عقیدہ ہمارے نزدیک شرک یا کفر تو نہیں ہے لیکن قرآن و حدیث کے بیسیوں بلکہ پچاسوں واضح نصوص کے خلاف ایک سخت گمراہانا عقیدہ ہے۔ بریلوی فتنہ ص ۹۴)

یہ ایک الگ بحث ہے کہ یہ عقیدہ قرآن و حدیث کے نصوص کے خلاف ہے یا قرآن حدیث کے نصوص کے عین مطابق ہے۔ لیکن اتنی بات تو واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا یہ عقیدہ دیوبندی حضرات کے نزدیک بھی شرک اور کفر نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آغاز تخلیق عالم سے لے کر دخول جنت و نار تک جمیع اشیاء یعنی تمام کائنات موجودہ اور آئندہ کی ایک ایک بات کا تفصیلی علم اللہ کا سا علم نہیں ہے ورنہ اس عقیدے پر شرک اور کفر کا حکم ضرور لگایا جاتا۔

اب میں اپنے قارئین سے التماس کروں گا کہ ایک طرف علمائے دیوبند کا یہ مسلک نظر میں رکھئے کہ ان حضرات کے نزدیک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابتدائے آفرینش یعنی تخلیق کائنات نقطۂ آغاز سے لے کر قیامت تک جو ہو چکا جو ہو رہا ہے اور جو آئندہ ہو گا ساری کائنات کے ایک ایک ذرے' ایک ایک قطرے اور ایک ایک واقعے کے تفصیلی علم کا عقیدہ شرک اور کفر نہیں ہے اور دوسری طرف بریلوی فتنہ کے مصنفین کی پیش کردہ تقویۃ الایمان کی یہ عبارت

پڑھئے:۔

> سو جو کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور و نزدیک سے پکارا کرے اور بلا کے مقابلے میں اس کی دہائی دیوے اور دشمن پر اس کا نام لے کر حملہ کرے اور اس کے نام کا ختم پڑھے یا شغل کرے یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ میں جب اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جو مجھ پر احوال گذرتے ہیں جیسے بیماری و تندرستی و کشائش و تنگی' مرنا و جینا' غم و خوشی سب کی ہر وقت اسے خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گذرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں شرک ہیں اس کو اشراک فی العلم کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا سو اس عقیدے سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے خواہ یہ عقیدہ انبیاء و اولیاء سے رکھے خواہ پیر و شہید سے خواہ امام و امام زادہ سے خواہ بھوت و پری سے پھر یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی قدرت سے ہے خواہ اللہ کے دئے سے۔ غرض اس عقیدہ سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۱' بریلوی فتنہ ص ۶۷)

اس عبارت پر کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے یہ سوال حل طلب ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک ساری کائنات کے علم تفصیلی میں یہ ساری باتیں جن کا تذکرہ صاحب تقویۃ الایمان نے اپنی اس عبارت میں کیا ہے' داخل ہیں یا نہیں؟ اگر داخل ہیں اور بلاشبہ داخل ہیں تو بریلوی فتنہ کے مصنفین اس الزام کا جواب دیں

کہ جو عقیدہ آپ حضرات کے نزدیک کفرو شرک نہیں ہے اس عقیدے کو صاحب تقویتہ الایمان نے کفرو شرک قرار دے کر کھلے بندوں ایمان و اسلام کا خون کیا ہے یا نہیں؟

ممکن ہے آپ جواب دیں کہ صاحب تقویتہ الایمان نے "اللہ کا سا علم" دوسرے کے لئے ماننے کو شرک کہا ہے اور یہ بلا شبہ سب کے نزدیک شرک ہے۔ میں عرض کروں گا کہ عقیدہ علم غیب کی چوتھی صورت میں جس علم کو آپ حضرات، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ممکن تسلیم کر چکے ہیں اسے اللہ کا سا علم قرار دینا صاحب تقویتہ الایمان کے خلاف نہایت سنگین الزام ہے۔ کیونکہ جو علم مخلوق کے لئے ممکن ہو گا وہ اللہ کا سا علم ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اور سب سے بڑا ظلم تو یہ ہے کہ اللہ کے علم کے بارے میں آپ حضرات اپنی اسی کتاب میں کئی جگہ لکھ چکے ہیں کہ وہ کسی کا دیا ہوا ہو نہیں ہے بلکہ خدا کو ذاتی طور پر خود اپنے اختیار سے حاصل ہے۔ لیکن صاحب تقویتہ الایمان نے شرک کا حکم خدا کے دیئے ہوئے علم پر بھی عائد کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں صاحب تقویتہ الایمان یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک اللہ کا دیا ہوا علم بھی اللہ کا سا علم ہی۔

اب آپ ہی حضرات انصاف کریں کہ ایسا عقیدہ رکھنا خدا کی جناب میں کھلی ہوئی گستاخی ہے یا نہیں؟

ایک مغالطہ کا جواب

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے تقویتہ الایمان کی مندرجہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد ہم سے سوال کیا ہے کہ:۔

> تقویتہ الایمان کی اس عبارت کو غور سے پڑھئے اور اس کے جس فقرہ پر ہم نے خط دے دیا ہے (یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے) اس کو خاص طور سے نظر کے سامنے رکھئے اور پھر بتلائے کہ اس میں

> جس عقیدہ کو شرک اور اس کے رکھنے والے کو مشرک بتلایا گیا ہے' کیا قرآن پر ایمان لانے والا اور اس کی دعوت توحید کو قبول کرنے والا کوئی آدمی اس سے اختلاف کر سکتا ہے۔ کیا اللہ کا سا علم کسی مخلوق کو ثابت کرنا شرک نہیں؟ (بریلوی فتنہ ص ۶۷)

ضرور شرک ہے۔ لیکن یہ اختیار آپ حضرات کو کس نے دیا کہ جس چیز کا جو نام چاہیں اپنی مرضی سے رکھ دیں۔ جیسا کہ چند باتیں بیان کرنے کے بعد صاحب تقویتہ الایمان نے اپنی طبیعت سے اس کا نام اشراک فی العلم رکھ دیا اور یعنی کے بعد اس کا ترجمہ کیا "اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا"۔ اور مزید غضب یہ ڈھایا کہ خدا کے عطا کردہ علم کو بھی انہوں نے اللہ کا سا علم قرار دے دیا۔

کیا قرآن پر ایمان لانے والا اور اس کی دعوت توحید کو قبول کرنے والا کوئی آدمی اس عقیدے سے اتفاق کر سکتا ہے؟ کیا عطائی علم کو اللہ کا سا علم قرار دینا عقیدہ توحید کے خلاف ایک بدترین قسم کی سازش نہیں ہے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دل کے چھپے ہوئے نفاق کی پردہ دری کا ذرا یہ عبرت انگیز تماشا دیکھئے کہ تقویتہ الایمان کی اس پوری عبارت میں کہیں بھی علم غیب کا لفظ نہیں ہے' جس سے یہ سمجھا جائے کہ عقیدہ علم غیب کی بنیاد پر صاحب تقویتہ الایمان نے ان چیزوں کے علم کو شرک قرار دیا ہے۔ اور جس علم کا بار بار ذکر کیا ہے اس کے متعلق بریلوی فتنہ کے مصنفین خود ہی اقرار کر چکے ہیں کہ اس طرح کا علم کسی مخلوق کے لئے ثابت کرنا کفرو شرک نہیں ہے۔

اب اس عبارت کی بنیاد کے سلسلے میں سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا کہ اس کا مدعا صرف انبیاء اولیاء کی حرمتوں کو گھائل کرنا ہے۔ ورنہ اس عبارت میں جن باتوں کے علم کو اللہ کا سا علم قرار دیا گیا ہے اگر وہ واقعۃً" اللہ کا سا علم ہے تو اب زلزلہ کے اس الزام سے گلو خلاصی ممکن نہیں ہے کہ ایک ہی بات جو دیوبندی مذہب میں -

انبیاء و اولیاء کے لئے کفر و شرک ہے وہی گھر کے بزرگوں کے حق میں دین و ایمان بن گئی ہے۔

مثال کے طور پر تقویتہ الایمان کی مذکورہ بالا عبارت میں جن باتوں کے عقیدے کو غیر خدا کے لئے شرک قرار دیا گیا ہے ان میں ایک بات یہ بھی ہے:۔

"اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جو خیال و وہم میرے دل میں گذرتا ہے وہ سب سے واقف ہے"۔

اب اسی کے ساتھ ذرا دیوبندی خانوادے کے ایک بزرگ شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے متعلق تھانوی صاحب کا یہ عقیدہ ملاحظہ فرمائیے:۔

> مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کا قلب بڑا ہی نورانی تھا۔ میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں۔ (ارواح ثلاثہ ص ۴۰۱)

کہئے! یہ اللہ کا سا علم ہے یا نہیں! جو ایک مخلوق کے لئے ثابت کیا جا رہا ہے وہی عقیدہ جو تقویتہ الایمان میں شرک تھا' یہاں ایمان کے لباس میں ہے۔

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الرشید" میں اسی طرح کا عقیدہ ایک طالب علم کی زبانی مولوی رشید احمد گنگوہی کے بارے میں بھی نقل کیا ہے کہ:۔

> حضرت کے سامنے جاتے مجھے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قلب کے وساس (وسوسے) اختیار میں نہیں اور حضرت ان پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۲۷)

کہئے! یہ بھی اللہ کا سا علم ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ان دونوں عبارتوں میں اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے وقتی طور پر الہام کا سہارا لے کر جان چھڑائی جائے' کیونکہ تذکرہ اس نورانی قلب کا ہے جو ہروقت آئینہ کی طرح خود روشن رہا کرتا تھا۔ ورنہ پاس بیٹھنے اور سامنے جانے سے ہروقت خوف کے کیا معنی ہیں۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ہمہ وقتی آگہی کی قوت ان کے اندر موجود تھی اور دیوبندی مذہب میں اسی کو اشراک فی العلم کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت

کرتا۔

بحث کا خلاصہ

گزشتہ مباحث کی روشنی میں تین باتیں اچھی طرح واضح ہو گئیں۔

پہلی بات تو یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک جو ہو چکا جو ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے ساری کائنات کے ایک ایک ذرہ ایک ایک قطرہ اور ایک ایک واقعہ کا تفصیلی علم اللہ کا سا علم نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تخلیق عالم کے نقطۂ آغاز سے لے کر قیامت بلکہ دخول جنت و نار تک ساری کائنات گزشتہ' موجودہ اور آئندہ کے ایک ایک ذرہ ایک ایک قطرہ اور ایک ایک واقعہ کے تفصیلی علم کا عقیدہ دیوبندی علماء کے نزدیک بھی شرک اور کفر نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ تقویتہ الایمان میں خدا کا سا علم کہہ کر جن باتوں کے علم عطائی کو شرک قرار دیا گیا ہے وہ دیوبندی حضرات کے نزدیک بھی قطعاً" غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

خیانت کے الزامات کا جواب

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے علم غیب کی بحث میں مصنف زلزلہ پر خیانت کے دو الزامات عائد کئے ہیں۔

پہلا الزام انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

> ہم نے تقویتہ الایمان کا جو طویل اقتباس ص ۱۱ سے ابھی اوپر نقل کیا ہے' ارشد القادری صاحب نے بھی زلزلہ ص ۵ پر اس کا کافی حصہ درج کیا ہے لیکن خیانت یہ کی ہے کہ جس فقرہ پر ہم نے خط دیا ہے (یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے) اس کو درمیان سے بالکل

> حذف کر دیا ہے اور اس کی جگہ نقطے لگا دیئے ہیں۔ حالانکہ اسی فقرے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شاہ شہید نے کسی مخلوق کے لئے اللہ کا سا علم ثابت کرنے کو شرک کہا ہے اور کسی ایمان والے کو اس سے اختلاف کی جرات نہیں ہو سکتی۔ (بریلوی فتنہ ص ۶۸)

اس الزام کا ایک جواب تو گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ تقویتہ الایمان کی عبادت میں جس فقرے کو حذف کیا گیا ہے وہ سرے سے بحث کا کوئی حصہ ہی نہیں ہے جس کے حذف کر دینے سے عبارت کا مفہوم مسخ ہو جاتا ہو بلکہ اس فقرے کے ذریعہ تقویتہ الایمان کے مصنف نے صرف اتنا بتایا ہے کہ جو باتیں اوپر بیان کی گئی ہیں' انہیں اشراک فی العلم کہتے ہیں یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے۔ یعنی کے بعد اسی اشراک فی العلم کا اردو ترجمہ ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

بریلوی فتنہ کے مصنفین میں ذرا بھی فکری بصیرت ہوتی تو انہیں اپنا گریبان چاک کرنے کے بجائے سوچنا چاہیے تھا کہ اعتراض کا اصل منشا عبارت کا مضمون ہے۔ اس کا نام نہیں ہے۔ اس لئے نام والا حصہ حذف ہو جانے کے بعد بھی عبارت کا مفہوم اپنی جگہ پر ہے۔

اور اگر بصیرت نہیں تھی تو بصارت ہی سے کام لیتے اور غور سے دیکھتے کہ زلزلہ میں تقویتہ الایمان کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں شرک کا لفظ نقل ہوا ہے یا نہیں؟ اگر نقل ہوا ہے تو جو معنی اشراک فی العلم کے لفظ سے پیدا ہوتے ہیں' وہی معنی تو شرک کے لفظ سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ کسی مخلوق میں خدا کی سی صفت ثابت کرنے کا نام ہی تو شرک ہے اگر وہ خدا کی سی نہ ہو تو اسے شرک ہی کیوں کہا جائے گا اور چونکہ شرک کا لفظ نقل کردہ عبارت میں موجود ہے۔ اس لئے حذف فقرے کے بغیر بھی خدا کا سا علم ثابت کرنے کا مفہوم مسخ نہیں ہوا۔

اب اتنی وضاحت کے بعد مصنف "زلزلہ" پر زیادہ سے زیادہ کوئی الزام اگر

عائد ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ انہوں نے ایک ایسے حصے کو حذف کر دیا جو عبارت میں مکرر تھا اور اسے خیانت اور چوری اس لئے نہیں کہہ سکتے کو حذف شدہ حصے کو نقطوں کی علامت سے واضح کر دیا گیا تھا۔

ان ساری تفصیلات کے بعد بھی اگر بریلوی فتنہ کے مصنفین کو اصرار ہے کہ نام والے حصے کے بغیر پوری عبارت کا مفہوم مسخ ہو گیا ہے تو میں عرض کروں گا کہ وہ اپنی نادانی سے صاحب تقویتہ الایمان پر یہ سنگین الزام عائد کر رہے ہیں کہ اس عبارت میں جن عقیدوں کو انہوں نے شرک قرار دیا ہے وہ حقیقت میں شرک نہیں تھے بلکہ اشراک فی العلم کے نام سے موسوم ہونے کے بعد ہی اچانک وہ شرک ہو گئے۔ اگر امر واقعہ یہی ہے تو خون ناحق کا اقرار مبارک ہو۔ ہم نے بھی تو زلزلہ میں یہی کہا تھا کہ اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام سے تعبیر کرنا دیوبندی مذہب کا سب سے بڑا ہنر ہے۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

پہلے الزام کا جواب مکمل ہو جانے کے بعد اب دوسرے الزام کی تفصیل انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔ بریلوی فتنہ کے مصنف بھرپور عالم غیظ میں تحریر فرماتے ہیں:

> "زلزلہ" کے مصنف نے اسی مسئلہ علم غیب سے متعلق تقویتہ الایمان کی عبارتوں کے بعد فتاوی رشیدیہ کی چند عبارتیں نقل کی ہیں پہلے نمبر پر یہ عبارت ہے۔
>
> جو شخص اللہ جل شانہ' کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے ـــــ وہ بے شک کافر ہے۔ اس کی امامت اس سے میل جول محبت و مودت سب حرام ہے۔
>
> (فتاوی رشید ص ۲۹ زلزلہ ص ۱۰)
>
> یہاں بھی اس ظالم نے صریح مجرمانہ خیانت کی ہے۔ ایک فقرہ جس سے مسئلہ کی پوری وضاحت ہوتی تھی اس کو درمیان سے

> حذف کر دیا' اور اس کی جگہ نقطے لگا دیے۔ فتویٰ رشیدیہ میں اس فتوے کی پوری عبارت اس طرح ہے:۔
> جو شخص اللہ جل شانہ' کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے اور اللہ تعالیٰ کے برابر کسی دوسرے کا علم جانے وہ بے شک کافر ہے۔ الخ (بریلوی فتنہ ص ۷۰)

بات کہہ کر بھول جانا جھوٹے کی علامت بتایا گیا ہے۔ اسی کتاب کے آغاز میں بریلوی فتنہ کے مصنفین نے لکھا ہے کہ گنگوہی صاحب نے کسی مخلوق کے لیے جس علم غیب کے ثابت کرنے کو شرک کہا ہے وہ' وہ علم غیب ہے جسے قرآن میں علم غیب کہا گیا ہے۔ اور قرآن میں علم غیب اسی علم کو کہا گیا ہے جو کسی کے بتلائے بغیر کسی ہستی کو خود اپنے اختیار سے حاصل ہو اور یہ بے شک اللہ تعالیٰ کی صفت اور شان ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ (بریلوی فتنہ)

اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص کسی مخلوق کے لیے علم غیب ثابت کرتا ہے وہ گنگوہی صاحب کے نزدیک اسے خدا کا شریک ٹھہراتا ہے اور اس بنیاد پر وہ قطعا" کافر و مشرک ہے۔ لیکن اب یہاں گنگوہی صاحب کے مسلک کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ انہوں نے اس بنیاد پر اسے کافر نہیں کہا ہے کہ اس نے مخلوق کے لیے علم غیب ثابت کیا ہے بلکہ اس بنیاد پر وہ کافر ہے کہ اس نے مخلوق کا علم خدا کے برابر کر دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بریلوی فتنہ کے مصنفین ذرا بھی غور و فکر سے کام لیتے ہیں تو وہ یہ نکتہ سمجھ لیتے کہ "کسی مخلوق کے لیے علم غیب ثابت کرنا اور مخلوق کا علم خدا کے برابر ٹھہرانا' گنگوہی صاحب کے مسلک پر ان دونوں باتوں میں قطعا" کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک کسی مخلوق کے لیے علم غیب ثابت کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ خدا کی طرح اس کا علم بھی بغیر کسی کے بتلائے اپنے اختیار سے حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی خدا کے ساتھ برابری کا دعویٰ ہوا"۔

چنانچہ خود بریلوی فتنہ کے مصنفین نے "زلزلہ" کے حوالے سے فتاویٰ رشیدیہ

کی جو عبارتیں نقل کی ہیں۔ اس سے بھی گنگوہی صاحب کا یہ مسلک اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے نزدیک کسی مخلوق کے لیے صرف علم غیب ثابت کرنے والا بھی اسی طرح کافر و مشرک ہے جس طرح برابری کا دعویٰ کرنے والا۔ وہ عبارتیں یہ ہیں:

☆ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو علم غیب تھا' صریح شرک ہے۔

☆ اثبات علم غیب غیر حق تعالیٰ کو صریح شرک ہے۔

☆ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا معتقد ہے وہ سادات حنفیہ کے نزدیک قطعاً" کافر و مشرک ہے۔

بریلوی فتنہ کے مصنفین میں ذرا بھی علمی غیرت ہو تو وہ انگلی رکھ کر بتائیں کہ فتاویٰ رشیدیہ کی مذکورہ بالا عبارتوں میں کفر و شرک کا حکم جس عقیدے پر لگایا گیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے برابر علم ثابت کرنے کا ذکر کہاں ہے؟ بلکہ یہاں کفر و شرک کا جو حکم بھی ہے جو تنہا علم غیب کے عقیدے پر ہے۔

دلائل کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ ان کے نزدیک یہ دونوں عقیدے ایک ساتھ بھی کفر ہیں اور الگ الگ بھی۔ اس لیے ایک کا ذکر دوسرے کے بغیر اگر کر بھی دیا گیا تو اس سے ان کے مسلک پر قطعاً" کوئی اثر نہیں پڑتا کہ ان میں سے کسی عقیدے کا کفر کسی دوسرے پر موقوف نہیں ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ "زلزلہ" میں ان کی عبارت کا صرف ایک ہی حصہ کیوں نقل کیا گیا تو چونکہ "تصویر کے پہلے رخ" کا موضوع بحث دیوبندی مذہب کے وہ عقائد ہیں جن میں ہمارا ان کا اختلاف ہے۔ اس لئے عبارت کا جتنا حصہ موضوع بحث کے مناسب تھا اسے نقل کر دیا گیا۔ "کسی مخلوق کے لئے اللہ کے برابر علم ثابت کرنا" چونکہ ہمارے نزدیک بھی کفر ہے اور ان کے نزدیک بھی' اس لئے ان کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ البتہ انبیاء کے حق میں علم غیب کا عقیدہ ہمارے نزدیک کفر نہیں لیکن ان کے نزدیک کفر ہے اس لئے اختلاف کو واضح کرنے کے لئے اس کا ذکر ضروری تھا۔ خیانت کی بات تو جب ہوتی کہ ان کی عبارت کے کسی ایسے حصے کو

حذف کر دیا جاتا جس سے ان کا مسلک مجروح ہو جاتا یا عبارت کا مفہوم مسخ ہو جاتا ہے۔

اتنی وضاحت کے بعد مجھے امید ہے کہ آئندہ دیوبندی مصنفین کسی کے خلاف خیانت کا الزام عائد کرنے میں احتیاط سے کام لیں گے۔ اور خیانت و ضرورت کے درمیان جو جوہری فرق ہے اسے دیانت داری کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

جواب کی دوسری بنیاد

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ "زلزلہ" کے الزامات کے جواب کی ایک بنیاد ٹوٹ کر بالکل مسمار ہو گئی۔ اب جواب کی دوسری بنیاد پر بحث کا آغاز کرتا ہوں۔ جواب کی دوسری بنیاد جو دیوبندی مصنفین نے قائم کی ہے وہ یہ ہے کہ چھپی ہوئی باتوں کے علم سے متعلق دیوبندی بزرگوں کے جو واقعات ان کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں ان کا تعلق کشف سے ہے علم غیب سے نہیں ہے اور دیوبندی اکابر نے کسی مخلوق کے حق میں علم غیب کا انکار کیا ہے۔ کشف کا انکار نہیں کیا ہے کیونکہ کشف اور علم غیب دونوں کے درمیان فرق ہے"۔

دیوبندی مصنفین کا یہ دعویٰ کہ کشف اور علم غیب کے درمیان فرق ہے۔ اس لیے کشف پر علم غیب کا حکم نہیں لگایا جا سکتا قطعاً" جھوٹا اور غلط دعویٰ ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اس دعوے کا جھوٹ فاش کرنے کے لیے ہمیں کسی اور جگہ دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ دیوبند کا لٹریچر ہی اس جھوٹ کی پردہ دری کے لیے کافی ہے۔ خود دیوبندی اکابر نے کشف اور علم غیب کے مفہوم میں یکسانیت پیدا کر کے دونوں کے درمیان فرق کے دعوے کو خاک میں ملا دیا ہے۔

پہلا ثبوت

چنانچہ حفظ الایمان اور فیصلہ کن مناظرہ میں تھانوی صاحب اور نعمانی صاحب کے قلم سے علم غیب کی یہ تعریف پچھلے اوراق میں کہیں گذر چکی ہے کہ علم غیب ان

باتوں کے علم کو کہتے ہیں جو دوسروں سے مخفی ہو۔ اب اگر یہی تعریف کشف کی بھی ہو تو لازماً تسلیم کرنا ہو گا کہ دونوں کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اب علم غیب کی یہ تعریف نظر میں رکھتے ہوئے کشف کے متعلق مبشرات دارالعلوم نامی کتاب کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے:۔

> بعض کامل الایمان بزرگوں کو جن کی عمر کا بیشتر حصہ تزکیہ نفس اور روحانی تربیت میں گذرتا ہے۔ باطنی اور روحانی حیثیت سے ان کو من جانب اللہ ایسا "ملکئہ راسخہ" حاصل ہوتا ہے کہ خواب یا بیداری میں ان پروہ امور خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ (مبشرات ص ۱۲)

جس ملکئہ راسخہ کے ذریعہ دیوبند کے کامل الایمان بزرگوں کو چھپی ہوئی باتوں کا انکشاف ہوا کرتا ہے اس کے متعلق صاف صاف بتایا جائے کہ اسے کشف کہا جائے گا یا علم غیب؟ اگر علم غیب کہا جائے گا تو بغیر کسی تکلیف کے یہ دعویٰ ثابت ہو گیا کہ دیوبندی اپنے بزرگوں کے حق میں صریح طور پر علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

اور اگر اس کا نام کشف رکھا جائے تو کشف کی یہاں جو تعریف بیان کی گئی ہے وہ بالکل وہی ہے جو حفظ الایمان اور فیصلہ کن مناظرہ میں دیوبندی اکابر نے علم غیب کی تعریف میں بیان کی ہے۔ جب دونوں کی تعریف ایک ہی ہے تو لامحالہ دونوں ایک ہوئے اور کشف پر علم غیب کا اطلاق لازماً درست اور صحیح ہوا۔

دوسرا ثبوت

اور سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ یہی مولوی منظور نعمانی جو بریلوی فتنہ کے در پردہ مصنف ہیں' اس دعوے کے ثبوت میں کہ جانوروں کو بھی علم غیب حاصل ہوتا ہے' اپنی کتاب فیصلہ کن مناظرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ پہلے مضمون کی سرخی ملاحظہ فرمایئے اس کے بعد اصل مضمون پڑھئے۔

خاں صاحب کے نزدیک گدھے کو بعض غیوب کا علم

اس عنوان کے تحت موصوف نے الملفوظ کے حوالے سے ایک صاحب کشف گدھے کا واقعہ نقل کیا ہے جس کے راوی کوئی بزرگ ہیں' وہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

> ہم مصر گئے تھے۔ وہاں ایک جگہ جلسہ بڑا بھاری تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص ہے اس کے پاس گدھا ہے۔ اس کی آنکھوں پر ایک پٹی بندھی ہوئی ہے۔ ایک چیز ایک شخص کی دوسرے کے پاس رکھ دی جاتی ہے۔ اس گدھے سے پوچھا جاتا ہے۔ گدھا ساری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے سامنے ہوتی ہے سامنے جا کر سر ٹیک دیتا ہے۔ (فیصلہ کن مناظرہ ص ۱۵۱)

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

> خاں صاحب کے اس ملفوظ سے معلوم ہوا کہ موصوف کے نزدیک اس گدھے کو بھی بعض مخفی باتوں کا کشف ہوتا تھا۔ وہذا ہو مقصود۔ (فیصلہ کن مناظرہ ص ۱۵۱)

دیکھ رہے ہیں آپ! سارے قصے میں کہیں بھی علم غیب کا ذکر نہیں ہے۔ صرف کشف کا تذکرہ ہے۔ لیکن اسی کشف کو علم غیب سے تعبیر کر کے نعمانی صاحب نے یہ سرخی قائم کی ہے کہ "خاں صاحب کے نزدیک گدھے کو بعض غیوب کا علم"۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

فرمایئے! جب خود "پیر مغاں" ہی کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ کشف اور علم غیب میں کوئی فرق نہیں ہے تو اب بریلوی فتنہ کے مصنفین کے لئے سر چھپانے کی جگہ کہاں ہے؟

تیسرا ثبوت

لیکن جھوٹوں کو آخری ٹھکانے تک پہنچانے کے لئے اب اس سے بھی زیادہ ایک مضبوط دستاویز ملاحظہ فرمایئے:۔

شاہ اسماعیل دہلوی' دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویتہ الایمان میں تحریر

فرماتے ہیں:۔

> جو کوئی غیب کی بات بتانے کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے پاس جو کوئی جا کر کچھ پوچھے تو اس کی عبادت چالیس دن تک قبول نہیں ہوتی۔ کیوں کہ اس نے شرک کی بات کی اور شرک سب عبادتوں کا نور کھو دیتا ہے۔ اور نجومی اور رمال اور جفار اور فال دیکھنے والے اور نامہ نکالنے والے اور کشف اور استخارہ کا دعویٰ کرنے والے اسی میں داخل ہیں۔ (تقویتہ الایمان ص ۵۳)

کشف کا تعلق علم غیب سے نہیں ہے تو کشف کے مدعی کو مدعیان علم غیب کے زمرے میں کیوں شامل کیا گیا۔

یہ الزام تو اپنی جگہ پر ہے لیکن سب سے مشکل مرحلہ اب یہ آگیا کہ صاحب تقویتہ الایمان نے کشف کے دعوے کو شرک قرار دے کر بحث کی ساری بساط ہی الٹ دی۔ اب دیوبندی مصنفین کے استدلال کا یہ سارا منصوبہ ہی خاک میں مل گیا کہ چھپی ہوئی باتوں کے علم سے متعلق دیوبندی بزرگوں کے جو واقعات کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں ان کا تعلق کشف سے ہے علم غیب سے نہیں ہے۔ جب کہ صاحب تقویتہ الایمان نے علم غیب کے دعوے کی طرح کشف کے دعوے کو بھی شرک قرار دے دیا۔ خود اپنے حق میں کشف کا دعویٰ کرے یا کسی دوسرے کے حق میں کشف کا دعویٰ کیا جائے نتائج کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اب یہ نیا الزام علمائے دیوبند ہی کو اٹھانا ہے کہ اپنے اکابر کے حق میں کشف کا دعویٰ کر کے وہ ایک نئے شرک کی زد سے اپنے آپ کو کیونکر بچا سکیں گے۔

اسے کہتے ہیں قہرالٰہی کا انتقام کہ جھوٹ کی پردہ دری کے لئے بریلی سے کسی کو نہیں بلانا پڑا۔ دیوبند ہی کے بیگاروں سے کام نکل گیا۔

ایک طنز کا جواب

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے زلزلہ کے مصنف کے خلاف "جہالت و نافہمی یا

شیطنت" جیسی سرخیوں کے ساتھ اپنی ٹکسالی زبان میں کہیں کہیں گوہر افشانی بھی فرمائی ہے جس کا مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی مادری زبان میں گفتگو کا پیدائشی حق رکھتا ہے۔ اسی کشف اور علم غیب کی بحث میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

> ہم ارشد صاحب سے واقف نہیں ہیں اور نہیں جانتے کہ ان کا مبلغ علم کیا ہے۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۱۰)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> ارشد صاحب کو ہم اتنا انجان اور ناواقف نہیں سمجھتے کہ وہ کشف اور علم غیب کے فرق کو نہ جانتے ہوں اس لئے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ ان کا دانستہ فریب ہے اور روشن چراغ ہاتھ میں لے کر چوری کے کمال کا مظاہرہ۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۳۲)

ایک جگہ ارشد صاحب سے واقف نہیں ہیں اور دوسری جگہ اتنا واقف ہیں کہ انہیں ناواقف نہیں سمجھتے۔ ایک ہی شخص کے بارے میں بیان کا یہ تضاد کس بیمار ذہن کی پردہ دری کر رہا ہے۔ یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ عیاں راچہ بیاں!

لیکن اب تو بریلوی فتنہ کے مصنفین نے اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ ارشد صاحب نے روشن چراغ ہاتھ میں لے کر چوری نہیں کی ہے بلکہ چراغ جلا کر علم و دیانت کی چوری پکڑی ہے۔

اب بحث کے آخری مرحلے میں بریلوی فتنہ کے مصنفین کو بس اتنی زحمت دینا چاہتا ہوں کہ کشف اور علم غیب کے درمیان فرق نہ کرنے پر ارشد صاحب کو انہوں نے جتنی "دعائیں" دی ہیں، وہ ساری "دعائیں" اب شاہ اسمٰعیل دہلوی، مولوی منظور نعمانی اور دیگر علمائے دیوبند کے نام منتقل کر دیں جنہوں نے کشف کو علم غیب کے زمرے میں شمار کر کے چوری بھی کی ہے اور سینہ زوری بھی۔

بحث کا دوسرا رخ

توفیق الٰہی کی برکتوں سے علم غیب اور کشف کی بحث کے بہت سے تاریک

گوشے حقیقت کے اجالے میں آگئے اور آپ نے واضح طور پر دیکھ لیا کہ بریلوی فتنہ کے مصنفین نے زلزلہ کے الزامات کے زد سے بچ نکلنے کی جتنی کوشش کی اتنا ہی وہ نئے نئے الزام کے بوجھ تلے دبتے چلے گئے۔ اب کشف اور غیبی علم و ادراک کے سلسلے میں ایک معرکۃ الارا سوال اور زیر بحث لا رہا ہوں تاکہ زلزلہ میں دیوبندی حضرات کے اعتقاد و عمل کے درمیان تضاد کا جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ آفتاب نیم روز کی طرح آشکار ہو جائے۔

بریلوی فتنہ کے مصنفین انبیاء واولیاء کے بارے میں وحی اور کشف و الہام کے متعلق اپنا جماعتی عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔!

> یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ وحی یا کشف و الہام کے ذریعہ اس علم کا حاصل کرنا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جب چاہیں اپنے ارادہ اختیار سے اللہ تعالیٰ کی وحی یا اللہ تعالیٰ کا الہام اتار لیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے ارادہ اور فیصلے سے وحی یا الہام فرماتا ہے یا کسی حال کو منکشف فرماتا ہے۔ (بریلوی فتنہ ص ۹۵)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

> پس اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فلاں ولی کو علم غیب کی یہ صفت دے دی ہے جس کی وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ کی وحی اور کشف و الہام کے بغیر خود اپنے ارادہ سے غیب کا علم حاصل ہے یا ہو جاتا ہے اور وہ ان کے اپنے اختیار میں ہے تو بلاشبہ یہ عقیدہ ایسا ہی مشرکانہ ہے جیسا کہ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فلاں ولی کو الوہیت (خدائی) کا درجہ دے دیا ہے۔
> (بریلوی فتنہ ص ۲۰)

ان ساری عبارتوں کا مدعا یہ ہے کہ انبیاء واولیاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا

کہ خدا نے علم و ادراک کی کوئی ایسی مخفی قوت انہیں عطا کی ہے جس کے ذریعہ چھپی ہوئی باتیں خود بخود ان پر منکشف ہو جاتی ہیں تو یہ بالکل ایسا ہی مشرکانہ عقیدہ ہے۔ جیسے کسی بندے کو الوہیت (خدائی) کا درجہ دے دیا جائے۔

یہ رہا عقیدہ لیکن اب اس کے عین مخالف سمت میں عمل ملاحظہ فرمایئے۔۔۔
یہی وہ مقام ہے جہاں انبیاء واولیاء کے بارے میں دل کا چھپا ہوا نفاق بالکل برہنہ ہو جاتا ہے اور ایک انصاف پسند مورخ کو فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ مسلک کا خون کرنے میں روئے زمین پر دیوبندی فرقے کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اب ذیل میں لگاتار خون کے دھبے ملاحظہ فرمایئے:۔

پہلا خون

مولوی انوارالحسن ہاشمی مبلغ دارالعلوم دیوبند "مبشرات دارالعلوم" نامی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> بعض کامل الایمان بزرگوں کو جن کی عمر کا بیشتر حصہ تزکیہ نفس اور روحانی تربیت میں گذرتا ہے باطنی اور روحانی حیثیت سے ان کو من جانب اللہ ایسا ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے کہ خواب یا بیداری میں ان پر پردۂ امور "خود بخود" منکشف ہو جاتے ہیں جو دوسروں سے پوشیدہ ہیں۔ (مبشرات ص ۲۹)

وہاں تو یہ حد بندی تھی کہ اللہ جب چاہتا ہے اپنے ارادہ سے کسی حال یا کسی چیز کو منکشف کر دیتا ہے اور یہاں یہ مطلق العنانی ہے کہ خود بخود چھپی ہوئی چیزیں منکشف ہو رہی ہیں۔ اب ان دونوں صورتوں میں سوا اس کے اور کیا فرق بیان کیا جا سکتا ہے کہ وہاں انبیاء واولیاء کا معاملہ تھا یہاں گھر کے بزرگوں کا سوال ہے۔

وہاں جو عقیدہ "علم غیب کی صفت" کہہ کر شرک قرار دے دیا گیا تھا یہاں وہی عقیدہ "ملکہ راسخہ" کے نام سے حلق کے نیچے اتار لیا گیا۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ ملکہ راسخہ کے نام سے غیبی علم و ادراک کی جو

دائمی قوت اپنے گھر کے بزرگوں کے لئے تسلیم کی گئی ہے کیا یہ وہی قوت نہیں ہے جس کے بارے میں بریلوی فتنہ کے مصنفین نے لکھا ہے کہ کسی مخلوق کے اندر تسلیم کرنا خدائی کا منصب دے دینا ہے۔

یہی سوال میں نے "زلزلہ" میں کیا تھا جواب تک دیوبندی علما کے ذمہ قرض ہے کہ علم و انکشاف کا یہی ملکۂ راسخہ نبی یا ولی کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے انہیں شرک کا آزار کیوں ستانے لگتا ہے؟ "زلزلہ" کے جواب میں کئی کتابیں لکھی گئیں لیکن یہ سوال آج تک تشنہ جواب ہے۔

دوسرا خون

اسی طرح کے غیبی علم و ادراک کی ایک دائمی قوت مولوی رشید احمد گنگوہی کے حق میں بھی دیوبندی مصنفین بیان کرتے ہیں اور بیان کرنے کا ڈھنگ اتنا فنکارانہ ہے کہ براہ راست خود کہنے کے بجائے خواب کے ذریعہ سرکار غوث الوری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زبانی کہلوایا گیا ہے کہ:۔

> اس زمانے میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو حق تعالٰی نے "وہ علم" دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادہ سے واقف ہو جاتے ہیں۔
> (تذکرۃ الرشید ج ا ص ۳۱۶)

انصاف کیجئے! یہاں بھی دل کے ارادوں پر مطلع ہونے کا عقیدہ نہ الہام کے ساتھ مشروط ہے نہ خدا کی مشیت کے ساتھ مقید ہے بلکہ علم و ادارک کی وہی مخفی قوت جسے بریلوی فتنہ کے مصنفین نے "صفت غیب" کہہ کر خدا کے لئے مخصوص ٹھہرایا تھا، وہ کبھی "ملکۂ راسخہ" کے نام سے دیوبند کے کامل الایمان بزرگوں کے لئے ثابت کی گئی اور اب یہاں "وہ علم" کہہ کر گنگوہی صاحب کے حق میں ثابت کی جا رہی ہے۔

تیسرا خون

اسی طرح کے غیبی علم و ادراک کی ایک ہمہ وقتی قوت مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے عبداللہ خاں نامی ایک مسلم راجپوت کے لئے بھی ثابت کی ہے موصوف روایت کرتے ہیں کہ:۔

> ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہو گی یا لڑکا اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔
>
> (ارواح ثلاثہ ص ۱۲۳)

یہاں بھی اس بات کا علم کہ "ماں کے پیٹ میں کیا ہے" نہ الہام کے ساتھ مقید ہے اور نہ اللہ کی مشیت کے ساتھ مشروط! بلکہ غیبی علم و ادراک کی وہی قوت جسے بریلوی فتنہ کے مصنفین نے "صفت غیب" کہہ کر خدا کے ساتھ مخصوص ٹھہرایا تھا وہ کبھی "ملکہ راسخہ" کے نام سے دیوبند کے کامل الایمان بزرگوں کے لئے تسلیم کی گئی اور کبھی "وہ علم" کہہ کر گنگوہی صاحب کے حق میں ثابت ہوئی اور اب یہاں "حالت" کہہ کر عبداللہ خاں راجپوت کے لئے مانی جا رہی ہے۔

چوتھا خون

شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے متعلق ارواح ثلاثہ میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک بہت بڑے سرکش جن کو جلال و جبروت کی تجلی سے آن واحد میں سر کر لیا تھا۔

اب اس واقعہ پر تھانوی صاحب کا یہ حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

> کاملین میں ایک درجہ ہے ابوالوقت کہ وہ جس وقت تجلی کو چاہیں اپنے اوپر وارد کر لیں۔ کناسمعت مرشدی پس نجیب نہیں کہ

> حضرت شاہ صاحب نے اس وقت اپنے اوپر جبلو کی تجلی کو وارد کیا ہو اور اس کی مظہریت کی حیثیت سے اس کو توجہ سے دفع فرما دیا ہو۔ (ارواح ثلاثہ ص ۵۲)

تھانوی صاحب کے اس بیان سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ تجلی سے مراد خدا کی صفات ہیں۔ اور وارد کر لینے سے مراد ان صفات کا مظہر بن جانا ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد اب سوچئے کہ "ابوالوقت" کتنی لامحدود قوتوں کا مالک ہے اور یہ ساری قوتیں ہر وقت اس کے اختیار میں ہیں۔ جس طرح جبار کی تجلی اس نے اپنے اوپر وارد کر کے اپنے آپ کو جبار کی صفت کا مظہر بنالیا۔ اسی طرح بکل شی علیم اور علام الغیب کے تجلیات کو بھی اپنے اوپر وارد کر کے وہ جب چاہے علم الٰہی کا بھی مظہر اپنے آپ کو بنا سکتا ہے۔

اب بریلوی فتنہ کے مصنفین جواب دیں کہ ابوالوقت کے اندر یہ اختیاری قوت تسلیم کر کے کہ وہ جس وقت جس تجلی کو چاہے اپنے اوپر وارد کر سکتا ہے۔ کیا تھانوی صاحب نے اسے الوہیت کا منصب نہیں دے دیا ہے؟

پانچواں خون

تبلیغی نصاب میں مولوی زکریا صاحب نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

> حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہ' نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے۔ پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے

آپ پر درود بھیجا ہے۔ (تبلیغی نصاب فضائل درود جلد ۲ ص ۱۸)

خدا کی عطا سے کسی مخلوق میں غیبی علم و ادراک کی کوئی ہمہ وقتی قوت موجود ہونا اگر "الوہیت" ہے تو کیا بریلوی فتنہ کے مصنفین خدا کے بارے میں بھی یہ فتوے صادر کریں گے کہ اس نے معاذ اللہ ایک فرشتے کو "الوہیت" کے منصب پر فائز کر دیا ہے؟

چھٹا خون

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے دعوات عبدیت میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:۔

> کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ دعا کرائی کہ کل کی بات معلوم ہو جایا کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نصیحت کی کہ اس کو جانے دے۔ اس نے نصیحت نہ مانی اور اصرار کیا۔ انہوں نے دعا کر دی اور وہ قبول ہو گئی۔ (ص ۵۵)

"کل کیا ہو گا" اس کا علم بھی خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ ان پانچ غیوب میں سے ایک ہے جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا!

اس واقعہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ دعا کرنے والے نے کسی ایک آدھ چھپی ہوئی بات کے بارے میں دعا نہیں کرائی تھی کہ وہ اسے معلوم ہو جائے بلکہ اس کا سوال مستقبل کے بارے میں غیب دریافت کرنے والی ایک مستقل قوت ادراک کے لئے تھا۔ اگر غیب دریافت کرنے والی کوئی مستقل قوت مخلوق کے حق میں شرک تھی تو بریلوی فتنہ کے مصنفین اس سوال کا جواب دیں کہ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شرک کی تکمیل کے لئے دعا فرمائی تھی؟ اور پھر کیا دعا قبول کر کے خدا نے ایک بندے کو معاذ اللہ الوہیت کا منصب عطا کر دیا۔

مجھے امید ہے کہ اتنی واضح اور مدلل تعریضات کے بعد اب بریلوی فتنہ کے مصنفین یا تو اپنی غلطی تسلیم کرلیں گے یا پھر اپنے ان اکابر کے خلاف دوٹوک بے اعتمادی کا اعلان کریں گے جنہوں نے اپنے بزرگوں کے حق میں غیبی وعلم و ادراک کی ایک ہمہ وقتی اور مستقل قوت ثابت کر کے اس مسئلے کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے کہ ایسی قوت خدا اپنی مخلوق میں جسے چاہے عطا کر سکتا ہے!

کلمہ آخر

مسئلہ علم غیب پر جتنے بھی ضروری گوشے ہو سکتے تھے سب پر بعونہ تعالیٰ سیر حاصل بحث ہو گئی۔

اب رہ گئے فقہائے امت اور سلف صالحین کے وہ اقوال جنہیں بریلوی فتنہ کے مصنفین نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا کفر اور شرک ہے۔

تو ساری عبارتوں کا جواب دو لفظوں میں یہ ہے کہ ان عبارتوں میں کفر و شرک کا حکم یا تو علم غیب ذاتی ماننے پر لگایا گیا ہے یا علم کلی غیر متناہی کا عقیدہ رکھنے پر۔ اور الحمدللہ کہ یہ دونوں عقیدے ہمارے نزدیک بھی کفر اور شرک ہیں۔ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عطائی اور دو حدوں کے درمیان محدود علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

اگر بریلوی فتنہ کے مصنفین اس جواب سے متفق نہیں ہیں اور ان کا اصرار ہے کہ نبی کے بارے میں عطائی اور دو حدوں کے درمیان محدود علم غیب کا عقیدہ رکھنا بھی شرک ہے تو میں عرض کروں گا کہ ان کے اکابر کے خلاف زلزلہ کا یہی الزام ہے کہ ایک طرف وہ نبی کے حق میں عطائی علم غیب کے عقیدے کو شرک بھی کہتے ہیں اور دوسری طرف اسی عقیدے کو اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں عین اسلام بھی سمجھتے ہیں۔

فرق صرف اتنا ہے کہ نبی و ولی کے لئے چھپی ہوئی باتوں کے علم کا جب انکار کرنا ہوتا ہے تو اسے علم غیب کا نام دے دیتے ہیں اور جب اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں چھپی ہوئی باتوں کا علم ثابت کرنا چاہتے ہیں اسے کشف کہنے لگتے ہیں۔ دیوبندی مذہب کی یہی وہ تکنیک ہے جسے سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ اسی تکنیک کو سمجھانے کے لئے زلزلہ کی ضرورت پیش آئی تھی اور الحمدللہ کہ زلزلہ نے دیوبندی ذہن کی ان ساری عیاریوں کو بالکل بے نقاب کر دیا۔

یہاں پہنچ کر پہلی بحث جو علم غیب کے بیان پر مشتمل تھی ختم ہو گئی۔ اب دوسری بحث جو تصرف کے بیان میں ہے' اسے پڑھئے ــــ!

دوسری بحث

تصرف کے بیان میں

غلط نشانہ

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے بھی تصرف کے سلسلے میں "زلزلہ" کے الزامات کے وہی جوابات دیئے ہیں جو انکشاف میں مفتیان دیوبند کے قلم سے آپ پڑھ چکے بس فرق اتنا ہے کہ الفاظ کی نوک پلک اور پیش کرنے کا سلیقہ ذرا بدلا ہوا ہے۔

مثال کے طور پر اپنے بزرگوں کے واقعات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے مفتیان دیوبند نے بھی کرامت ہی کا سہارا لیا تھا اور اپنی کتاب میں بریلوی فتنہ کے مصنفین نے بھی کرامت ہی کی بنیاد پر واقعات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آنے والے اوراق میں آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اس جواب کے بعد بھی "زلزلہ" کے الزامات اپنی جگہ پر ہیں!

مفتیان دیوبند کی طرح بریلوی فتنہ کے مصنفین نے بھی "زلزلہ" کے الزام کو یا تو سمجھنے کی کوشش نہیں کی ہے یا پھر دیدہ و دانستہ اس الزام سے مجرمانہ چشم پوشی کی ہے۔

دیوبندی مذہب کے خلاف "زلزلہ" کا اصل الزام یہ ہے کہ وہ تضادات کا مجموعہ ہے۔ ایک ہی عقیدہ گھر کے بزرگوں کے حق میں عین اسلام ہے اور وہی عقیدہ انبیاء و اولیاء کے حق میں کفر اور شرک ہو گیا ہے۔ یہ بھیانک اور سنگین الزام نہ مفتیان دیوبند اٹھا سکے ہیں اور نہ ورق کے ورق سیاہ کر دینے کے بعد بھی بریلوی فتنہ کے مصنفین سے اٹھ سکا ہے۔

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اپنے معزز قارئین سے التماس کروں گا کہ وہ منصفانہ جذبے کے ساتھ آنے والے اوراق کا مطالعہ فرمائیں۔

مسلمانوں کو مشرک بنانے کی خطرناک سازش

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے تصرف کی چند صورتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو کائنات میں تصرف کی "کن فیکونی" قدرت ازخود حاصل ہے اسی طرح اللہ کے سوا کسی ہستی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ تصرف کی یہ قدرت بغیر خدا کی عطا کے اسے بھی اپنی ذات سے حاصل ہے۔

کسی مخلوق کے حق میں اس طرح کے عقیدے کو انہوں نے شرک قرار دیا ہے اور **وکفی باللہ شھیدا**" کہ ہم بھی اس عقیدے کو شرک صریح قرار دیتے ہیں۔

اور دوسری صورت انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مخصوص درجے اور محدود دائرے میں تصرف کی قدرت بخشی ہے اور وہ جب چاہتے ہیں اپنی اس خداداد قدرت کا اظہار فرماتے ہیں۔ اس طرح کے عقیدے کو بھی بریلوی فتنہ کے مصنفین نے شرک قرار دیا ہے اور اس کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

> یہ بعینہ وہی عقیدہ ہے جو مشرکین عرب اپنے معبودوں اور دیوتاؤں کے بارے میں رکھتے تھے۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۰۰)

اس دعوے کے ثبوت میں انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" سے کچھ عبارتیں نقل کی ہیں۔ ان عبارتوں کو آپ بھی پڑھ لیں تاکہ آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اہل سنت اور مشرکین کے عقیدوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے اور یہ راز بھی فاش ہو جائے کہ مسلمانوں کو مشرک بنانے کے فن میں دیوبندی علماء کتنی مہارت رکھتے ہیں۔

"حجۃ اللہ البالغہ" کا اردو ترجمہ جسے بریلوی فتنہ کے مصنفین نے خود کیا ہے، اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:۔

ان (مشرکین) کا مذہب اور عقیدہ یہ ہے کہ ان میں کچھ نیک اور بزرگ لوگ تھے۔ انہوں نے اللہ کی خوب عبادت کی اور اس کا خاص تقرب حاصل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام الوہیت (یعنی معبود کا منصب) عطا فرما دیا تو وہ اس بات کے مستحق ہو گئے کہ باقی مخلوق ان کی پوجا کرے۔

(بریلوی فتنہ ص ۴۴)

اور یہ مشرکین اس کے قائل ہیں کہ اللہ کی عبادت جبھی قبول ہو گی جب اس کے ساتھ ان بزرگ دیوتاؤں کی بھی پوجا کی جائے۔ (ص ۴۵)

اور یہ مشرکین اس کے قائل ہیں کہ ان کے یہ معبود ان باطل اور دیوتا سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور اپنی پوجا کرنے والوں کی خدا کے ہاں سفارش کرتے ہیں اور ان کے کام کر دیتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ (ص ۴۶)

اور مشرکین میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ اصل سردار اور مالک و مختار تو اللہ ہی ہے اور وہی کائنات کا نظام چلا رہا ہے لیکن کبھی وہ اپنے خاص بندوں کو شرف اور الوہیت کا خلعت عطا فرما دیتا ہے اور بعض خاص امور میں ان کو متصرف بنا دیتا ہے۔ (ص ۴۶)

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے یہ عبارتیں اس الزام کے لئے نقل کی ہیں کہ انبیاء و اولیاء کے حق میں اہل سنت کا عقیدہ بھی بالکل وہی ہے جو مشرکین کا اپنے دیوتاؤں کے بارے میں تھا۔

اس شرمناک بہتان تراشی کے لئے میں آپ سے آپ ہی کے ضمیر کا فیصلہ

چاہتا ہوں۔

خدارا انصاف کیجئے کہ کہاں اپنے دیوتاؤں کے بارے میں مشرکین کا یہ عقیدہ کہ اللہ نے انہیں مقام الوہیت عطا کر دیا ہے یعنی اپنی طرح انہیں بھی لوگوں کا معبود بنا دیا ہے' اب وہ بھی عبادتوں کے اسی طرح مستحق ہیں جس طرح اللہ کی ذات' اور کہاں انبیاء و اولیاء کے بارے میں اہل سنت کا یہ صاف ستھرا عقیدہ کہ وہ صرف عبد ہیں معبود نہیں۔ خدا نے انہیں صرف تقرب کا مقام عطا کیا ہے الوہیت کا نہیں۔ ان کے بارے میں جو بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا نے انہیں مقام الوہیت عطا کر دیا ہے وہ ہمارے نزدیک بالکل ایسا ہی مشرک اور کافر ہے جیسے عرب کے کفار و مشرکین تھے۔

اتنے واضح اور بنیادی فرق کے بعد بھی جو لوگ ہمارے خلاف یہ بہتان تراشتے ہیں کہ ہم بھی عرب کے مشرکین کی طرح عقیدہ رکھتے ہیں' وہ اپنے زمانے کے نہایت مفتری' کذاب اور لعنت زدہ انسان ہیں۔

اسلام اور شرک کا بنیادی فرق

اب رہ گئی یہ بات کہ اپنے دیوتاؤں اور بتوں کے بارے میں ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ خدا نے انہیں جزوی طور پر کائنات میں تصرف کی قدرت بخشی ہے تو اس کے متعلق شاہ صاحب کی ان عبارتوں میں قطعاً" کوئی صراحت اس امر کی نہیں ہے کہ ان کا یہ عقیدہ بھی مشرکانہ تھا اور محض اس بنیاد پر اگر اس عقیدے کو شرک قرار دیا جائے کہ مشرکین اس عقیدے کے حامل تھے تو صرف یہی نہیں بلکہ بہت سے معتقدات کو شرک قرار دینا ہو گا۔

مثال کے طور پر ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ زمین و آسمان اور ساری کائنات کا خالق و مالک اور پروردگار صرف ایک اللہ ہے۔ پس لازم آئے گا کہ معاذ اللہ اس عقیدے کو بھی مشرکانہ عقیدہ قرار دیا جائے اور شاہ صاحب کی صراحت کے مطابق مشرکین اپنے دیوتاؤں کو دربار خداوندی میں اپنا سفارشی بھی سمجھتے تھے۔ پس ماننا پڑے گا کہ خدا کے کسی مقرب بندے کو اس کے دربار میں اپنا سفارشی سمجھنا بھی شرک ہو

جائے۔ حالانکہ یہ متفقہ طور پر شرک نہیں بلکہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

ان تفصیلات کے بعد اب یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ ان کا شرک وہ نہیں بلکہ صرف یہ تھا کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو خدا کی الوہیت میں شریک سمجھتے تھے اور سچ پوچھئے تو اثبات الشرک فی الالوہیتہ (یعنی معبود ہونے میں کسی کو خدا کا شریک ماننا) کے ذریعہ عقائد کی کتابوں میں شرک کی تعریف بھی یہی کی گئی ہے۔

لہٰذا کہنے دیجئے کہ کسی مخلوق کو اپنا معبود سمجھ کر صرف نذر و نیاز' چڑھاوا اور طواف و سجدہ ہی نہیں بلکہ اس کے لئے تعظیم و عقیدت کا جو کام بھی کیا جائے گا وہ یقیناً شرک ہو گا اور کسی کے حق میں الوہیت کا عقیدہ رکھے بغیر کوئی بھی غیر واقعی اور غلط عقیدہ زیادہ سے زیادہ جھوٹ اور خلاف واقعہ کہلائے گا' شرک ہرگز نہیں کہا جائے گا۔

یہ مان لینے کے باوجود کہ مشرکین اپنے دیوتاؤں کو خدا کی الوہیت میں شریک سمجھتے تھے' بریلوی فتنہ کے مصنفین کا یہ کہنا کہ ان کا شرک صرف یہی تھا کہ وہ اپنے دیوتاؤں کے بارے میں تصرف کا عقیدہ رکھتے تھے اور نذر و نیاز کرتے تھے۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۰۰) کس قدر جہالت اور بددیانتی پر مبنی ہے۔ "یہی ان کا شرک تھا" کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اپنے دیوتاؤں کو خدا کی الوہیت میں شریک ماننا ان کا شرک نہیں تھا۔ معاذ اللہ ان اکون من الجاھلین۔

غلط استدلال

اپنے اس مدعا کے ثبوت میں کہ کسی مخلوق کے اندر تصرف کی محدود قدرت ماننا بھی شرک ہے' بریلوی فتنہ کے مصنفین نے شاہ ولی اللہ صاحب کی الفوز الکبیر سے ایک عبارت نقل کی ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔

> شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی ہستی کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص صفات ثابت کی جائیں مثلاً اپنے ارادہ سے عالم میں وہ تصرف کرنا جس کو "کن فیکونی" تصرف کہا جاتا ہے۔

(بریلوی فتنہ ص ۱۰۰)

ازراہ کرم ذرا الفاظ پہ غور فرمایئے! یہاں عالم میں صرف تصرف کرنا نہیں ہے بلکہ وہ تصرف کرنا ہے جس کو کن فیکونی تصرف کہا جاتا ہے۔ عبارت کا یہ مقید فقرہ نہایت واضح طور پر اعلان کر رہا ہے کہ اس تصرف سے مراد "خدائی تصرف" ہے جس کی قدرت بغیر کسی کے عطا کے خود اسے اپنی ذات سے حاصل ہے اور جو ازلی ابدی اور لامحدود ہے۔ اس طرح کے تصرف کی قدرت کسی بھی چھوٹی یا بڑی مخلوق میں ماننا قطعاً" اور یقیناً شرک ہے۔

لیکن انبیاء و اولیاء کے حق میں تصرف کی جو محدود قدرت ہم مانتے ہیں وہ انہیں از خود حاصل نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی عطا سے ہے۔ خلاصہ یہ کہ شاہ صاحب نے جس تصرف کو مخلوق کے لئے شرک قرار دیا ہے وہ خدائی تصرف ہے اور ہم انبیاء اولیاء کے لئے جو تصرف مانتے ہیں وہ عطائی تصرف ہے۔ خدائی تصرف اور عطائی تصرف کے درمیان فرق نہ کرنا انتہائی درجہ کی بددیانتی ہے۔

اسی طرح قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی کتاب ارشاد الطالبین سے بریلوی فتنہ کے مصنفین نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا بھی اردو ترجمہ ملاحظہ فرمالیجئے تاکہ ایک گمراہ کن استدلال کی حقیقت آپ پر بھی آشکار ہو جائے۔

> اولیاء اللہ کو یہ قدرت نہیں کہ غیر موجود کو وجود بخش دیں یا کسی موجود کو معدوم اور نیست کر دیں۔ پس کسی چیز کو وجود بخشنے یا معدوم کر دینے یا کسی کو رزق یا اولاد دینے یا کسی سے کوئی بیماری یا کوئی بلا دور کر دینے کی کسی بزرگ کی طرف نسبت کرنا کفر ہے۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۰۱)

اس عبارت کا بھی مفاد یہی ہے کہ بغیر خدا کی عطا کے کسی مخلوق میں تصرف کی ذاتی قدرت تسلیم کرنا کفر ہے کیوں کہ یہی قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی کتاب تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں:۔

اولیاء اللہ دوستان و معتقداں را در "اولیاء کرام دنیا و آخرت میں اپنے

دنیا و آخرت مدد گاری می فرمانید	دوستوں اور معتقدوں کی مدد کرتے ہیں
دشمناں را ہلاک می نمایند	اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ خدا کی عطا سے کسی نبی یا ولی کی طرف بلا یا بیماری دور کرنے کی نسبت ہر گز کفر نہیں ہے۔ جیسا کی دیوبندی مذہب کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی اپنے ایک فتوے میں لکھا ہے کہ کسی بھی زندہ یا مردہ شخص سے غیر مستقل قدرت یعنی عطائی قدرت کا عقیدہ رکھ کر مدد مانگنا کفر نہیں ہے۔ فتوے کی اصل عبارت یہ ہے۔

> جو استعانت و استمداد بالمخلوق باعتقاد علم و قدرت مستقل مستملمنہ ہو شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو مگر وہ علم و قدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو معصیت ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے خواہ وہ مستملمنہ حی ہو یا میت ہو۔ (فتاوی امداد جلد چہارم ص ۹۷)

اپنے اس فتوے میں تھانوی صاحب نے کسی بھی زندہ یا مردہ مخلوق سے مدد مانگنے کی تین قسمیں بیان کی ہیں:۔

پہلی قسم یہ ہے کہ مستقل یعنی ذاتی علم و قدرت کا عقیدہ رکھ کر کسی مخلوق سے مدد مانگی جائے۔ اس صورت کو انہوں نے شرک قرار دیا ہے اور ہم بھی اسے شرک ہی سمجھتے ہیں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ غیر مستقل یعنی عطائی علم و قدرت کا عقیدہ رکھ کر کسی مخلوق سے مدد مانگی جائے اور وہ علم و قدرت کسی صحیح دلیل سے ثابت نہ ہو تو یہ صورت بھی کفر نہیں بلکہ صرف معصیت ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ غیر مستقل یعنی عطائی علم و قدرت کا عقیدہ رکھ کر کسی مخلوق سے مدد مانگی جائے اور وہ علم و قدرت دلیل صحیح سے ثابت ہو تو یہ صورت

قطعاً" جائز اور درست ہے۔

اس فتوے میں چند سطروں کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ' استمداد ارواح مشائخ سے صاحب کشف الارواح کے لئے قسم ثالث ہے۔

"قسم ثالث" کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی قوت کشف کے ذریعہ روحوں کو دیکھتے سنتے ہیں وہ اگر اولیائے کرام کی ارواح طیبات سے مدد طلب کریں تو یہ صورت قطعاً" جائز اور درست ہے۔

واضح رہے کہ اس صورت کو قسم ثالث میں داخل کر کے انہوں نے تین باتوں کا کھلا ہوا اعتراف کر لیا ہے۔

پہلی بات تو یہ مان لی ہے کہ اولیاء کرام کی ارواح مقدسہ سے مدد طلب کرنا قطعاً" جائز اور درست ہے۔

اور دوسری بات یہ تسلیم کی ہے کہ اولیائے کرام کے لئے عطائی علم و قدرت دلیل صحیح سے ثابت ہے کیونکہ قسم ثالث کو انہوں نے اسی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

اور تیسری بات جس کا انہوں نے صمیم قلب کے ساتھ اقرار کیا ہے' یہ ہے کہ کشف کی قوت کے ذریعہ روحوں کا دیکھنا سننا دلیل سے ثابت ہے۔

اعتراف حق

تھانوی صاحب کے اس فتوے کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ اولیائے کرام کی ارواح مقدسہ کو خدا کی طرف سے تصرف کی قدرت عطا کی گئی کیونکہ اگر ان کے اندر تصرف کی قوت نہ ہو تو ان سے مدد مانگنے کا سوال ہی بالکل لغو ہو جاتا ہے اور واضح ہے کہ تھانوی صاحب اپنے اس مسلک میں منفرد نہیں ہیں بلکہ میرے پاس اس بات کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ یہی مسلک سارے علماء دیوبند کا ہے۔ جیسا کہ اس کا اعتراف خود مولوی اخلاق حسین قاسمی صدر جمعیتہ علمائے صوبہ دہلی' نے اپنی ایک کتاب میں کیا ہے جس کا نام ہی انہوں نے رکھا ہے' "اہل

اللہ کی عظمت علمائے دیوبند کی نظر میں" اور جو خاص الجمعیتہ پریس دہلی سے چھپی ہے اور جمعیتہ بکڈپو دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

موصوف اس مسئلے میں علمائے دیوبند کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> مومن کی روح خاص کر اولیائے حق اور صلحائے امت کی روحیں جسم سے جدائی کے بعد اس عالم مادی میں تصرف کی قوت رکھتی ہیں اور ان ارواح کا تصرف قانون الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔
> (ص ۳۴)

تصرف کی قوت اور اس کا استعمال اگر قانون الٰہی کے مطابق ہے تو ظاہر ہے کہ اسے شرک قرار دینا یقیناً" قانون الٰہی سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔

اب اخیر میں تصرف کے سلسلہ میں اپنے پیران سلاسل کے متعلق مولوی اسماعیل دہلوی کا یہ اعتراف بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

اصحاب ایں مراتب عالیہ و ارباب بلند مراتب اور اونچے درجات پر فائز ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در ہونے والے ان مردان حق کو کائنات تصرف عالم مثال و شہادت می ہستی میں تصرف کا اذن اور اختیار باشد۔ (صراط مستقیم ص ۱۰۱) دے دیا گیا ہے۔

"ماذون مطلق" کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے انہیں عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ یعنی اب الگ الگ ایک ایک بات کے لئے انہیں اجازت کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔

تصرف اور استمداد کے سلسلے میں گھر ہی کی یہ دستاویزات بہت کافی ہیں۔ اب تھانوی صاحب کا وہ فتویٰ، قاسمی صاحب کا وہ بیان اور مولوی اسماعیل دہلوی کا یہ تازہ اعتراف اگر تقویتہ الایمان، بہشتی زیور، فتاوی رشیدیہ اور بریلوی فتنہ کو جھٹلا رہا ہو تو اس کی کوئی ذمہ داری قطعاً" میرے سر نہیں ہے کہ بہت پہلے میں اعلان کر چکا ہوں کہ دیوبندی مذہب تضادات کا مجموعہ اور افکار کے تصادم کا میدان کارزار ہے۔

اب حق و باطل، صحیح و غلط اور کفر و ایمان کے اس دوراہے پر میں اپنے قارئین کرام کی قوت فیصلہ کو ایک سنگین قسم کی آزمائش میں مبتلا کر کے آگے بڑھ رہا ہوں کہ ۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

مذہبی خودکشی کی ایک عبرت ناک داستان

اب تصرف کے سلسلے میں مذہبی خودکشی کی ایک لمبی داستان جس سے ورق کے ورق سیاہ ہو گئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں :۔

انبیاء و اولیاء کے متعلق بریلوی فتنہ کے مصنفین کا یہ بیان آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے کہ کسی نبی یا ولی کی طرف بلا دفع کرنے یا بیماری دور کرنے کی نسبت کرنا کفر ہے مگر اب یہی کفر اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کس طرح اسلام بن گیا ہے، چشم عبرت سے ذرا اس اسلام کا بھی تماشا دیکھ لیجئے :۔

مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی دیوبندی خانوادے کے ایک مشہور روحانی پیشوا گزرے ہیں، ان کے بارے میں ارواح ثلاثہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ان کے بڑے صاحب زادے مولوی معین الدین صاحب ان کی وفات کے بعد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ :۔

> ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے ہی آرام ہو جاتا۔ پس اس کثرت سے لوگ مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم۔ کئی مرتبہ ڈال چکا، پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادے بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی۔ یاد رکھو کہ **"اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے"** ایسے ہی پڑے رہیو، لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر

ایسے چلیں گے۔
بس اسی دن سے کسی کو آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی، ویسے ہی یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر تو لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۲۳)

غور فرمایئے! یہاں بات کتنی آگے نکل گئی۔ وہاں تو صرف اس الزام پر کفر کا فتویٰ تھا کہ فلاں شخص کی طرف بیماری دور کرنے کی نسبت کیوں کی گئی اور یہاں شخص نہیں، شخص کے مدفن کی مٹی کو لوگ دافع امراض سمجھ رہے ہیں تو انہیں نہ کوئی روکنے والا ہے اور نہ کفر کے ارتکاب پر کوئی توبہ کرانے اور کلمہ پڑھانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے آخر یہ کیسا کفر ہے جو سب کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔

اور اس واقعہ میں مسلک کا دردناک قتل تو یہ ہے کہ جب مٹی ڈالتے ڈالتے صاجزادے تنگ آ گئے تو مٹی میں شفا بخشی کی جو قوت تھی اسے واپس لینے کے لئے خدا کی طرف رجوع کرنے کی بجائے سیدھے باپ کی قبر پہ حاضر ہوئے اور دھمکی دی کہ "اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے"۔

بیٹے کا یہ عمل کیا ان کے اس عقیدے کی پردہ دری نہیں کرتا کہ مٹی کے اندر شفا بخشی کی یہ تاثیر خدا کی طرف سے نہیں بلکہ باپ کی طرف سے تھی۔ اس لئے ضابطہ کے مطابق ان کے عقیدے میں جس نے تاثیر بخشی تھی سلب کرنے کی درخواست بھی اس سے کی۔

اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا کہ ادھر صاجزادے صاحب باپ کی قبر پر دھمکی دے کر گئے اور ادھر یک لخت مٹی کی تاثیر بھی بدل گئی اور لوگوں کا آنا بھی موقوف ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ مٹی کے بارے میں شفا بخشی کا عقیدہ لے کر ان کی قبر پر لوگوں کا میلہ لگانا اگر از روئے شرع کفر تھا تو امت کو کفر سے بچانے کے لئے صاحب قبر نے پہلے ہی وہ کام کیوں نہیں کر دیا جسے بیٹے کے اصرار پر بعد میں انہیں کرنا پڑا۔

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ نانوتہ کچھ اجمیر نہیں تھا جہاں حریفوں کی زبان میں بدعت و شرک کو پروان چڑھنے کی مکمل آزادی ہے بلکہ وہ نجد کے موحدین کا وہ خطہ

تھا جہاں کسی قبر کے سامنے صرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتے ہی تازیانے برسائے جاتے ہیں۔

آخر صحابہ اور اہل بیت کے مزارات کو ڈھا دینے والے' نانوتوی صاحب کی قبر پر اتنا بڑا شرک کیسے دیکھتے رہے۔ بالفرض اپنا سمجھ کر اگر مزار نہیں توڑا جا رہا تھا تو مشرکین کا سر توڑنے میں کیا مضائقہ تھا؟

اب آپ ہی دو ٹوک فیصلہ کریں کہ کفر و شرک کے سوال پر اپنے بزرگوں کی اتنی کھلی ہوئی پاسداری کے بعد بھی کیا دیوبندی علماء اپنے سر سے یہ الزام اٹھا سکتے ہیں کہ ان کے یہاں دو طرح کی شریعتیں نہیں ہیں؟

اپنی کہانی ان کی زبانی

اولیائے کرام کے اختیارات و تصرف کے انکار میں مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب "منصب امامت" سے بریلوی فتنہ کے مصنفین نے ایک عبارت نقل کی ہے جس کا اردو ترجمہ جسے خود انہوں نے کیا ہے' یہ ہے:۔

> اور نہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم میں تصرف کرنے کی قدرت ان کو دے دی ہو اور انسانوں کے معاملات ان کے حوالے کر دیئے ہوں اور وہ بامر الٰہی اپنی قدرت سے یہ تصرفات عالم کون میں کرتے ہوں۔ ایسا عقیدہ رکھنا خالص شرک و کفر ہے۔
> جو کوئی ان اولیاء اللہ کے بارے میں یہ قبیح عقیدہ رکھے وہ بلاشبہ مشرک و کافر ہے۔ (بریلوی فتنہ ص ۴۳)

یہ رہا اولیاء کرام کے حق میں عقیدہ! اب اپنے گھر کے بزرگوں کے لئے اس عقیدے کے خون کی ایک لمبی لکیر ملاحظہ فرمایئے:۔

یہی مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی جن کے بارے میں ابھی ایک قصہ آپ پڑھ چکے' ان کے متعلق ارواح ثلاثہ کے ایک راوی امیر شاہ خان لکھتے ہیں:۔

جس زمانے میں ملکہ وکٹوریہ کی تاج پوشی کا جلسہ ہوا' اس زمانے میں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلی میں تھے اور اکثر غائب رہتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کہاں غائب رہتے ہیں؟ فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ دہلی میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائے گا ہم اس جگہ کو آباد کر دیں گے۔ اس لئے میں اکثر شہر اور حوالی شہر میں گشت کیا کرتا ہوں تاکہ ویران مقامات آباد ہو جائیں۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۴۳)

ملکہ کے جشن تاج پوشی کے موقع پر دہلی میں مولوی محمد یعقوب صاحب کی موجودگی اتفاقاً" بھی ہو سکتی ہے اور ضرورۃً بھی۔ لیکن اس خبر کی تشہیر کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ جہاں جہاں تمہارا قدم پہنچ جائے گا ہم اس جگہ کو آباد کر دیں گے' بلاوجہ نہیں ہے۔ اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہے۔ ہو سکتا ہے فال نیک کے طور پر ظاہر کرنا مقصود ہو کہ ملکہ کی تاج پوشی اور ویرانوں کی آبادی' دونوں کی تاریخ ہمیشہ کے لئے مربوط رہے گی اور اس نکتے کے اظہار کے لئے یہ موقع بھی بہت سازگار تھا کہ تاج برطانیہ کی کلیدی شخصیتیں اس وقت دہلی میں جمع ہو گئی تھیں۔

بہرحال برسرِراہے یہ ایک بات نکل آئی ورنہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس واقعہ پر تھانوی صاحب کا یہ حاشیہ پڑھئے۔ راز سربستہ کی ایک گرہ اور کھلے گی' تحریر فرماتے ہیں:۔

یہ شان اقطاب التکوین کی ہوتی ہے۔ بعض مقبولین کو قطبیت ارشادیہ کے ساتھ قطبیت تکوینیہ کا مرتبہ بھی عطا ہوتا ہے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۴۳)

اس حاشیہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ مولوی محمد یعقوب صاحب قطب التکوین تھے۔ اب اسی کے ساتھ تھانوی صاحب کا یہ بیان بھی آپ پوری توجہ کے ساتھ پڑھئے تاکہ پوری کہانی آپ سمجھ سکیں۔ فرماتے ہیں:۔

بزرگوں سے سنا ہے کہ دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب

صاحب رحمتہ اللہ علیہ مجذوبین کی جماعت کے سردار تھے۔

(افاضات یومیہ ج ۱ حصہ دوم ص ۲۴۳)

اب ذیل میں انہی مجذوبوں کے متعلق تھانوی صاحب کے لگاتار بیانات پڑھیے اور اندازہ لگائیے کہ اپنے ان بیانات کی روشنی میں وہ مولوی محمد یعقوب صاحب کے متعلق کیا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں اور چشم حیرت سے یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ کائنات میں تصرف کی جو قدرت اولیاء اللہ کے لئے کفر تھی وہ دیوبند کے سید المجذوبین تک پہنچ کر کس طرح اسلام میں تبدیل ہو گئی۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> یہی مجذوب ہیں جن کے سپرد کارخانہ تکوینیہ ہے اور اس کے انتظام کے ذمہ داری ہیں۔
>
> (افاضات یومیہ ج ۱ حصہ دوم ص ۲۴۵)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! سنا ہے کہ امور تکوینیہ مجذوبین کے متعلق ہوتے ہیں۔ بدون عقل کے وہ کام کیسے کرتے ہوں گے۔ فرمایا ان کے متعلق ہونا صحیح ہے اور گو ان میں عقل نہیں ہوتی لیکن جو کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے اس میں عقل کی ضرورت نہیں۔ اس لئے اس کو بخوبی انجام دیتے ہیں۔ (افاضات یومیہ ج ۱ حصہ اول ص ۴۸)

مزید وضاحت کے ساتھ دوسری جگہ اس حقیقت کا ایک اعتراف اور ملاحظہ ہو۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> تکوینی کارخانہ مجذوبین سے متعلق کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ان میں عقل نہیں ہوتی اس لئے تشریع کے مکلف نہیں ہوتے اور ان کی بعض خدمتیں شرع پر منطبق نہیں ہوتیں۔
>
> مثلاً اگر مسلمانوں اور کافروں میں مقابلہ ہو تو مسلمانوں کا غلبہ مقصود تشریعی ہے اور ایسا ہونا بعض اوقات خلاف مصلحت و

حکمت ہوتا ہے۔ اس لئے ایسی جماعت کے سپرد کیا گیا جس کو اس سے کچھ بحث نہیں۔ (افاضات یومیہ ج ۱ حصہ اول ص ۹۶)

امور تکوینیہ اور تکوینی کارخانہ کی تشریح ایک ہی ورق کے بعد آ رہی ہے۔
لیکن تھانوی صاحب کے اس بیان سے یہ حقیقت اچھی طرح آشکار ہو گئی کہ مجذوبین کے ہاتھوں میں فتح و شکست کا بھی اختیار ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے جن کو چاہتے ہیں شکست کی ذلتوں سے ہمکنار کرتے ہیں اور جس فریق کو چاہتے ہیں فتح کی عزتوں سے سرفراز کرتے ہیں۔

حقیقت کا کھلا ہوا اعتراف

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے بار بار اس بات کو دہرایا ہے کہ اولیاء اللہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اپنے ارادہ سے کاروبار عالم میں تصرف کی قدرت رکھتے ہیں، کھلا ہوا کفر و شرک ہے۔ لیکن تھانوی صاحب کی یہ تحریر پڑھ کر آپ حیران رہ جائیں گے جس کے ذریعہ انہوں نے کفر و شرک کا الزام دینے والوں کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا ہے۔ اس موقع پر بریلوی فتنہ کے مصنفین اگر تلملا اٹھیں تو ہمارے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ کیونکہ تھانوی صاحب ہمارے نہیں، انہی کے آقائے نعمت ہیں، تحریر فرماتے ہیں:۔

میرا رجحان پہلے اس طرف تھا کہ مجذوبین اجتہاد نہیں کرتے محض امر صریح کے متبع ہیں اور ملائکہ کے متعلق بھی یہی خیال تھا کہ وہ محض نصوص کے متبع ہیں مگر حدیث جبرئیل انہ دس الطین فی فم فرعون مخافتہ ان تدرکہ الرحمتہ (یعنی جبرئیل علیہ السلام فرعون کے منہ میں گارا اس لئے ٹھونس رہے تھے کہ کہیں رحمت اس پر متوجہ نہ ہو جائے)۔
نیز حدیث القاتل التائب من الذنب اختلف فیہ ملئکتہ الرحمتہ والعذاب یعنی جس قاتل نے توبہ کر لی تھی اس کے مرنے کے

بعد رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہوا' اس حدیث سے اس طرف رجحان ہو گیا کہ ملا ئکہ اجتہاد بھی کرتے ہیں۔

وکذا المجذوبون و زادالرجحان بقصتہ الا شراقی ان المجذوبین مختلفون فی احکام بقاء لسلطنتہ و نبد لھا۔ یعنی جو ملا ئکہ کا حال ہے یہی حال مجذوبوں کا ہے اور اشراقی صاحب (جو حضرت کے زمانے میں ایک مجذوب تھے) کے قصہ سے یہ خیال اور بڑھ گیا۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ مجذوبوں میں اس میں اختلاف ہے کہ انگریزی سلطنت باقی رہے یا اس کو بدل دیا جائے۔ (افاضات یومیہ ج ا حصہ اول ص ۹۶)

عبارت کا یہ آخری حصہ خوب غور سے پڑھیئے اور سوچئے کہ تھانوی صاحب نے کتنی صراحت کے ساتھ اس عقیدے کی صحت کا اعتراف کر لیا ہے کہ مجذوبوں کو سلطنتوں کے بدلنے اور باقی رکھنے کا بھی اختیار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اختلاف کی گنجائش صرف اسی صورت میں نکل سکتی ہے جب کہ سلطنتوں کے بدلنے اور باقی رکھنے کا کام مجذوبوں کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس کے کسی جانب میں بھی حکم خداوندی صادر ہو جانے کے بعد اختلاف کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب خدارا آپ ہی انصاف کریں کہ اسے اپنے ارادہ سے کاروبار عالم میں تصرف نہیں کہا جائے گا تو اور کیا کہا جائے گا اور یہ عالمگیر تصرف بغیر قدرت و اختیار کے کیونکر متصور ہو گا۔

اور پھر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں اجتہاد کا مطلب ہی اس کے سوا اور کیا ہے کہ فرائض متعلقہ کی انجام دہی کی قدرت دے کر انہیں اپنی صوابدید پر عمل کرنے کا اختیار دے دیا جائے۔

تکوینی امور کی تشریح

تھانوی صاحب کے مذکورہ بالا بیانات میں آپ لگاتار کارخانہ تکوینیہ' امور

تکوینیہ، کارخانہ کے الفاظ پڑھ چکے۔ اب ان الفاظ کے معانی ملاحظہ فرمائیں تاکہ واضح طور پر آپ کو مجذوبوں کے اختیارات و خدمات کی تفصیل معلوم ہو جائے۔

مولوی اسماعیل دہلوی اپنی منصب امامت میں عالم کون کے تصرفات یعنی امور تکوینیہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فارسی سے یہ اردو ترجمہ خود بریلوی فتنہ کے مصنفین نے کیا ہے۔

> جیسے بارش کا نازل ہونا اور درختوں کا نشوونما پانا اور حالات کا پلٹا کھانا' بادشاہوں پر اقبال (اچھے دن) یا ادبار (برے دن) آنا' دولت مندوں' فقراء و مساکین کے احوال کا بدل جانا اور وباؤں کا ہٹ جانا اور ان جیسے دوسرے تصرفات۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۴۲)

پچھلے اوراق میں بریلوی فتنہ کے مصنفین کا یہ بیان آپ پڑھ چکے کہ اللہ والوں کی طرف بلاؤں کے دفع کرنے اور بیماریوں کے دور کرنے کی نسبت کرنا کفر ہے۔ لیکن تھانوی صاحب کے مذکورہ بالا ملفوظات اور منصب امامت کے بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ بریلوی فتنہ کے مصنفین کا یہ منہ بولا کفر مجذوبوں کے فرائض و خدمات کی فہرست میں شامل ہے۔

واقعات کی روشنی میں

اب مجذوبوں کے ان تکوینی تصرفات کو آپ ذرا واقعات کے آئینے میں بھی دیکھیں تاکہ کاروبار عالم میں ان کی موثر حیثیت کا آپ کو صحیح طور پر اندازہ ہو جائے۔

تھانوی صاحب کے حوالے سے پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگ کے مواقع پر قوموں کی فتح و شکست کا اختیار انہیں سپرد کیا گیا ہے۔ اسی طرح سلطنتوں کے بدلنے اور باقی رکھنے اور بادشاہوں کے عروج و زوال کی قدرت بھی انہیں سونپی گئی ہے اور جہاں تک بیماری دور کرنے کا سوال ہے تو ایک صاحب قبر کی شفا بخشی کا واقعہ ابھی آپ پڑھ چکے۔ اب رہ گیا بارش برسانے اور روکنے کا اختیار تو اس سلسلے میں بھی چند واقعات دیوبندی لٹریچر سے پڑھ لیجئے۔

مفتیان دیوبند کے "انکشاف" میں شیخ ابوالعباس کے متعلق یہ واقعہ آپ کی نظر سے گذر چکا ہو گا کہ انہیں بارش برسانے پر ایسی قدرت تھی کہ وہ پیسوں کے عوض اسے فروخت کیا کرتے تھے اور جب چاہتے تھے پانی برسنے لگتا تھا۔

ظاہر ہے کہ جب تک کوئی چیز اپنے اختیار اور قبضے میں نہ ہو اسے فروخت کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

یہ تو ہوا بارش برسانے کا قصہ! اب جہاں تک بارش روکنے کا سوال ہے تو آپ نے "زلزلہ" میں مولوی حسین احمد صاحب شیخ دیوبند کا وہ واقعہ پڑھا ہو گا جسے مولوی جمیل الرحمٰن سیوہاروی مفتی دارالعلوم دیوبند نے شیخ السلام نمبر میں نقل کیا ہے کہ **سیوہارہ** ضلع بجنور میں کانگریس کی طرف سے ایک جلسہ منعقد کیا گیا تھا، جس میں مولوی حسین احمد صاحب بھی شریک تھے۔ عین جلسہ کے وقت آسمان ابر آلود ہو گیا۔ موسم کا رنگ دیکھ کر جلسہ کے منتظمین بالکل سراسیمہ ہو گئے اب اس کے بعد کا قصہ خود واقعہ نگار کی زبانی سنئے، لکھا ہے کہ:۔

> اسی دوران میں جامع الروایات غفرلہ کو جلسہ گاہ میں ایک برہنہ سر مجذوبانہ ہیئت کے غیر متعارف شخص نے علیحدہ لے جا کر ان الفاظ میں ہدایت کی کہ "مولوی حسین احمد سے کہو کہ علاقے کا صاحب خدمت میں ہوں اگر وہ بارش ہٹوانا چاہتے ہیں تو یہ کام میرے توسط سے ہو گا۔
>
> راقم الحروف اسی وقت خیمے میں پہنچا جس پر حضرت والا نے آہٹ پا کر وجہ معلوم فرمائی اور اس پیغام کو سن کر ایک پر جلال انداز میں بستر استراحت ہی سے ارشاد فرمایا، جائیے کہہ دیجئے بارش نہیں ہو گی۔ (الجمعیۃ کا شیخ الاسلام نمبر ص ۱۴۴)

"بستر استراحت ہی سے ارشاد فرمایا" کا جملہ بتا رہا ہے کہ انہوں نے بارش نہیں ہو گی کا حکم آسمان کا رنگ دیکھ کر نہیں لگایا تھا بلکہ اس حکم کے پیچھے اس حقیقت کا اظہار تھا کہ تکوینی امور کا اختیار میرے ہاتھ میں بھی ہے۔ میں بارش روکنا

چاہوں تو بلا شرکت غیرے خود بھی اس کی قدرت رکھتا ہوں۔

بارش روکنے کے سلسلے میں ایک اور دیوبندی مجذوب کا واقعہ سنئے:۔

امارت شرعیہ کا ترجمان "نقیب" اخبار پھلواری نے دیوبندی فرقے کے روحانی پیشوا مولوی عبدالرشید رانی ساگری کا ایک قصہ ان کی صاحبزادی ثامنہ خاتون کی روایت سے نقل کیا ہے' وہ بیان کرتی ہیں کہ:۔

> جب ہمارا گھر بننے لگا تو والد صاحب کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے پاخانہ میں ہاتھ لگا وہ زمانہ برسات کا تھا لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی۔ دھان کی روپنی ہو چکی تھی۔ کسان سخت پریشان تھے۔ میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ بارش کے لئے دعا فرما دیجئے بہت لوگ پریشان ہیں' فصل کو خطرہ ہے۔ والد صاحب مسکرانے لگے اور فرمایا' بارش کیسے ہو گی' اپنا پاخانہ جو بن رہا ہے' خراب ہو جائے گا۔ (نقیب کا مصلح امت نمبر ص ۴)

اس واقعہ کے بیان سے جس عقیدے کا اظہار مقصود ہے وہ سوا اس کے اور کیا ہے کہ رانی ساگری صاحب کے تصرف سے اس وقت تک بارش رکی رہی جب تک کہ ان کا پاخانہ نہیں تیار ہو گیا۔

ایک نیا استدلال

یہ اختیارات تو ان مجذوبین کے ہیں جو قطب کی حیثیت سے کسی قریہ اور شہر میں رہتے ہیں باقی رہے وہ اولیاء اللہ جو مختلف اقالیم میں رہتے ہیں اور سارے عالم کا انتظام سنبھالتے ہیں' ان کے اختیارات کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

تھانوی صاحب نے اس گروہ کے تعارف میں جو تفصیل لکھی ہے' وہ یہ ہے

> اقسام اولیاء میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ سب بارہ گروہ ہیں۔
>
> اقطاب' غوث' امامین' اوتاد' ابدال' اخیار' ابرار' نقبا' نجباء' عمد'

مکتومان، مفردان۔
قطب، عالم ایک ہوتا ہے۔ اس کو قطب العالم و قطب اکبر و قطب الارشاد و قطب بالاقطاب، قطب المدار بھی کہتے ہیں اور عالم غیب میں اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے۔ اس کے دو وزیر ہوتے ہیں جو امامین کہلاتے ہیں۔ وزیر یمین کا نام عبدالملک وزیر یسار کا نام عبدالرب ہوتا ہے۔
اور بارہ قطب اور ہوتے ہیں جو اقلیم میں رہتے ہیں ان کو قطب اقلیم کہتے ہیں اور پانچ یمن میں ان کو قطب ولایت کہتے ہیں یہ عدد تو اقطاب معینہ کا ہے اور غیر معین ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک قطب ہوتا ہے۔ غوث ایک ہوتا ہے بعض نے کہا قطب الاقطاب ہی کو غوث کہتے ہیں۔ (تعلیم الدین ص ۱۳۰)

"قبوری شریعت" کے نام سے ہم پر ایک نئی شریعت کے اختراع کا الزام لگانے والے اب اس شریعت کا بھی کوئی نام تجویز کریں اور بتائیں کے انسانوں کے بنائے ہوئے نظامہائے حکومت کے علاوہ اگر اس عالم میں اولیاء اللہ کا بھی کوئی اپنا نظام حکومت نہیں ہے تو یہ دو وزیر کس لئے ہیں؟ یہ گاؤں گاؤں قریہ قریہ اور شہر شہر میں لاکھوں اقطاب کی ضرورت کیا ہے اور دنیا کو سات اقلیموں میں بانٹ کر ہر اقلیم کا الگ الگ قطب کیوں ہے؟ اور پھر اس کے بعد غوث کے نام سے ساری دنیائے ولایت کا ایک قطب الاقطاب اور ایک سلطان السلاطین کیوں مقرر کیا گیا ہے۔

اگر یہ سارا انتظام خدا کی طرف سے ہے تو خود ہی فیصلہ کیجیے کہ کسی بھی سلطنت کا ڈھانچہ کیا بغیر قدرت و اختیار کے کھڑا رہ سکتا ہے۔ اور اگر یہ سارا قصہ خود تھانوی صاحب کا من گھڑت ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گمراہ کن جھوٹ کے خلاف کس زبان میں احتجاج کیا جائے۔

ایک اور استدلال

پچھلے اوراق میں انبیاء واولیاء کی بابت بریلوی فتنہ کے مصنفین کا یہ عقیدہ آپ

پڑھ چکے ہیں کہ ان کے اندر تصرف کی قدرت ماننا کفر ہے۔ لیکن یہی کفر گھر کے بزرگوں تک پہنچ کر اسلام میں کیوں کر تبدیل ہو گیا ہے۔ ذرا اس کا بھی ایک شرمناک رخ ملاحظہ فرمالیں۔ تھانوی صاحب اپنی کتاب تعلیم الدین میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> کوئی روح اپنا بدن حالت حیات میں چھوڑ کر دوسرے مردے کے بدن میں چلی جائے یہ بات ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔
> (تعلیم الدین ص ۱۱۸)

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ریاضت کے بل پر اپنے اندر یہ قدرت پیدا کر سکتا ہے کہ جب چاہے اپنی روح کو اپنے زندہ جسم سے نکال کر کسی مردہ جسم میں منتقل کر دے یعنی ایک زندہ جسم کو مار ڈالے اور مردہ جسم کو زندہ کر دے۔

اب آپ ہی غور فرمائیں کہ کسی زندہ آدمی پر موت طاری کرنا اور کسی مردہ شخص کو جلا دینا یہ خاص خدا کا منصب ہے یا نہیں؟ لیکن تھانوی صاحب کتنی فراخ دلی کے ساتھ یہ طاقت ایک انسان کے اندر مان رہے ہیں اور وہ بھی خدا کی عطا سے نہیں بلکہ خود اپنی ریاضت کے بل بوتے پر۔

فرمائیے؟ اس سے بڑا شرک اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک بندے کو انہوں نے محیی اور ممیت دونوں تسلیم کر لیا۔

افسوس! ہم اس طرح کی محدود قدرت کسی نبی یا ولی میں خدا کی عطا سے بھی مانیں تو کافر ٹھہرائے جائیں اور وہ صرف اپنی محنت کے بل پر یہ خدائی قدرت ایک بندے میں مان رہے ہیں تو کوئی ان سے باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔

ایک اور نئی دلیل

اب اس سے بھی زیادہ ایک دلچسپ قصہ سینۓ۔ یہاں تک تو غنیمت تھا کہ جس مردہ جسم میں وہ روح منتقل ہوئی وہ جسم بہرحال خدا کا بنایا ہوا تھا۔ لیکن تھانوی صاحب نے اس کے بعد ایک نیا گل اور کھلایا ہے۔

ان کے ملفوظات کا مرتب "مقالات حکمت" نام کی کتاب میں ان کا یہ منہ بولا

بیان نقل کرتا ہے کہ:۔

> بعض بزرگوں کو جو اہل تصرف ہوتے ہیں عناصر پر قدرت ہو جاتی ہے کہ وہ اس سے چند اجساد کو ترکیب دے کر شکل بدل لیتے ہیں۔ چونکہ روح میں انبساط ہے اس لئے ایک روح کو ان اجساد کے ساتھ متعلق کر کے چند شکلوں میں متشکل ہو سکتے ہیں۔
> (مقالات حکمت ص ۳۱)

"بعض بزرگوں کو جو اہل تصرف ہوتے ہیں" یہ فقرہ واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ بزرگوں کی دو قسمیں ہیں۔ بعض تو وہ ہیں جو اہل تصرف ہوتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو اہل تصرف نہیں ہوتے۔ اہل تصرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جنہیں خدا کی طرف سے تصرف کی قدرت عطا کی جاتی ہے اور وہ اپنی اس خدا داد قدرت سے آگ' پانی' ہوا اور مٹی میں تصرف کر کے اپنی خواہش کے مطابق مختلف انواع و اصناف کے اجسام تیار کرتے ہیں اور جس جسم کے اندر چاہتے ہیں' روح داخل کر کے اسے زندگی بخش دیتے ہیں۔

اب آپ ہی ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کہ ہم خدا کے بنائے ہوئے جسم میں صرف روح کی واپسی کا عقیدہ رکھ لیں تو شرک کے الزام میں ہمارے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی جائے اور وہ خود اپنے ہاتھوں سے نئے نئے جسم بنانے اور خود اپنی مرضی سے روح داخل کرنے کی قدرت اپنے بزرگوں کے لئے مان رہے ہیں تو وہ روئے زمین کے سب سے بڑے موحد کہلانے کے دعویدار ہیں۔

ایک عجیب و غریب قصہ

آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے کہ دیوبندی مذہب میں انبیاء واولیاء کے لئے تصرف کی قدرت ماننا کفر ہے۔ لیکن یہی کفر اپنے بزرگوں کے حق میں کس طرح اسلام بن گیا ہے اس کا ایک عبرت انگیز تماشا اور دیکھئے۔

مولوی عبدالرحیم سہار نپوری نام کے کوئی دیوبندی بزرگ ہیں ان کے متعلق

مولوی زکریا صاحب نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ:۔

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ وضو کر رہے تھے۔ ایک قندیل اوپر اڑا جا رہا تھا (اپنے خادم سے) فرمانے لگے' میرے چاند! یہ دیکھ کیا جا رہا ہے؟ مولوی روشن علی صاحب نے فرمایا کہ حضرت مجھے تو کچھ پتہ نہیں کیا ہے۔ فرمانے لگے یہ جادو جا رہا ہے اور مجھے اللہ نے یہ قدرت دی ہے کہ میں اس کو اتارلوں۔ مولوی روشن علی صاحب نے کہا کہ ضرور اتارلیں۔

حضرت شاہ صاحب نے ہاتھ سے اشارہ کیا وہ نیچے اتر آیا۔ اس میں ایک آدمی کا پتلا بنا ہوا تھا اور اس میں بہت سی سوئیاں اوپر سے نیچے تک چبھائی ہوئی تھیں۔ حضرت نے اس سے پوچھا تو کون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو گویائی عطا فرمائی اس نے کہا میں جادو ہوں حضرت نے اس سے فرمایا تو کہاں سے آیا ہے کہا جائے گا۔

اس نے بتایا فلاں جگہ سے آیا ہوں فلاں کو مارنے جا رہا ہوں۔ حضرت نے اس سے دریافت فرمایا کہ جس نے بھیجا ہے اس کا کہنا مانیگا یا ہمارا؟ اس نے عرض کیا اب تو آپ ہی کا کہنا مانوں گا۔ حضرت نے فرمایا جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا۔

اگلے دن معلوم ہوا کہ وہ جادو گر مر گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لئے کیا کہ نہ معلوم وہ اور کتنوں کو مارے گا۔ (آپ بیتی نمبر ٦ ص ٣٧٦)

ایک طرف دیوبندی عقیدے کا یہ رخ نظر میں رکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو یہ قدرت نہیں دی ہے کہ وہ عالم میں کوئی تصرف کریں' کسی کی مصیبت میں کام آئیں اور کوئی بلادفع کریں اور دوسری طرف سہارنپور کے شاہ صاحب کا یہ دعوی ملاحظہ فرمائیں کہ انہیں اللہ نے اس بات کی قدرت دی ہے کہ وہ فضا میں اڑتے

ہوئے ایک بے جان پتلے کو صرف ہاتھ کے اشارے سے زمین پر اتار لیں، اس سے بات کریں اور پھر اسے واپس کر کے بہت سے لوگوں کے سروں سے بلا ٹال دیں۔

آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اسے دل کی شقاوت کے سوا اور کیا کہا جائے گا کہ جو قدرت خدا نے دیوبند کے بزرگوں کو عطا کی ہے وہی قدرت اپنے انبیاء واولیاء کو عطا کر دے تو کفر ہو جائے۔

ایک اور دل آزار قدرت کا دعوی

اب اخیر میں ایک دل آزار قدرت کا دعوی اور ملاحظہ فرمایئے:۔ ارواح ثلاثہ کے مصنف نے مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک بار قاضی پور نام کے ایک قصبہ میں گئے وہ عشرۂ محرم کا تھا۔ شیعوں کے یہاں محرم کی مجلسیں گرم تھیں۔ انہوں نے نانوتوی صاحب کو بھی اپنی مجلس میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ موصوف نے اس شرط پر شرکت منظور کی کہ جب آپ لوگ مجلس میں بیان کر چکیں تو میں بھی کچھ کہوں گا۔ لیکن وہ اس پر آمادہ نہیں ہوئے اس کے بعد شیعوں نے سلسلۂ گفتگو کے دوران کہا کہ:۔

> اگر آپ بیداری میں ہم کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیں اور حضور اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرما دیں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو ہم اہل سنت والجماعت میں داخل ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ تم سب اس پر پختہ رہو تو میں بیداری میں زیارت کرانے کے لئے تیار ہوں مگر یہ روافض (شیعہ صاحبان) کچھ کچے ہو گئے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۶۵)

اب اس واقعہ پر تھانوی صاحب کا یہ حاشیہ پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

> یا تو اس تصرف پر قدرت معلوم ہو گی یا **لو اقسم علی اللہ لابرہ** پر اعتماد ہو گا۔ (ص ۲۶۵)

یعنی مطلب یہ ہے کہ نانوتوی صاحب نے شیعوں سے جو وعدہ فرمالیا تھا کہ میں بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادوں گا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنے بارے میں یہ معلوم تھا کہ وہ جب چاہیں اور جسے چاہیں بیداری میں حضور کی زیارت کرا سکتے ہیں۔

تھانوی صاحب کا یہ حاشیہ پڑھنے کے بعد کوئی بھی خالی الذہن آدمی مندرجہ ذیل سوالات کا سامنا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ انہیں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ ان کے اندر اس عظیم تصرف کی قدرت موجود ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ خدا نے انہیں اس بات کی قدرت پہلے سے عطا کردی تھی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کسی امتی کے لئے یہ اختیار اگر تسلیم کرلیا جائے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی معلوم کئے بغیر جب چاہے حضور کو بیداری کی حالت میں مدینہ شریف سے بلوا لے تو اس سے لازم آئے گا کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی تنقیص شان ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ دیوبندی مذہب میں جب انبیاء اولیاء کو خدا نے تصرف کی یہ قدرت نہیں بخشی ہے کہ جب چاہیں اور جسے چاہیں قبر سے بیداری کی حالت میں بلوالیں تو نانوتوی صاحب کو یہ قدرت کہاں سے حاصل ہو گئی۔ ایمان و دیانت کا اس سے زیادہ دردناک قتل اور کیا ہو گا کہ نبی میں تو یہ قدرت تسلیم نہ کی جائے کہ وہ اپنی مرضی سے جب چاہیں اور جہاں چاہیں خود چلے جائیں' لیکن ایک امتی کا یہ اختیار تسلیم کرلیا جائے کہ وہ جب چاہے اور جہاں چاہے اپنی مرضی سے نبی کو بلوالے۔

احساس کا نشتر

تصرف کی خدا داد قدرت کے ثبوت میں دیوبندی لٹریچر سے فراہم کردہ یہ دلائل آپ سے آپ کے ضمیر کا انصاف چاہتے ہیں۔ آپ ہر طرح کی عصبیت سے بالاتر ہو

کر صرف حقائق کی بنیاد پر اس پوری بحث کا جائزہ لیں اور بے لاگ ہو کر فیصلہ کریں کہ دیوبندی اکابر کی یہ تحریریں ہمارے اس موقف کی تائیدیں ہیں یا نہیں؟ کہ دیوبندی مذہب تضادات کا مجموعہ اور عقیدہ و عمل کے تصادم کا میدان کا رزار ہے اور یہ ایک ہی عقیدہ جو انبیاء و اولیاء کے حق میں شرک ہے' کفر ہے اور ناممکن ہے وہی گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام ہے' ایمان ہے اور امر واقعہ ہے۔

جو لوگ دیوبندی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں انہیں یہ پوری بحث فکری کشمکش کے ایک سنگین مرحلے سے یقیناً" دو چار کرے گی اور ہزار صرف نظر کے باوجود انہیں اس قدرتی سوال کا بہرحال سامنا کرنا ہو گا کہ تصرف کی قدرت کے ثبوت میں ان کے اکابر کی یہ صاف و صریح عبارتیں کیا ٹھکرا دینے کے قابل ہیں۔ ہو سکتا ہے مسلکی غلط عصبیت انہیں حق کی طرف پلٹنے سے روک دے لیکن اس احساس کی زد سے بہرحال وہ اپنے آپ کو ہرگز نہیں بچا سکیں گے کہ ان کے اکابر نے انہیں کہیں نہ کہیں ضرور دھوکا دیا ہے۔ یا تو وہاں انہوں نے ٹھوکر کھائی ہے جہاں انبیاء واولیاء کے حق میں تصرف کی خدا داد قدرت کے عقیدے کو شرک قرار دیا ہے۔ یا پھر جہاں انہوں نے اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں تصرف کی قدرت کو امر واقع کے طور پر تسلیم کیا ہے' وہاں انہوں نے اسلام و ایمان کی قدروں کا خون کیا ہے۔ کئی سو صفحات پر زلزلہ کے مباحث اسی ایک موضوع کے گرد گھومتے رہے اور خدا کا شکر ہے کہ زیر نظر کتاب میں یہ موضوع واقعات کی منزل سے گذر کر اب علمی اور فکری سطح پر بھی بالکل نکھر گیا۔

تیسری بحث

جوابات کے بیان میں

"زلزلہ" میں علمائے دیوبند کے خلاف مسلک کا خون' مذہبی خودکشی' تضادات اور اکابر پرستی کے جو الزامات عائد کئے گئے ہیں' بریلوی فتنہ کے مصنفین نے ان میں سے صرف چند الزامات کا تذکرہ کیا ہے' باقی الزامات وہ اس طرح ہضم کر گئے ہیں جیسے ان کا سامنا کرتے ہوئے انہیں شرم محسوس ہو رہی ہو۔

اب جتنے الزامات کے وہ غلط سلط جوابات دے سکے ہیں ذیل میں ان کا تنقیدی جائزہ ملاحظہ فرمایئے تاکہ آپ بھی آنکھوں سے اس حقیقت کا نظارہ کرلیں کہ "زلزلہ" کے الزامات سے جاں بر ہونا آسان نہیں ہے۔

پہلا جواب

ارواح ثلاثہ کے حوالہ سے مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے متعلق زلزلہ میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ اپنے جسد خاکی کے ساتھ وہ اپنی قبر سے نکل کر دیوبند کے مدرسہ میں آئے اور بیداری کی حالت میں مولوی محمود الحسن صاحب سے ملاقات کی اور ان سے کچھ فرما کر پھر اپنی قبر کی طرف واپس لوٹ گئے۔

اس کے جواب میں بریلوی فتنہ کے مصنفین نے چند بزرگوں کے واقعات نقل کئے ہیں جنہوں نے وفات کے بعد عین بیداری کی حالت میں لوگوں سے ملاقات کی۔

مجھے سخت حیرت ہے ان کی کج فہمی پر کہ سلف کی کتابوں سے بزرگوں کے تصرف کے یہ واقعات نقل کرتے ہوئے انہوں نے قطعاً یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ

اپنے حق میں نہیں بلکہ ہمارے حق میں عقیدے کی صحت کی دلیل فراہم کر رہے ہیں۔ کیونکہ بزرگوں کے جتنے واقعات انہوں نے نقل کئے ہیں ان سے کم از کم اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کو تصرف کی قدرت عطا کی ہے جبکہ دیوبندی مذہب میں عطائی قدرت کا عقیدہ رکھنا بھی شرک ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے پچھلے اوراق میں کہیں اشارہ کیا ہے کہ اپنے بزرگوں کے واقعات کی صحت پر دلیل قائم کرتے ہوئے یہ نکتہ ان کی نگاہوں سے قطعاً اوجھل ہو گیا ہے کہ ان واقعات کے عین مخالف سمت میں ان کا ایک مذہب فکر بھی ہے۔

دوسرا جواب

مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے متعلق سوانح قاسمی کے حوالے سے زلزلہ میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ وفات کے بعد وہ اپنے ایک دیوبندی مناظر کی امداد کے لئے اپنے جسم ظاہری کے ساتھ مجلس مناظرہ میں تشریف لائے اور اپنے تصرف کی قدرت کا کرشمہ دکھا کر چلے گئے۔

اس واقعہ کے ذیل میں مولوی مناظر احسن گیلانی نے وفات یافتہ بزرگوں سے امداد کے مسئلے میں نہایت صراحت کے ساتھ اقرار کیا ہے کہ۔۔۔

وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں علمائے دیوبندی کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے۔
(سوانح قاسمی)

چند سطروں کے بعد اس سے بھی زیادہ واضح لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ:

"پس بزرگوں کو ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں"۔

ان کے اس بیان پر "زلزلہ" میں جو تنقید کی گئی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں:

گیلانی صاحب کے اس حاشیہ سے اتنی بات ضرور صاف ہو گئی کہ جو لوگ وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے قائل ہیں وہی فی الحقیقۃ اہل سنت و جماعت ہیں۔ اب انہیں بدعتی

کہہ کر پکارنا نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو جھٹلانا ہے بلکہ اخلاقی رذائل سے اپنی زبان و قلم کی آلودگی کا مظاہرہ بھی کرنا ہے۔
(زلزلہ ص ۷۷)

چند سطروں کے بعد یہ حصہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

اللہ اکبر! دیکھ رہے ہیں آپ! قصہ آرائی کو واقعہ بنانے کے لئے یہاں کتنی بے دردی کے ساتھ مولانا نے اپنے مذہب کا خون کیا ہے۔ جو عقیدہ نصف صدی سے پوری جماعت کے ایوان فکر کا سنگ بنیاد رہا ہے' اسے ڈھا دینے میں موصوف کو ذرا بھی تامل نہ ہوا۔

اس تنقید پر بریلوی فتنہ کے مصنفین اس بری طرح تلملا اٹھے کہ قلم کی شرافت بھی برقرار نہیں رکھ سکے ہیں۔ لکھنؤ کی بدنام زبان کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں --- تحریر فرماتے ہیں:۔

میں کہتا ہوں اور ارشد صاحب اور ان کے پورے گروہ کو چیلنج کر کے کہتا ہوں کہ ارشد صاحب نے یہاں شرمناک فریب اپنے ناظرین کو دیا ہے اور جس دیدہ دلیری کے ساتھ سو فیصدی جھوٹا دعوی کیا ہے اس کی مثال کسی ایسے شخص کی تحریر میں نہیں مل سکتی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی خدا کا خوف ہو یا کم سے کم شرم و حیا ہی کا مادہ ہو۔

حضرت مولانا اسماعیل شہید اور تمام علمائے دیوبندی کے نزدیک کسی وفات یافتہ بزرگ اور کسی مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا اور اس بنا پر ان سے مدد چاہنا بلاشبہ شرک ہے کہ وہ خود اپنی قدرت اور اپنے اختیار سے ہماری مدد کر سکتے ہیں یا ہم کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۳۸)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ ان کاموں کی ان

کے اندر خود اپنی قدرت نہیں ہے بلکہ خدا کی عطا کردہ ہے تو شرک نہ ہو گا۔

لیکن یہ معلوم کر کے آپ حیران رہ جائیں گے کہ ان کے یہاں خدا کی عطا کردہ قدرت ماننے کی صورت میں بھی شرک سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ ثبوت کے لئے تقویۃ الایمان کی عبارت کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیں۔

> پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بہ خود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۰)

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اپنے ناظرین کو فریب کون دے رہا ہے اور سو فیصدی جھوٹا دعویٰ کس نے کیا ہے۔

اس سے زیادہ شرمناک فریب اور کیا ہو سکتا ہے کہ الزام سے جان چھڑانے کے لئے اپنے شہید پر بھی بہتان تراشنے سے یہ لوگ باز نہیں آئے اور غلط طور پر ان کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ ان کے نزدیک شرک صرف اسی صورت میں ہے جبکہ یہ سمجھے کہ وہ خدا کی عطا کے بغیر خود اپنی قدرت سے ہماری مدد کر سکتے ہیں۔

لیکن محرومیوں اور نامرادیوں کا ماتم تو یہ ہے کہ اس دروغ بیانی اور بہتان تراشی کے بعد بھی "زلزلہ" کا یہ الزام اپنی جگہ پر ہے کہ مولوی مناظر احسن گیلانی نے وفات یافتہ بزرگوں سے امداد کے مسئلے میں نہایت بے دردی کے ساتھ اپنے مسلک کا خون کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آخری سطروں میں نہایت واضح طور پر اعتراف کر لیا ہے کہ:۔

> بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں۔ بلکہ اس امداد کے لئے بزرگوں کی یا ان کی قبروں کی یا ان کے آثار کی عبادت کو شرک یقین کرتے ہیں۔
>
> موحد اور مشرک کے نقطۂ نظر میں یہی جوہری فرق ہے۔۔
>
> (سوانح قاسمی)

اس عبادت میں تین باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ

"بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ان سے مدد طلب کرنے کے ہم منکر نہیں ہیں۔ کیونکہ نزاع اس بات میں نہیں ہے کہ خدا ان بزرگوں سے ہماری مدد کرائے تو ہمیں ان کی مدد قبول کرنی چاہیے یا نہیں، بلکہ نزاع کا محل یہ ہے کہ ان سے مدد طلب کرنی چاہیے یا نہیں؟

دوسری بات یہ کہ "ہم مدد لینے کو شرک نہیں کہتے بلکہ اس امداد کے لئے ان کی عبادت کو شرک قرار دیتے ہیں"۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ گیلانی صاحب کے نزدیک ان سے مدد طلب کرنا "عبادت" نہیں ہے بلکہ عبادت کا مفہوم کچھ اور ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اگر بزرگوں کی ارواح سے مدد طلب کرنا بھی عبادت ہوتا تو وہ صرف عبادت ہی کو شرک نہیں کہتے بلکہ مدد طلب کرنے کو بھی شرک قرار دیتے ـــــ اور ـــــ تیسری بات یہ کہ "موحد اور مشرک کے نقطۂ نظر میں یہی جوہری فرق ہے"۔ کہہ کر انہوں نے سارے الزامات کا ایسا دندان شکن جواب دے دیا ہے کہ اب کسی بحث کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔

کیونکہ "یہی جوہری فرق ہے"۔ صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ جیسے مشرکین اپنے بتوں سے مدد طلب کرتے ہیں ہم بھی اپنے بزرگوں کو ارواح سے مدد طلب کریں اور اس کے بعد دونوں کے درمیان یہ جوہری فرق نکالا جائے کہ مشرکین اپنے بتوں سے مدد بھی طلب کرتے ہیں اور امداد کے لئے ان کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہم اپنے بزرگوں کی ارواح سے صرف مدد طلب کرتے ہیں۔ امداد کے لئے ان کی عبادت نہیں کرتے بلکہ ان کی عبادت کو شرک یقین کرتے ہیں۔

اور اگر مشرکین اپنے بتوں سے مدد طلب کریں اور ہم اپنے بزرگوں کی ارواح سے مدد طلب کرنے کو شرک قرار دیں تو ایسی صورت میں عبادت کے ذریعہ فرق نکالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ فرق بتانے کے لئے ہمارا اور ان کا عمل ہی بہت کافی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ اس جواب الجواب کے بعد اب اس مسئلے پر بحث کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اب بریلوی فتنہ کے مصنفین میں ذرا بھی انصاف کا شائبہ ہو تو

وہ اپنے موقف پر نظر ثانی کریں اور ہٹ دھرمی سے باز آئیں۔

تیسرا جواب

"زلزلہ" میں تذکرۃ الرشید کے حوالے سے اپنے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ دعوی نقل کیا ہے' کہ

> سن لو! حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔ اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۷)

اس دعوے پر گنگوہی صاحب کے خلاف زلزلہ میں جو الزامات عائد کئے گئے تھے' وہ یہ ہیں:۔

> پاسداری کے جذبے سے الگ ہو کر صرف ایک لمحے کے لئے سوچئے! وہ یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ رشید احمد کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے' وہ حق ہے۔ بلکہ ان کے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ حق صرف رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے' دونوں کا فرق یوں محسوس کیجئے کہ پہلے جملے کو صرف خلاف واقعہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن دوسرا جملہ تو خلاف واقعہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس دور کے تمام پیشوایان اسلام کی حق گوئی کو ایک کھلا ہوا چیلنج بھی ہے۔
>
> ---
>
> اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ کسی کے اتباع پر نجات موقوف ہو یہ شان صرف رسول کی ہو سکتی ہے۔ نائب رسول ہونے کی حیثیت سے علماء کرام کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اتباع رسول کی دعوت دیں۔ اپنے اتباع کی دعوت دینا قطعاً" ان کا منصب نہیں ہے۔ لیکن صاف عیاں ہے کہ گنگوہی صاحب

اس منصب پر قناعت نہیں کرنا چاہتے۔ (زلزلہ ص ۱۳۷)

ان الزامات کے جواب میں بریلوی فتنہ کے مصنفین نے اٹھارہ صفحات سیاہ کر دیئے ہیں۔ لیکن اتنی عرق ریزی کے باوجود بات جہاں تھی وہاں سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔

رہ رہ کر مجھے ان غریبوں کی محنت پر ترس آتا ہے کہ بے چاروں نے پورے اخلاص کے ساتھ پہلو بدل بدل کر اپنے پیر مغاں کو شریعت کی زد سے بچانے کی بھرپور کوشش کی ہے لیکن نوشتہ تقدیر کو کون بدل سکتا ہے؟

پہلی ضرب

کبھی کہا ہے کہ "بہ قسم کہتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں"۔ کیا عجز و انکسار کا یہ جملہ ان کے دفاع کے لئے کافی نہیں ہے؟ کیا روئے زمین کا اتنا بڑا خاکسار منصب نبوت کا خواہش مند ہو سکتا ہے۔ میں عرض کروں گا ہو سکنے کا سوال نہیں بلکہ "ہے" کا سوال ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی بھی اپنے آپ کو ناچیز امتی کہتے کہتے نبوت کا مدعی بن بیٹھا۔ اور کچھ عجیب نہیں گنگوہی صاحب نے بھی یہ پیوند اس لئے مصلحت سے جوڑا ہو کہ جب پکڑے جائیں تو یہ کہہ کر اپنی جان چھڑا لیں۔

"کچھ نہیں ہوں" پر تو یہ حال ہے کہ سینے میں نبوت کا ارمان انگڑائی لے رہا ہے اور اگر خدا نخواستہ کچھ ہو گئے ہوتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ کیا قیامت برپا کرتے۔ گنگوہی صاحب نے "میں کچھ نہیں ہوں" کیا کہہ دیا کہ گویا ان کے لئے سات خون معاف ہو گئے۔ اب وہ جس کی حرمت کو بھی چاہیں قتل کریں، "کچھ نہیں ہوں" سے کون پوچھنے والا ہے۔

دوسری ضرب

اور دوسرا جواب ان لوگوں نے یہ دیا ہے کہ جن دنوں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کانپور میں رہتے تھے اور نوکری اور تنخواہ کے لالچ میں وہ میلاد بھی پڑھا

کرتے تھے اور قیام بھی کیا کرتے تھے۔ انہی ایام میں گنگوہی کے ساتھ بہت دنوں تک ان کی خط و کتابت بھی چلی تھی۔ اپنی جس تحریر میں گنگوہی صاحب نے انہیں میلاد و قیام سے روکا تھا۔ اس میں انہوں نے یہ نہیں لکھا تھا کہ "چونکہ میں کہتا ہوں کہ میلاد مروجہ کی شرکت ناروا ہے اس لئے بے چون و چرا مان لو۔" لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ وہ منصب نبوت کے خواہش مند نہیں تھے۔

میں عرض کروں گا کہ ہو سکتا ہے کہ خط و کتابت کا یہ سلسلہ اس دعوے سے پہلے کا ہو اور اگر بعد کا ہے تو ان کی تحریر ہی اس بات کے لئے کافی ہے کہ ان کا دعوی غلط تھا۔ کیونکہ جب دعویٰ یہ ہے کہ نجات موقوف ہے۔ ان کے اتباع پر تو پھر بات ماننے کے لئے اب چون و چرا کی گنجائش ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے۔

تیسری ضرب

تیسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ گنگوہی صاحب مجدد تھے اس لئے مجدد کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے مامور من اللہ اور مستحق اتباع ہونے کا اظہار بھی کرے لیکن منکرین و معاندین کے سامنے نہیں بلکہ صرف معتقدین کے سامنے۔

جواباً" عرض کروں گا کہ جب بات خلوت کی تھی تو کتاب کے ذریعہ جلوت میں کیوں لائی گئی۔ معتقدین تو اس سے بھی بڑا کفر ہضم کر سکتے تھے اور کر رہے ہیں لیکن جو لوگ حق کے معاملے میں اپنے اور بیگانے کا کوئی امتیاز روا نہیں رکھتے' وہ کیوں خاموش رہتے اور رہیں گے۔ اس لئے زلزلہ کے مصنف پر بخار اتارنے کے بجائے مولوی عاشق الٰہی میرٹھی پر کیوں نہ اتارا جائے' جنہوں نے گھر کی بات باہر والوں تک پہنچا دی۔

اس دعوے کی نظیر میں بریلوی فتنہ کے مصنفین نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے فیوض الحرمین سے شاہ صاحب کے نام خدا کا ایک الہام نقل کیا ہے کہ :۔

> ہم نے تجھ کو اس طریقے کا امام بنایا اور اس کی بلند ترین چوٹی

> تک پہنچایا۔ اور حقیقت قرب تک پہنچنے کے تمام راستوں کو سوائے ایک راستے کے بند کر دیا ہے اور وہ راستہ تیری محبت اور اطاعت کا راستہ ہے۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۵۷)

مجھے سخت حیرت ہے بریلوی فتنہ کے مصنفین کی کج فہمی اور ناوانی پر کہ اس الہام کو انہوں نے کس فائدے کے لئے نقل کیا ہے۔ کہاں حقیقت قرب تک پہنچنے کا مرحلہ اور کہاں نجات موقوف ہونے کا سوال؟ دونوں ایک کیونکر ہو سکتے ہیں۔ حقیقت قرب تک پہنچنا سب کا کام نہیں لیکن نجات حاصل کرنا تو سب کے لئے ضروری ہے۔

چوتھی ضرب

چوتھا جواب یہ ہے کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ :۔

> بعض علماء کا قول ہے کہ حکماء کے منہ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے ان کے منہ سے صرف وہ حق ہی نکلتا ہے جو اللہ ان پر کھولتا ہے۔
> (بریلوی فتنہ ص ۱۵۹)

صد حیف! یا تو امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات یہ لوگ نہیں سمجھ سکے یا پھر گنگوہی صاحب کا دعویٰ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترا۔ ان کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ ان کے منہ سے حق ہی نکلتا ہے بلکہ یہ ہے کہ حق صرف انہی کے منہ سے نکلتا ہے اور جہاں تک حضرت امام غزالی کی عبارت کا تعلق ہے تو اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حکماء کے منہ سے صرف حق ہی نکلتا ہے' اس عبارت میں یہ کہاں ہے کہ "حق صرف انہی کے منہ سے نکلتا ہے"۔
جو لوگ دعویٰ اور دلیل کا مفہوم بھی نہیں سمجھ سکتے افسوس کہ وہ مصنف بن گئے۔

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت

پانچویں ضرب

میں اخیر میں بریلوی فتنہ کے مصنفین کو متنبہ کروں گا کہ گنگوہی صاحب کے

اس دعوے کا جو مفہوم خود ان کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے سمجھا ہے وہ دیوبند برادری کے لئے حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں موصوف تحریر فرماتے ہیں :۔

ہدایت جس نے ڈھونڈی دوسری جگہ ہوا گمراہ وہ میزاب ہدایت تھے کہیں کیا نص قرآنی

یعنی جو گنگوہی صاحب کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہدایت کی تلاش میں گیا وہ گمراہ ہو گیا۔ اس کا مفہوم سوا اس کے اور کیا ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس سے جو شریعت محمدی سارے عالم کے لئے سرچشمہ ہدایت تھی وہ منسوخ ہو گئی اب ہدایت یافتہ صرف اسی کو سمجھا جائے گا جو گنگوہی صاحب کی نئی شریعت پر عامل ہو۔ یہ بالکل اسی دعوے کی توثیق ہے کہ حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے، یعنی اب حق وہ نہیں ہے جسے شریعت محمدی حق سمجھتی ہے بلکہ حق صرف وہ ہے جو گنگوہی صاحب کی زبان سے نکلتا ہے۔

ضرب ہی ضرب

اور غالباً" اپنے معتقدین کو یہی تاثر دینے کے لئے انہوں نے خدا کے ساتھ ہمکلامی کا دعویٰ بھی کیا ہے کہ:۔

> حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا"۔ (تذکرہ)

میں نے اس وعدہ خداوندی کے متعلق زلزلہ میں دیوبندی علماء سے دریافت کیا تھا کہ خدا کے ساتھ انہیں ہمکلامی کا شرف کب اور کہاں حاصل ہوا۔ لیکن کسی دیوبندی فاضل نے میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔

یہ سوال تو اپنی جگہ پر تھا ہی اب دارالعلوم دیوبند کے ایک فتوے کی روشنی میں مزید ایک نیا سوال اور دیوبندی علماء کے سروں پر مسلط ہو گیا ہے۔

پہلے سوال پڑھیے:۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ کلام فرمایا تو

اس پر اور اس کلام کو حق جاننے والا اور اس کے معتقد پر شرعاً کیا حکم ہو گا۔۔۔ (فتاوی دارالعلوم جلد، ہفتم ص ۱۸۱)

اب اس سوال کا جواب ملاحظہ فرمایئے، تحریر فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ کا کلام بالمشافہ اور بطور وحی کے خاصہ انبیاء علیہم السلام کا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعاً منقطع ہے اور مدعی اس کا کافر ہے۔ صرح فی شرح الشفاء وغیرہ۔ البتہ بصورت الہام عامہ مومنین کو حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن عرفاً اس کو کلام نہیں کہا جاتا۔ اس لئے ایسے الفاظ بولنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرمایا ہے اگر اس کی مراد یہ ہے کہ بطور وحی کے بالمشافہ فرمایا تب تو کفر ہے اور اگر مراد اس سے بطور الہام دل میں ڈالنا ہے تب بھی درست نہیں کیوں کہ اس میں ابہام ہوتا ہے ادعاء وحی کا اور کفر کے ابہام سے بچنا بھی ضروری ہے۔ (فتاوی دارالعلوم جلد ہفتم ص ۱۸۱)

اس فتوے کے مطابق گنگوہی صاحب کا یہ دعویٰ کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا، یا تو کفر ہو گا یا حرام؟ دونوں صورتوں میں یہ نقد الزام بہرحال قبول کرنا ہو گا کہ ان کے منہ سے غلط بات نکلی۔ اب بریلوی فتنہ کے مصنفین ارشاد فرمائیں کہ ان کی زبان سے غلط بات نکلوا کر معاذ اللہ حق تعالیٰ نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی یا نہیں؟

چوتھا جواب

"زلزلہ" میں ارواح ثلاثہ کے حوالے سے مولوی رشید احمد صاحب کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا گیا تھا کہ ایک دفعہ آپ جوش میں تھے، فرمایا کہ:۔

تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا فرمایا

کہہ دوں، عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمائیے!
فرمایا کہ اتنے سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ کے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش ہوا فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا بس رہنے دو۔
(ارواح ثلاثہ ص ۲۹)

اس پر "زلزلہ" میں یہ تنقید کی گئی تھی۔

یعنی معاذ اللہ خدا کا چرہ دل میں تھا۔ واضح رہے کہ یہاں بات مجاز و استعارہ کی زبان میں نہیں کی گئی ہے جو کچھ کہا گیا ہے وہ قطعاً" اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ اس لئے کہنے دیا جائے کہ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت اکرم کا نور نہیں ہے بلکہ خود حضور ہی مراد ہیں۔ کیونکہ نور ایک جوہر لطیف کا نام ہے۔ اس کے ساتھ ہمکلام ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔
اب اہل نظر کے لئے یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ بات اپنی فضیلت و بزرگی کی آگئی ہے تو سارے محالات ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہو گئے ہیں۔ اب یہاں کسی طرف سے یہ سوال نہیں اٹھتا کہ معاذ اللہ جتنے دنوں تک حضور آپ کے دل میں مقیم رہے، اتنے دنوں تک وہ اپنی تربت پاک میں موجود تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا اتنے دنوں تک تربت پاک خالی پڑی رہی۔
اور اگر موجود تھے تو پھر تھانوی صاحب کے اس سوال کا کیا جواب ہو گا جو انہوں نے محافل میلاد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے سوال پر اٹھایا ہے کہ:۔
"اگر ایک وقت میں کئی جگہ محفل میلاد ہو تو آیا سب جگہ تشریف لے جائیں گے یا نہیں؟ یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں

> جاویں کہیں نہ جاویں؟ اور اگر سب جگہ جاویں تو وجود آپ کا واحد ہے ہزار جگہ کس طور پر جا سکتے ہیں؟
>
> (فتاوی امدادیہ' زلزلہ ص ۱۳۵)

"یعنی معاذ اللہ اب خدا کا چہرہ دل میں تھا" پر بریلوی فتنہ کے مصنفین کی آہیلی کیفیت ملاحظہ فرمایئے' تحریر فرماتے ہیں:۔

> کس قدر جاہلانہ بات ہے؟ اگر آدمی جاہل مطلق نہ ہو تو اس میں معاذ اللہ کی کیا بات ہے؟ کیا معاذ اللہ معاذ اللہ خدا کا چہرہ اس آدمی کے نزدیک شیطان کا چہرہ ہے' جسے مومن کے دل میں نہیں ہونا چاہئے۔ یا لفظ چہرہ پر اعتراض ہے۔ اسے خبر نہیں قرآن میں کتنی جگہ **وجہہ اللہ وجہہ اللہ** کا لفظ آیا ہے جس کے معنی چہرہ ہی ہیں۔ (بریلوی فتنہ ص ۸۵)

افسوس! ان فضلائے دیوبند کو اب تک یہی نہیں پتہ کہ معاذ اللہ کا استعمال کب اور کہاں کیا جاتا ہے اگر وہ محل استعمال سے واقف ہوتے تو ایسا مہمل اعتراض ہرگز نہ کرتے۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ "خدا کا چہرہ میرے دل میں ہے یا یہ کہ دل میں تھا" کسی کا یہ دعویٰ ازروئے شرع قابل اعتراض ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں باہر سے کوئی دلیل پیش کرنے کے بجائے گھر ہی کا فتویٰ زیادہ مناسب ہے کہ یہاں چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

چنانچہ مفتیان مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کسی پیر صاحب کے بارے میں اسی طرح کے دعوے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> الجواب نمبر ۱۱۴۷:۔ اگر پیر صاحب متبع سنت اور اہل حق ہیں تو اس صورت میں اس کلام میں تاویل کی جائے گی اور اہل بدعت ہیں تو یہ زندقہ ہے۔ حررہ احقر عبدالعزیز عفی عنہ
>
> الجواب صحیح۔ یحیٰ غفرلہ۔ ۹۸-۱۵-۷ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم

سہارنپور

فرمایئے! خدا کی شان میں الحاد و زندقہ کی بات پر بھی اگر معاذاللہ نہیں کہا جائے گا تو پھر معاذ اللہ کہنے کی جگہ کونسی ہے، اور تاویل بھی تو اسی کلام میں کی جاتی ہے جس کا ظاہر خلاف شرع ہوتا ہے۔

اب میں بریلوی فتنہ کے مصنفین سے التماس کروں گا کہ وہ مظاہر علوم کے مفتیوں کو بھی اس نکتے سے باخبر کر دیں کہ قرآن شریف میں وجہ اللہ وجہ اللہ کا لفظ کتنی ہی جگہ آیا ہے اور اس کے معنی چہرہ ہی کے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے فتوے کی اصلاح کر لیں۔

"نور ایک جوہر لطیف ہے اس کے ساتھ ہمکلام ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں" پر اپنے قلم کا بخار اتارتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

> اس کو جہالت سمجھا جائے یا حضرت مولانا گنگوہی اور جماعت علمائے دیوبند پر اعتراض کا جنون کہ یہ مسلم حقیقت بھی یہاں علامہ ارشد صاحب کی نظر سے اوجھل ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ جو نور مجرد ہے مادیت کا سایہ بھی اس کے پاس نہیں' اس نور ہی نور سے حضرت موسیٰ اور حضور اقدس کو ہمکلامی کا شرف حاصل رہا ہے۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۶۵)

اس ساری بقراطی کا مطلب کیا ہوا؟ یہی نہ کہ بات چیت حضور سے نہ ہوئی حضور کے نور سے ہوئی کیونکہ حضور کا نور دل میں تھا' حضور دل میں نہیں تھے۔

اسی کو کہتے ہیں فہم و بصیرت کی یتیمی کہ جو لوگ اپنی کتاب بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے وہ مصنف بن گئے۔ ملاحظہ فرمایئے ارواح ثلاثہ کی یہ عبارت کتنی صاف ہے کہ :۔

> اتنے سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ کے پوچھے نہیں کی"۔

اور صاحب "زلزلہ" کا بھی یہی کہنا ہے کہ حضور سے حضور ہی مراد ہیں لیکن

لکھنؤ کے صاحبزادوں کا اصرار ہے کہ حضور سے حضور نہیں مراد ہیں بلکہ حضور کا نور مراد ہے، صاحب زلزلہ کی بات نہ رکھنی تھی نہ رکھتے، مگر کم از کم اپنے "امام ربانی" کی تو دنیا کے سامنے اتنی کھلی ہوئی تکذیب نہ کرتے کہ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اتنے سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور "برخوردار لوگ" تنے ہوئے ہیں کہ حضور نہیں تھے حضور کا نور تھا۔

اچھا چلئے میں آپ ہی کی بات مانے لیتا ہوں کہ حضور سے مراد حضور نہیں بلکہ حضور کا نور ہے۔ لیکن اس صورت میں آپ حضرات اپنے امام ربانی پر کیا قیامت ڈھا گئے اس کا بھی کچھ اندازہ لگایا ہے۔ موصوف کے دعوے کے یہ الفاظ ہیں کہ:۔

اتنے سال میرے قلب میں رہے کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اتنی مدت گزر جانے کے بعد اب وہ میرے قلب میں نہیں رہے اور چونکہ "حضرت" سے ان کی مراد حضرت نہیں بلکہ حضرت کا نور ہے تو اب نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نہ کہ نور کے رخصت ہو جانے کے بعد دل تاریکیوں کا مسکن بن گیا۔

اب اپنی منحوس کوشش کا انجام دیکھئے کہ مل جل کر آپ لوگوں نے اپنے امام ربانی کو دل کا سیاہ بنا ہی ڈالا اور یہ بھی اعتراف کر لیا کہ جب دل میں تصویر یار ہی نہ رہی تو گردن جھکا کر بھی کسی "اندھے" کو کیا نظر آتا۔ لہٰذا اب یہ شعر کہ۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

واپس لے لیں۔ کیونکہ آپ کے یہاں نہ "تصویر یار" ہی ہے اور نہ دیکھنے والی آنکھ ہی۔
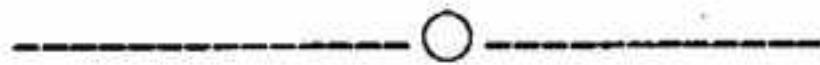
دیوبندیوں کی سیاسی تاریخ

پہلا مرحلہ سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے بیان میں

اس بحث کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ واقعہ بہت کافی ہے کہ اسے سر کرنے کے لئے دیوبندی جماعت کے عمائدین کو ایک نئے مصنف کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ دفاع کے لئے ایک ماہر فن کی حیثیت سے جناب مولوی عتیق الرحمٰن سنبھلی کی خدمات حاصل کی گئیں۔

موصوف نے اس موضوع پر زلزلہ کے الزامات کا جواب دینے کے لئے بڑے طنطنے کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ لیکن خدا نے چاہا تو چند ہی ورق کے بعد دیوبند کے دوسرے مصنفین کی طرح وہ بھی اپنا حشر دیکھ لیں گے۔

سنبھلی صاحب نے نہایت زور شور سے دیوبندی جماعت کی سیاسی تاریخ کے سلسلے میں ایک دعویٰ کیا ہے کہ:۔

> دارالعلوم دیوبند اور جماعت دیوبند کا معاملہ انگریزوں کے سلسلے میں ایسا نہیں ہے جس پر کوئی مدعی غبار اڑانے میں کامیاب ہو سکے یہ چاند پر تھوکنا اور سورج پر خاک اڑانا ہے، جس کا نتیجہ ازل سے ایک ہی رہا ہے۔
>
> ایک پوری تاریخ کو جو ہزاروں افراد کے جہاد و پیکار، قید و بند، مصائب و آلام اور جہد مسلسل کے واقعات سے بنی اور اس ملک کے چپہ چپہ پر نہیں اس سے باہر بھی خون اور پسینے کی روشنائی سے لکھی گئی۔ اور ۱۹۴۷ء تک تسلسل کے ساتھ لوگوں کی نظروں سے گزری ہے۔ ایسی تاریخ کو ایک ارشد القادری نہیں، ہزار دس ہزار قادری بھی چاہیں تو اسے چھپا دینے یا مسخ

کر دینے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ (بریلوی فتنہ ص ۱۷۷)

تاریخی دستاویزات

اب آنے والے اوراق میں تاریخی دستاویزات کا ایک طویل سلسلہ پڑھئے جس سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ ارشد القادری نے تاریخ مسخ کی ہے یا تاریخی حقائق کے چہرے سے نقاب الٹ کر حقیقت اور افسانے کا فرق واضح کیا ہے۔

دیوبند کے جملہ افسانہ نگار انگریزوں کے خلاف اپنے جہاد کا قصہ مولوی سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی سے شروع کرتے ہیں اس لئے جھوٹ کا پردہ بھی میں وہیں سے فاش کرنا چاہتا ہوں۔

منشی محمد جعفر تھانیسری کی سوانح احمدی و تواریخ عجیبہ اور مرزا حیرت دہلوی کی حیات طیبہ' یہ دونوں کتابیں مولوی سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے حالات میں ایک قابل اعتماد ماخذ کی حیثیت سے دیوبندی حضرات کو بھی مسلم ہیں جیسا کہ مولوی منظور نعمانی الفرقان کے شہید نمبر میں لکھتے ہیں۔

> دوسری کتاب مرزا حیرت مرحوم کی حیات طیبہ ہے جو شاہ اسماعیل کی نہایت مبسوط سوانح عمری ہے۔
> (الفرقان شہید نمبر ۱۳۵۵ھ ص ۵۱)

اور سوانح احمدی کے سلسلے میں مولوی ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب سیرت سید احمد شہید میں یوں رقم طراز ہیں :۔

> سوانح احمدی و تواریخ عجیبہ اردو' پہلی کتاب سید صاحب کے حالات میں مقبول و مشہور کتاب ہے جس سے سید صاحب کے حالات کی بہت اشاعت ہوئی۔ (سیرت سید احمد ص ۸)

دیوبندی حلقے میں ان دونوں کتابوں کی ثقاہت واضح ہو جانے کے بعد اب سید صاحب کے بارے میں منشی محمد جعفر تھانیسری کا یہ بیان پڑھئے۔ سبب تالیف پر روشنی

ڈالتے ہوئے موصوف تحریر فرماتے ہیں :۔

> ڈاکٹر ہنٹر صاحب اور دوسرے متعصب مؤلفوں نے سید صاحب جیسے خیر خواہ اور خیر اندیش سرکار انگریزی کے حالات کو بدل سدل کر ایسے مخالفت کے پیرایہ میں دکھلایا ہے کہ جس سے ہماری فاتح قوم (انگریزوں) کو آپ کے پیرو لوگوں سے سخت نفرت ہو گئی ہے۔ پس اس دھوکا بازی اور غلط فہمی کے دور کرنے کے واسطے میں نے ضروری سمجھا کہ سید صاحب کی کل سوانح عمری اور مکاتیب کو جمع کر کے آپ کے صحیح خیالات اور واقعی تحریرات کو پبلک کے سامنے پیش کر کے اس خیال باطل کو ان کے دل سے دور کر دوں۔
>
> آپ کی سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں کھلے کھلے اور اعلانیہ طور پر سید صاحب نے بدلائل شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت سے منع کیا ہے۔ (سوانح احمدی ص ۲۲۶، مطبوعہ اسٹیم پریس لاہور)

خدارا انصاف کیجئے! سید صاحب پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کے دشمنوں اور بدخواہوں نے جو الزام ان کے خلاف تراشا تھا آج کے دیوبندی علماء اسے اپنے اکابر کی سیاسی تاریخ کہنے لگے اور سر پیٹ لینے کی جا ہے کہ جس "خیال باطل" کے ازالہ کے لئے سوانح احمدی جیسی کتابیں لکھی گئیں اسے نادان دوستوں نے اپنا سیاسی عقیدہ بنا لیا۔

دنیا کی تاریخ میں کسی بھی مذہبی پیشوا کو اس کے ماننے والوں نے شاید ہی اتنے منظم طریقے سے بدنام کیا ہو۔

سبب تالیف معلوم ہو جانے کے بعد اب ذیل میں سوانح احمدی کے مزید اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ ایک جگہ سید صاحب اور انگریزوں کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

> اس سوانحہ اور مکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری (یعنی برطانوی مقبوضات کو) اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی۔ مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔
>
> (سوانح احمدی ص ۱۳۹)

اور اس سلسلے میں سب سے بڑا نقد الزام تو یہ ہے کہ خود مولوی منظور نعمانی نے اس روایت کو مشہور روایت سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے الفاظ یہ ہیں :۔

> مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا۔ بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی۔ (الفرقان کا شہید نمبر ص ۷۸)

انگریزوں کی حمایت میں فتویٰ

اور غلامانہ کردار کی انتہا یہ ہے کہ انگریزوں کی حمایت میں شرمناک فتوے بھی دیے گئے ہیں یہاں تک کہ انگریزوں کے خلاف اہل اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت کو شریعت کا نام لے کر کچل دینے کی ناپاک سازش بھی کی گئی۔

ثبوت کے لئے سوانح احمدی کے مصنف کا یہ بیان پڑھئے لکھتا ہے کہ:۔

> یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل دہلوی وعظ فرما رہے تھے' ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے روریا اور

غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد درست نہیں۔
(سوانح احمدی ص ۵۷)

انگریزوں کی حمایت میں اب اس سے بھی زیادہ واضح، اور بوجھل فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔ حیات طیبہ کے مصنف مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:۔

کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی تو ایک شخص نے دریافت کیا آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں۔ ایک تو ان کی رعیت ہیں دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے۔
بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ برطانیہ پر آنچ نہ آنے دیں۔
(حیات طیبہ ص ۲۹۱) (مطبع فاروقی بحوالۂ اعیان وہابیہ)

جہاد کے خلاف فتویٰ

یہ تو رہا مولوی اسماعیل دہلوی کا فتویٰ اب جناب سید احمد صاحب بریلوی کے فتوے بھی پڑھ لیجئے۔ سوانح احمدی کا مصنف ان کے فتوے کا ایک ٹکڑا نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلاسبب گراویں۔ (سوانح احمدی ص ۷۱)
اسی کتاب کی ایک اسلام شکن روایت اور ملاحظہ فرمائیے:۔
آپ (سید احمد بریلوی) کے سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں کھلے کھلے اور اعلانیہ طور پر

> سید صاحب نے بدلائل شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت سے منع کیا ہے۔ (سوانح احمدی ص ۲۴۶)

اب مذکورہ بالا فتووں کے ان الفاظ پر ذرا سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائیں۔

☆ کسی طرح بھی جہاد درست نہیں'۔

☆ جو ان پر حملہ آور ہو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان سے لڑیں۔

☆ ان پر جہاد کرنا اصول مذہب کے خلاف ہے۔

☆ شریعت نے ان کی مخالفت سے منع کیا ہے۔

فتووں کے یہ الفاظ اگر حقیقت پر مبنی ہیں تو مجھے تعجب ہے کہ شریعت کے اتنے واضح اور سخت احکام کے باوجود بھی دیوبندی مصنفین اپنے اکابر کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنے اکابر کے خلاف یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے مذہبی اصولوں کا خون کیا۔ شریعت کے احکام کی کھلی ہوئی خلاف ورزی کی۔ ایسا کام کیا جو کسی طرح درست نہیں تھا اور فرض ترک کرکے گناہوں کا وبال الگ اپنے سر لیا۔

اگر اس کے بعد بھی دیوبندی علماء کو اصرار ہے کہ ان کے اکابر نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے اپنے اکابر کے اعتقاد و عمل کے درمیان تضاد تسلیم کریں اور یہ نیا الزام ان کے سر سے اٹھائیں کہ شریعت کے اصولوں کا خون کرنے کے بعد اب انہیں دینی پیشوائی کے منصب پر فائز رہنے کا جواز کیا ہے؟

سازش کا ثبوت

دیوبندی اکابر کے خلاف تاریخ کا صرف اتنا ہی الزام نہیں ہے کہ انہوں نے ملک پر انگریزوں کا تسلط برقرار رکھنے کے لئے شرمناک فتوے دیئے اور ان کے خلاف جہاد کی اسپرٹ کو کچل دینے کے لئے شریعت کا نام استعمال کیا' بلکہ انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک تنخواہ دار ایجنٹ کی طرح ملک کے ذی اثر لوگوں

کا استحصال بھی کیا اور انہیں طرح طرح کے سبز باغ دکھلا کر انگریزوں کا ہمنوا بھی بنایا جیسا کہ مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب حیات طیبہ میں لکھتے ہیں:۔

> لارڈ ہسٹنگ' سید احمد کی بے نظیر کارگذاریوں سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں سے تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں' لارڈ ہسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیرخاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔ (حیات طیبہ ص ۲۹۴)

اردو زبان میں شیشے میں اتارنے کا محاورہ کیا ہے اور یہ کہاں استعمال ہوتا ہے آپ اس سے بے خبر نہ ہوں گے۔

ہندوستان کے ذی اثر امراء والیان ریاست' اور ملک کے بہادروں کو سبز باغ دکھلا دکھلا کر انگریزوں کا حامی و طرف دار بنانے ہی کا یہ صلہ تھا کہ کمپنی کا سالانہ عملہ ان حضرات کی خدمت گذاری اور اعزاز و اکرام کے لئے ہروقت تیار رہتا تھا۔

چنانچہ مولوی ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب سیرت سید احمد شہید میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ کہیں جاتے ہوئے سید صاحب کا قافلہ کشتیوں پر سوار ہو کر ایک مقام سے گذر رہا تھا کہ:۔

> اتنے میں دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں۔ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا۔ اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر دیئے تھے کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انہوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں۔ یہ اطلاع پا کر غروب آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا۔

تیار کرا کے لایا ہوں۔ سید صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے۔ کھانا لے کر قافلہ میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا۔

(سیرت سید احمد شہید ص ۱۹۰)

اب آپ ہی خدا لگتی کہیے کہ اگر سید صاحب انگریزوں کے مخصوص آلۂ کار اور پسندیدہ ایجنٹ نہیں تھے تو کھانے کے لئے تین دن سے ان کا انتظار کیوں ہو رہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کمپنی کی حکومت نے اپنے عملے کو ہدایت کر دی ہو گی کہ وہ جہاں سے گذریں ان کی آسائش کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

اب نوازش و اکرام اور اعزاز توقیر کا ایک ایسا منظر دیکھیے جو بہت دیر تک آپ کو حیرت زدہ رکھے گا۔

علی میاں اپنی اسی کتاب میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:۔

قلعہ الہ آباد میں جو مسلمان سپاہی مختلف خدمات پر متعین تھے اور تین سو کی تعداد میں تھے۔ انہوں نے انگریز قلعہ دار کی اجازت سے حضرت کو قلعہ میں تشریف لانے کی زحمت دی۔ شہ نشین پر جو سلاطین سابق کی تخت گاہ تھی آپ کو بٹھایا اور بڑے خلوص و اعتقاد کے ساتھ بیعت کی۔ (سیرت سید احمد ص ۱۹۶)

ایک موٹی عقل کا آدمی بھی اتنی بات بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جنگی سازوسامان اور فوجی تیاریوں کے لحاظ سے قلعہ کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی حکومت بھی اپنے کسی دشمن کو ایسے مقام پر جانے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتی اور نہ حکومت کے ملازمین ایسے مخدوش لوگوں کے ساتھ اپنا کوئی تعلق ہی ظاہر کر سکتے ہیں۔

اس لئے ماننا پڑے گا کہ انگریزوں کے ساتھ سید صاحب کے تعلقات انتہائی دوستانہ بلکہ رازدارانہ تھے۔

مصنوعی الہامات

مذکورہ بالا تاریخی دستاویزات پڑھنے کے بعد جہاں آپ اس دعوے کی صحت پر

اطمینان محسوس کریں گے کہ سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کے متعلق انگریزوں کے خلاف جہاد و پیکار کا دعویٰ بالکل افسانہ ہے وہیں دماغ کی سطح پر ایک نیا سوال یہ بھی ابھرے گا کہ سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے ہندوستان کے طول و عرض میں چاروں طرف گھوم گھوم کر سرفروشوں کا جو لشکر جمع کیا تھا کیا وہ بھی افسانہ ہے؟

میں عرض کروں گا وہ افسانہ نہیں' بالکل امر واقعہ ہے لیکن وہ لشکر کن لوگوں سے لڑنے کے لئے جمع کیا گیا تھا' بجائے اس کے کہ میں اس حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھاؤں خود سید احمد صاحب ہی کی زبانی سنئے۔

سوانح احمدی کا مصنف ان الفاظ میں ایک الہام نقل کرتا ہے جو خدا کی طرف سے ان پر وارد ہوا تھا:۔

اما بیان الہام پس فقیر (سید احمد) از پردۂ غیب بہ بشارات ربانی باستیصال کفار و رازمویاں (سکھ) ماموراست۔ (سوانح احمدی ص ۱۸۰)

الہام کی تفصیل یہ ہے کہ مجھ کو خدا وندی بشارتوں کے ساتھ سکھوں کا وجود ختم کردینے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی سوانح احمدی میں دوسری جگہ خود ان کا اپنا بیان ان الفاظ میں نقل ہوا ہے' ارشاد فرماتے ہیں:۔

نہ باکسے از امرائے مسلمین منازعت دارم و نہ باکسے ازروسائے مومنین مخالفت' نہ باکفار لئام مقابلہ داریم نہ با مدعیان اسلام صرف بادراز مویاں (سکھوں) مقاتلہ بہ باگلہ گویاں' واسلام جویاں' نہ باسرکار انگریزی مخاصمت داریم و نہ' ہیچ راہ منازعت کہ از رعایائے او ہستیم۔

میرا جھگڑا نہ مسلمان رئیسوں اور اہل ایمان فرماں رواؤں کے ساتھ ہے اور نہ میرا مقابلہ کفار ناہنجار کے ساتھ۔ بلکہ میری لڑائی جو کچھ ہے وہ صرف سکھوں کے ساتھ ہے۔ سرکار انگریزی کے ساتھ بھی نہ میری کوئی دشمنی ہے اور نہ کسی طرح کی مخالفت کہ ہم ان کی رعایا ہیں۔

اتنے صاف و صریح بیان کے بعد اب یہ سمجھنے کے لئے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کی جنگی تیاریاں انگریزوں کے خلاف نہیں تھیں بلکہ صرف سکھوں کے خلاف تھیں۔

سکھوں کے خلاف جہاد کا راز

تاریخ کی یہ کڑی بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ صرف سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کرنے میں کیا مصلحت تھی۔ جہاں تک میں نے سمجھا ہے۔ اس میں بھی انگریز ہی کی سازش کار فرما تھی۔ کیونکہ انگریز چاہتا تھا کہ مسلمانوں کا لڑنے والا طبقہ "اسلامی جہاد" کے نام پر پورے ملک سے اکٹھا کیا جائے اور انہیں کسی سخت مہم پر بھیج دیا جائے تاکہ مسلمانوں کی عسکری طاقت جو دارالخلافہ دہلی کے دفاع پر صرف ہوئی وہ کہیں اور ضائع ہو جائے۔ اور انگریزوں کا دوسرا مدعا یہ تھا کہ سید صاحب کا یہ لشکر اگر غالب آگیا تو ان کے ذریعہ پنجاب پر تسلط کا مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ سید صاحب انگریز ہی کے آدمی تھے۔ اس لئے ان کی فتح دوسرے لفظوں میں انگریز ہی کی فتح تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ معرکہ بالا کوٹ کے پندرہ دن کے بعد سارا پنجاب سکھوں کے ہاتھوں سے نکل کر انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔

ثبوت کے لئے سوانح احمدی کی یہ روایت پڑھیے۔ مصنف لکھتا ہے کہ:-

> اور آخرکار ۱۸۴۵ء میں یعنی معرکہ بالا کوٹ کے پندرہ دن بعد کل سلطنت پنجاب سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ہماری عادل سرکار کے قبضے میں آگئی۔ (سوانح احمدی ص ۱۳۸)

تاریخ کو اس بنیادی سوال کا آج تک کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا گیا ہے کہ معرکہ بالا کوٹ کا انجام کیا ہوا۔ سکھوں کے مقابلے میں اگر سید صاحب کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی تھی تو جہانبانی کے دستور کے مطابق پنجاب پر فاتح قوم کی حکومت ہونی چاہئے تھی۔ اور اگر سکھ غالب آگئے تھے تو ان کی حکومت اور پائیدار ہو جانی چاہیے تھی۔ لیکن تاریخ کا یہ عجیب و غریب حادثہ سمجھ میں نہیں آتا کہ معرکہ بالا کوٹ کے

پندرہ دن کے بعد سارا پنجاب انگریزوں کے قبضہ میں کیونکر چلا گیا۔

اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ سید صاحب کی یہ ساری جنگی تیاری اور لشکر کشی نہ کسی اسلامی ریاست کے قیام کے لئے تھی اور نہ سکھوں کی ظالم حکومت کو ختم کر کے اس کی جگہ پر اپنے ہی ملک کے کسی انصاف پسند شخص کی حکومت کا قیام ان کے پیش نظر تھا۔ بلکہ انگریزوں کے ایک آلۂ کار کی حیثیت سے ان کی ساری جدوجہد کا نشانہ صرف یہ تھا کہ پنجاب میں انگریزوں کا کسی طرح تسلط ہو جائے۔

اور انگریزوں کی نظر میں پنجاب کی سر زمین کی اہمیت اس لئے تھی کہ دارالخلافہ دہلی کو بچانے کے لئے باہر سے اسلامی عساکر کی وہ گذرگاہ تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پورے پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد دارالخلافہ دہلی کا وجود خطرے میں پڑ گیا اور آہستہ آہستہ انگریزوں کی ریشہ دوانیوں سے وہ سیاہ دن بھی آیا کہ لال قلعہ دہلی پر برٹش امپائر کا یونین جیک لہرانے لگا اور پھر وہاں سے سارے ملک پر انگریزوں کے تسلط کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔

شرمناک فریب

یہ معلوم کر کے آپ کی آنکھوں میں خون اتر آئے گا کہ انگریزوں کا یہ مدعا پورا کرنے کے لئے ان پارساؤں نے سادہ لوح مسلمانوں کو تاریخ کا ایسا شرمناک فریب دیا کہ اس کی مثال ماضی میں مشکل ہی سے ملے گی۔ تواریخ عجیبہ کے مصنف کی روایت کے مطابق فارسی زبان میں چند عبارتیں تیار کی گئیں اور انہیں خداوندی الہامات کا نام دے کر مسلمانوں کو ترغیب دی گئی کہ ہم اس جہاد کے لئے خود آمادہ نہیں ہوئے ہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہمیں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی فتح و نصرت کی یقینی طور پر بشارت بھی دی گئی ہے بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ الہامات کی جو عبارتیں ہم لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہیں، نہ اس میں کسی شیطانی وسوسے کو دخل ہے نہ نفس کی کوئی شرارت اس میں شامل ہے۔ نمونے کے طور پر اس طرح کے الہامات کی ایک دو عبارتیں آپ بھی سن لیں۔

فقیر دریں باب بہ اشارات غیبی مامور است و بہ بشارات لاریبی مبشر، ہرگز ہرگز شعبہ وسوسہ شیطانی و شائبہ ہوائے نفسانی بایں الہام رحمانی ممتزج نیست۔ (سوانح احمدی ص [illegible]) دوسرے موقع کا ایک الہام یہ ہے:۔

خدا کی طرف سے مجھے جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور فتح کی بشارت بھی۔ اس الہام خداوندی میں نہ شیطانی وسوسہ کو کوئی دخل ہے اور نہ نفسانی شرارت کا کوئی شائبہ۔

ایں جانب بارہا از پردۂ غیب و مامن لاریب بہ کلام روحانی و الہام ربانی درمقدمہ اقامت جہاد و ازالۂ کفر و فساد بہ اشارات صریح مامور گشتہ و دربارۂ نصرت و فتح بہ بشارات صادقہ مبشر شدہ۔ (سوانح احمدی ص ۱۸۱)

مجھے بارہا پردہ غیب سے خداوندی الہامات کے ذریعہ صریح طور پر جہاد کرنے اور کفر و فساد کے زائل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور فتح و نصرت کی سچی بشارتوں سے بھی مجھے نوازا گیا ہے۔

سادہ لوح مسلمانوں کو ان الہامات کی سچائی کا یقین دلانے اور دربار خداوندی میں اپنے تقرب خاص کا پروپیگنڈہ کرانے کے لئے مولوی نجم الاسلام پانی پتی کے حوالے سے ایک روایت یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ:۔

> ایک روز سید صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بصیرت عنایت کی ہے کہ میں دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ بہشتی ہے یا دوزخی؟ اس وقت مولوی صاحب نے پوچھا کہ میں کس فریق میں ہوں آپ نے فرمایا تم تو شہید ہو۔
>
> (سوانح احمدی ص ۷۲)

دیانت داری کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ یہ صریح غیب دانی کا دعویٰ ہے یا نہیں؟ "اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بصیرت عطا کی ہے کہ میں دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ" اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا نے غیب دریافت کرنے کی قوت ہی مجھے عطا کر دی ہے اور میں اس قوت کے ذریعہ کسی کے متعلق بھی صرف دیکھ کر یہ

بتا سکتا ہوں کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی؟ واضح رہے کہ کسی کا جنتی یا جہنمی ہونا غیب ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

اب ڈوب مرنے کی بات تو یہ ہے کہ تقویۃ الایمان کے مصنف مولوی اسماعیل دہلوی کے نزدیک پیغمبر اسلام کے حق میں ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ لیکن ان کے پیر و مرشد احمد صاحب بریلوی خود اپنے بارے میں یہ صاف و صریح دعویٰ کر رہے ہیں تو وہ مومن ہی نہیں بلکہ "امیرالمومنین" ہیں۔

تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

میدان جنگ سے فرار

اب یہ کہانی جہاں جا کر ختم ہوتی ہے۔ وہ عبرت ناک مقام بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے بھی اس کا دیکھنا ضروری ہے کہ وہیں سے ایک انتہائی شرمناک فریب اور عالمگیر جھوٹ کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ اس سلسلۂ کار زار کا آخری میدان بالا کوٹ ہے۔ یہی وہ مقتل ہے جہاں اسلامی جہاد کے نام پر سید احمد صاحب بریلوی نے ہزاروں مسلمانوں کا گلا کٹوایا اور جب اپنی جان کے لالے پڑ گئے تو انتہائی بے غیرتی کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب اس دعوے کے ثبوت میں دیوبندی تاریخ کی یہ شہادتیں پڑھیے۔

مولوی منظور نعمانی الفرقان کے شہید نمبر میں لکھتے ہیں:۔

> سید صاحب خود بھی مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد کسی نے سید صاحب کو نہ دیکھا۔ (الفرقان شہید نمبر ص ۹۱)

اب سوانح احمدی کی یہ مسلسل روایتیں ملاحظہ فرمایئے:۔

> سید صاحب مثل شیر اپنی جماعت میں کھڑے تھے کہ اس وقت یک بیک آپ نظروں سے غائب ہو گئے۔ (ص ۱۳۶)
>
> غازیوں نے سارا میدان جنگ ڈھونڈ مارا مگر سید صاحب کا پتہ نہ ملا۔ (سوانح احمدی ص ۱۳۶)

ہو سکتا ہے کہ سید صاحب عین میدان جنگ میں دشمن کے حملے کا شکار ہو گئے ہوں' اس لئے لاشوں کے انبار میں بھی انہیں تلاش کیا گیا۔

تذکرۃ الرشید کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔

کہ جب لاشیں سنبھالی گئیں تو سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پتہ نہ لگا۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۷۰)

اور مولوی منظور نعمانی کی تحقیق یہ ہے کہ:۔

شاہ صاحب (یعنی مولوی اسماعیل صاحب دہلوی) کی قبر اب تک موجود ہے لیکن سید صاحب کی قبر کا اب تک پتہ نہیں۔

(الفرقان شہید نمبر ص ۶۱)

سید صاحب نہ میدان جنگ میں نظر آئے' نہ زخمیوں میں دیکھے گئے اور نہ مقتولوں کی لاشوں میں کسی کو ملے' پھر آخر وہ کیا ہوئے؟ اب ان ساری روایات کا نتیجہ سوا' اس کے اور کیا برآمد ہو سکتا ہے کہ وہ عین مقابلے کے وقت میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔

اب اس مقام پر اس سے زیادہ اور مجھے کچھ نہیں کہنا ہے کہ سید صاحب کو جہاد کا حکم خدا کی طرف سے ملا تھا اور وہ اپنی جان بچا کر میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ لہٰذا قرآن مجید میں پیٹھ دکھا کر میدان جنگ سے بھاگنے والوں کے لئے جو وعید آئی ہے وہ سید صاحب اور ان کے بھاگنے والے ساتھیوں پر یقیناً" نافذ ہو گئی۔

وعید کے الفاظ یہ ہیں:۔ **فقد باء بغضب من الله وما وله جهنمه و بئس المصير** ○ (ایسا شخص) یقیناً" اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ پلٹنے کی نہایت بری جگہ ہے۔

نتیجے کے استخراج پر دیوبندی علماء ہمیں کوئی الزام نہ دیں کیونکہ سید صاحب کے جرم کا ثبوت انہی کی مرتب کردہ تاریخ نے فراہم کیا ہے۔ قرآن نے صرف سزا سنائی ہے۔

فریب کا پردہ چاک

تاریخی شہادتوں سے یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ وہ میدان جنگ سے بھاگ گئے ایک نیا سوال یہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ وہ بھاگے تو آخر کہاں گئے۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ زمین نے انہیں نگل لیا ہو یا آسمان پر وہ زندہ اٹھا لئے گئے ہوں۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی دیوبندی مصنّفین نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ طے کر دیا ہے۔ چنانچہ تذکرۃ الرشید کا مصنف انہیں تلاش کرنے والی ایک ٹیم کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا یہ بیان نقل کرتا ہے کہ:۔

> ہم انہیں دنوں سید صاحب کو ایک پہاڑ میں تلاش کر رہے تھے دفعتہ" کچھ ہی فاصلے پر گڑگڑاہٹ سنا۔ میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا کہ سید صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے۔ سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں۔
> مجبور ہو کر ہم لوگوں نے فلاں شخص کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے اور ان سے بیعت کی ہے۔ آپ نے اس پر تحسین کی اور فرمایا ہم کو غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اس لئے ہم نہیں آسکتے۔
> (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۷۱)

اس کتاب میں اس طرح کی متعدد روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سید صاحب شہید نہیں ہوئے بلکہ شیعوں کے امام غائب کی طرح وہ اب تک زندہ ہیں اور کسی غار میں چھپے ہوئے ہیں۔

یہ میرا الزام نہیں ہے بلکہ ان کے متعلق دیوبندی علماء کا یہی خیال ہے کہ وہ آج بھی زندہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ سوبھاش چندر بوس کی طرح وہ اچانک کسی دن ظاہر ہو جائیں۔ جیسا کہ تذکرۃ الرشید کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔

> منشی محمد ابراہیم صاحب نے کہا کہ سید صاحب تیرھویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوئے تھے اور اب ۱۳۱۸ھ میں ممکن ہے کہ حیات ہوں۔ انہوں نے جب ممکن کیا تو امام ربانی (مولوی رشید احمد

گنگوہی) نے ارشاد فرمایا بلکہ اکمن ہے۔ (یعنی بہت ممکن ہے)
(تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۷۱)

میزان منشعب کے طلبہ بھی گنگوہی صاحب کے "اکمن" پر انگشت بدنداں رہ جائیں گے کہ دیوبندیوں کے "امام" ہو کر انہیں فن صرف کے ابتدائی مسائل بھی نہیں معلوم۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ جب دیوبندی روایات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ بالا کوٹ کے میدان میں کسی کے ہاتھ سے قتل نہیں ہوئے بلکہ اب تک زندہ ہیں تو دیوبندی مصنفین اس الزام کا جواب دیں کہ وہ انہیں شہید کیوں لکھتے ہیں--- جیسا کہ مولوی ابوالحسن علی صاحب ندوی نے اپنی کتاب کا نام ہی "سیرت سید احمد شہید" رکھا ہے۔

اگر واقعتہ" وہ شہید ہیں تو کیا دیوبندی مصنفین ان سوالات پر تاریخی شہادتیں فراہم کر سکتے ہیں کہ وہ کہاں شہید ہوئے؟ کب شہید ہوئے کس کے ہاتھ سے شہید ہوئے، کس نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، کہاں انہیں دفن کیا گیا اور کس نے انہیں دفن کیا اور آج ان کی قبر کہاں ہے؟

اور دیوبندی تاریخ کی غلط بیانیوں کا سب سے سنگین الزام تو یہ ہے کہ واقعتہ" اگر وہ شہید ہیں تو اس الہام کا کیا جواب ہو گا، جس کا اظہار خراسان جاتے وقت انہوں نے اپنی بہن کے سامنے کیا تھا کہ:-

اے میری بہن! میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔ اور یہ یاد رکھنا کہ جب تک ہند کا شرک اور ایران کا رفض اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مردہ سنت زندہ نہ ہو لے گی اللہ رب العزت مجھے نہیں اٹھائے گا۔ اگر قبل از ظہور ان واقعات کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو دے اور تصدیق خبر پر حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے روبرو مر گیا یا مارا گیا تو تم ان کے قول پر ہرگز اعتبار نہ کرنا۔

کیونکہ میرے رب نے مجھ سے وعدۂ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مجھ کو مارے گا۔ (سوانح احمدی مطبوعہ اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ص ۷۲)

دم رخصت بہن کو دھوکا دینے کا الزام تو اپنی جگہ پر ہے لیکن کتنا بڑا غضب یہ ہے کہ ہندوستان کا شرک' ایران کا رفض' چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق ابھی جوں کا توں موجود ہے اور خدا نے وعدۂ واثق کے باوجود انہیں دنیا سے اٹھا لیا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اقبال کا یہ شعر پڑھنے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے۔

خداوند یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے' سلطانی بھی عیاری

اور جہاں طرح کی عیاری جمع ہو جائے تو پھر "سادہ دل بندوں" کی تباہ کاریوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟

دوسرا مرحلہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بیان میں

عام طور پر دیوبندی مصنفین تھانہ بھون کے قریب تحصیل شاملی کے میدان میں واقع ہونے والی ایک جھڑپ کا رشتہ انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کے غدر سے جوڑتے ہیں اور دیوبندی روایت کے مطابق چونکہ اس جھڑپ میں حضرت شاہ امداد اللہ صاحب' مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی' مولوی قاسم نانوتوی اور حافظ ضامن صاحب شریک تھے اس لئے ان حضرات کے متعلق وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دیوبندی جماعت کے یہ اکابر ۵۷ء کے غدر کے مجاہدین ہیں۔ اب میں آنے والے اوراق میں خود دیوبندی کتابوں کی شہادتوں سے آفتاب نیم روز کی طرح ثابت کروں گا کہ شاملی کے میدان کے واقعے کو انگریزی سرکار کے خلاف جہاد قرار دینا تاریخ کا انتہائی شرمناک جھوٹ ہے۔

حقیقت کا بے نقاب چہرہ

حقیقت کے چہرہ سے نقاب الٹنے کے لئے سب سے پہلے آپ کو یہ معلوم کرانا

چاہتا ہوں کہ تحصیل شاملی کے میدان کا اصل واقعہ کیا ہے؟ اور وہ کیونکر پیش آیا۔ چنانچہ تذکرۃ الرشید کے مصنف افسانہ جہاد کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ۱۸۵۷ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی قدس سرہ' (مولوی رشید احمد گنگوہی) پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی۔
>
> (تذکرۃ ج ا ص ۷۳)

واضح رہے کہ مصنف کے نزدیک مفسدوں سے مراد وہ گروہ ہے جس نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ تہمت باندھنے کا محاورہ ہمارے یہاں جھوٹے الزام کے معنی میں مستعمل ہے۔ اب اس کے بعد باغیوں کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔
>
> (تذکرۃ ص ۷۳)

ذرا نثر میں انگریزی سرکار کی یہ قصیدہ خوانی ملاحظہ فرمایئے' اور فیصلہ کیجئے کہ تذکرۃ الرشید کے اکابر حضرات نے انگریزی سرکار کے خلاف بغاوت کا علم اٹھایا ہوتا تو کیا اس انداز میں کبھی ان کی مذمت کر سکتے تھے۔

اب تحصیل شاملی کے فساد کی تمہید یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

> اطراف کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں بدامنی پھیل گئی۔ حاکم کے انتظام کا اٹھنا تھا کہ باہم رعایا میں برسوں کی دبی ہوئی عداوت نکلنے اور خدا جانے کس زمانے کے انتقام لینے کا وقت آگیا کہ جدھر دیکھو مار پیٹ اور جس محل پر دیکھو معرکہ آرائی۔
>
> (تذکرۃ الرشید ص ۷۳)

ان کی کہانی ان کی زبانی

اتنی تفصیل کے بعد اب اصل واقعہ کی تفصیل سنئے، لکھتے ہیں:۔

> اس بلاخیز قصہ میں تھانہ بھون کا وہ فساد واقع ہوا جس میں قاضی محبوب علی خاں کی مخبری سے حضرت مولانا (رشید احمد صاحب گنگوہی) پر مقدمہ قائم ہوا جس کی ابتدا یہ تھی کہ تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت علی خاں کا چھوٹا بھائی عبدالرحیم خاں چند ہاتھی خریدنے سہارنپور گیا۔
>
> وہاں اس آفت رسیدہ کا کوئی بنیا قدیمی دشمن کئی دن سے ٹھہرا ہوا تھا جس کو زمین دارانہ مخصمت میں عبدالرحیم کے ساتھ خاص عداوت تھی۔ دشمن نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً حاکم ضلع سے جا رپورٹ کی کہ فلاں رئیس بھی باغی و مفسد ہے، چنانچہ دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے سہارنپور آیا ہوا ہے۔
>
> زمانہ تھا اندیشناک اور احتیاط کا، رلیس اسی وقت دوڑ گئی اور رئیس گرفتار ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ پھانسی ہوئی۔
>
> (تذکرۃ الرشید ص ۷۴)

لکھا ہے کہ تھانہ بھون کے نواب کو پھانسی ہو جانے کے بعد وہاں کے لوگوں کو دنیاوی امور میں ایک سربراہ کی ضرورت محسوس ہوئی اس مقصد سے لوگ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:۔

> بلاکسی حاکم کی سرپرستی کے گذران دشوار ہے، گورنمنٹ نے باغیوں کی بغاوت کے باعث اپنا امن اٹھا لیا اور بذریعہ اشتہار عام اطلاع دیدی ہے کہ اپنی اپنی حفاظت ہر شخص کو خود کرنی چاہیے۔ اس لئے آپ چونکہ ہمارے دینی سردار ہیں اس لئے

دنیاوی نظم حکومت کا بار بھی اپنے سر رکھیں اور امیرالمومنین بن کر ہمارے قضیے چکا دیا کریں۔
اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کو ان کی درخواست کے موافق ان کے سروں پر ہاتھ رکھنا پڑا اور آپ نے دیوانی وفوجداری کے جملہ مقدمات شرعی فیصلے کے مطابق چند روز تک قاضی شرع بن کر فیصلہ بھی فرمائے۔ اسی قصہ نے مفسدوں میں شریک ہونے کی راہ چلائی اور مخبروں میں جھوٹی سچی مخبری کا موقع دیا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۷۴)

لکھا ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی قاسم صاحب نانوتوی بھی مقدمات کے فیصلے میں ہاتھ بٹانے کے لئے تھانہ بھون بلوائے گئے۔ اب اصل واقعہ سنئے، لکھتے ہیں کہ:۔

ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن ہمراہ تھے کہ بندو قچیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا یا ہٹ جانے والا نہ تھا اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پر اجما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لئے تیار ہو گیا۔
(تذکرۃ ص ۷۵)

اتنی صراحت کے بعد بھی کہ "یہ جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا نہ تھا" اور "سرکار پر جاں نثاری کے لئے تیار ہو گیا" اگر کوئی کہتا ہے کہ شاملی کے میدان کا یہ واقعہ انگریزی سرکار کے خلاف جہاد تھا تو وہ نہ صرف حقیقت کا چہرہ مسخ کرتا ہے بلکہ تاریخ کا سب سے شرمناک جھوٹ بھی بولتا ہے بات اتنے ہی پر نہیں ختم ہو جاتی، بعد کا حصہ بھی ہمارے اس دعوے پر گہری روشنی ڈالتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

> جب بغاوت و فساد کا قصہ فرد ہوا اور رحم دل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیرخواہ اپنے کو ظاہر کریں انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بغاوت کا الزام لگایا اور مخبری کی کہ تھانے کے فساد میں اصل الاصول یہی لوگ تھے اور شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والا یہی گروہ تھا۔ (تذکرۃ ص ۷۶)

اب اس کے بعد الزامات کی صفائی پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حالانکہ یہ کمبل پوش، فاقہ کش، نفس کش حضرات فساد سے کوسوں دور تھے"

اور انگریزوں کے ساتھ نیاز مندی اور خیرخواہی کا اس سے بھی زیادہ واضح ثبوت چاہتے ہوں تو کتاب کا یہ حصہ خالی الذہن ہو کر پڑھئے:۔

> ہر چند کہ یہ حضرات حقیقتہ" بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی و مفسد اور مجرم و سرکاری خطاکار ٹھہرا رکھا تھا اس لئے گرفتاری کی تلاش تھی، مگر حق تعالٰی کی حفاظت بر سر تھی، اس لئے کوئی آنچ نہ آئی، اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیرخواہ تھے تازیست خیرخواہ ہی ثابت ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۷۹)

ایک طرف "اپنی مہربان سرکار کے دلی خیرخواہ تھے اور تازیست خیرخواہ ہی ثابت رہے" کو نظر میں رکھئے اور دوسری طرف اس رحم دل گورنمنٹ کے خلاف جہاد کا دعویٰ ملاحظہ فرمایئے۔ تو آپ پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی کہ دیوبندی حضرات کا مذہب ہی نہیں بلکہ ان کا سیاسی مسلک بھی تضادات، غلط بیانیوں، عیاریوں اور متصادم روایات کا مجموعہ ہے۔

آخری دستاویز

اب اس بحث کی ایک آخری دستاویز اور ملاحظہ فرمایئے تذکرۃ الرشید کے مصنف مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے چہرے کا غبار صاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ' کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا' اس لئے گرفتار ہوئے۔ اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے۔ آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین سے کالشمس فی نصف النہار (یعنی آفتاب نیم روز کی طرح) ثابت ہو گیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے۔ اس وقت رہا کئے گئے۔ (تذکرہ ص ۷۹)

الزام سے بریت کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو واقعۃً" وہ شاملی کی جنگ میں شریک نہیں تھے اس لئے تحقیق و تفتیش کے جملہ مراحل سے وہ بے داغ نکل گئے یا پھر انہوں نے جھوٹ بول کر اور ان کے حامیوں نے جھوٹی گواہی دے کر ان کی جان بچائی۔ جو صورت بھی فرض کی جائے ایمان و دیانت کا ایک خون ضرور ہو گا۔

دیوبندی لٹریچر کے حوالہ سے جو واقعات و حقائق اوپر سپرد قلم کئے گئے ہیں' ان کی روشنی میں اب تاریخ کا یہ فیصلہ بریلوی فتنہ کے مصنفین کو بے چون و چرا قبول کر لینا چاہیے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں دیوبندی جماعت کے اکابر نہ صرف یہ کہ انگریزوں کے ساتھ تھے بلکہ انہوں نے ایک محافظ دستے کا رول ادا کر کے انگریزی سرکار کے ساتھ اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا نہایت پر خلوص مظاہرہ کیا تھا۔

اب اس بد نصیبی کا ہمارے پاس کیا علاج ہے کہ حقیقت کے چہرے پر ہزار پردہ ڈالنے کے باوجود راز فاش کر دینے کا الزام خود دیوبندی لٹریچر پر ہے۔

دیکھ آئی جا کے بادصبا سر سے پاؤں تک
کام آئی کچھ نہ پردہ نشینی حضور کی

تیسرا مرحلہ جواب الجواب میں

دیوبندی جماعت کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے زلزلہ میں ان کے اکابر کے خلاف جو الزامات عائد کئے گئے ہیں، مولوی عتیق الرحمن سنبھلی نے اس طنطنے کے ساتھ ان کے جوابات دیئے ہیں۔ جیسے انہوں نے اپنی تاریخ کا سارا ملبہ صاف کر دیا ہو۔

جوابات کے سلسلہ میں انہوں نے مصنف "زلزلہ" پر جو نازیبا حملے کئے ہیں اور جس بے تکلفی کے ساتھ انہوں نے غیر شریفانہ زبان کا مظاہرہ کیا ہے ان سب باتوں کی طرف سے صرف نظر کرتے ہوئے فقط علمی اور مذہبی حیثیت سے ان کے جوابات کا تنقیدی جائزہ لے رہا ہوں۔

ذیل میں ان کی عرق ریز کوششوں کی پامالیوں کا عبرتناک تماشا دیکھئے۔

پہلا جواب

زلزلہ میں دارالعلوم دیوبند کے متعلق، کے ایک خفیہ معتمد کا یہ معائنہ نقل کیا گیا ہے کہ :-

یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ ممد معاون سرکار ہے"۔

اس معائنے کے ذیل میں مدرسہ دیوبند کے خلاف جو الزام عائد کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

"اس بیان کے سامنے اب اس افسانے کی کیا حقیقت ہے کہ مدرسہ دیوبند انگریزی سامراج کے خلاف سرگرمیوں کا بہت

بڑا اڈہ تھا"۔

سنبھلی صاحب نے اس الزام کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ یہ انگریز مدرسہ دیکھنے اور اہل مدرسہ سے ملنے آیا تھا۔ لڑنے نہیں آیا تھا۔

اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ معائنہ کی تحریر ہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ یہ مدرسہ سرکار کے خلاف تھا کیونکہ مدرسہ حقیقت میں اگر سرکار کا وفادار بھی ہوتا جب بھی معائنہ میں اس کا اظہار قطعاً" بے معنی تھا۔

میں عرض کروں گا کہ وہ محکمہ تعلیم کا آدمی نہیں بلکہ سی آئی ڈی کا آدمی تھا۔ مدرسہ کے مخالفین نے جب جھوٹی شکایتوں کے ذریعہ حکومت کو مدرسہ کی طرف سے بدگمان کرنا چاہا تو ان شکایتوں کی تفتیش و تحقیق کے لئے گورنر نے اسے بھیجا تھا۔ جیسا کہ سنبھلی صاحب نے خود قاری طیب صاحب کا یہ بیان اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ مدرسہ کے مخالفین حکومت کی نگاہ میں مدرسہ کو بدنام کرنے کے لئے شکایتیں کیا کرتے تھے۔ اس لیے ضابطے کے طور پر گورنر کے آدمی کو شکایتوں کی انکوائری رپورٹ میں اس کے سوا اور لکھنا ہی کیا تھا کہ مدرسہ سرکار کا مخالف ہے یا نہیں؟

اور ہو سکتا ہے کہ مدرسہ کے وہ ممبران جو انگریزوں کے جانے پہچانے نمک خوار تھے انہوں نے اصرار کر کے معائنہ کی یہ تحریر لکھوائی ہو کہ اپنے پاس بھی وفاداری کا ریکارڈ موجود رہے اور بوقت ضرورت اس سے کام لیا جائے۔

دوسرا جواب

"زلزلہ" میں قاری طیب صاحب کا بیان نقل کیا گیا تھا کہ:۔

> "مدرسہ دیوبند کے کارکنوں میں اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حالی پنشنرز تھے۔"

اس بیان کے ذیل میں مدرسہ دیوبند کے خلاف زلزلہ کا یہ الزام تھا کہ جس مدرسہ کے چلانے والے انگریزوں کے وفا پیشہ نمک خوار ہوں اسے باغیانہ سرگرمیوں کا اڈہ کہنا آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔

اس الزام کا جواب سنبھلی صاحب نے یہ دیا ہے کہ چونکہ مولانا قاسم نانوتوی بغاوت کے الزام میں ماخوذ ہو چکے تھے اس لیے انتظامی امور میں **مصلحتہ** " انہیں پیچھے رکھا جاتا تھا اور سامنے وہ لوگ رہتے تھے جو حکومت برطانیہ کے قدیمی نمک خوار تھے۔

اس لیے تحقیقات کے موقعہ پر یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی ورنہ شخصی طور سے عہدیدارانہ ذمہ داریوں کے ساتھ اگر حضرت نانوتوی سامنے آئے ہوتے تو ظاہر ہے کہ مدرسہ کی طرف سے ان بزرگوں کی یہ صفائی اور یقین دہانی بھی کارگر نہ ہو سکتی تھی۔

سنبھلی صاحب کے اس جواب کی تردید میں بجائے اس کے کہ میں کچھ کہوں سوانح قاسمی کے مصنف مولوی مناظر احسن گیلانی کا یہ بیان جھوٹ کا پردہ چاک کرنے کے لیے بہت کافی ہے لکھتے ہیں کہ:۔

> "دیوبند میں مدرسہ عربی جو قائم ہوا تھا اس سے اپنے تعلق کو سیدنا الامام الکبیر (مولوی قاسم صاحب نانوتوی) قطعاً" پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتے تھے جب مجلس شوریٰ کے ارکان میں آپ کا نام شریک تھا' وہی طبع بھی ہوا شائع بھی ہوا تو یہ کہنا کہ ابتداء میں حضرت والا اس مدرسہ سے سیاسی مصالح کے پیش نظر ایسا تعلق رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ جس پر حکومت کی نظر پڑ سکتی ہو۔ بجز ایک خودتراشیدہ مفروضہ کے اور بھی کچھ ہے؟"
>
> (سوانح قاسمی جلد ۲ ص ۲۴۶)

اور بالفرض مدرسہ دیوبند کے سلسلہ میں مولوی قاسم نانوتوی صاحب کا نام ابتدا میں نمایاں نہیں ہو سکا تو اس کی وجہ سیاسی مصلحت نہیں ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ تاریخ انہیں مدرسہ کا بانی تسلیم ہی نہیں کرتی۔ جیسا کہ خود گیلانی صاحب لکھتے ہیں:۔

> "سچی بات یہی ہے' یہی واقعہ ہے اور اسی کو واقعہ ہونا بھی چاہئے

> کہ جامعہ قاسمیہ یا دیوبند کے دارالعلوم کی جب بنیاد پڑی تو سیدنا الامام الکبیر (یعنی مولوی قاسم صاحب نانوتوی) اس وقت دیوبند میں موجود نہ تھے"۔
>
> (سوانح قاسمی جلد ص ۲۴۸)

اور پھر اگر انگریزی حکومت کی نظر میں وہ اتنے ہی مخدوش اور بدنام تھے تو مدرسہ قائم ہونے کے دوسرے دن حاجی عابد حسین نے جو اس وقت مدرسہ کے مہتمم تھے، نانوتوی صاحب کو بہ حیثیت مدرس ہونے کے میرٹھ سے کیوں بلوایا تھا۔ جیسا کہ یہی گیلانی صاحب اپنی کتاب سوانح قاسمی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> " اگلے روز جس صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے واسطے دیوبند آیئے۔ فقیر نے یہ صورت فراہمی چندہ اختیا کی ہے"
>
> (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۵۰)

اور دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء میں ہوا اور مدرسہ دیوبند کی بنیاد ۱۸۶۷ء میں پڑی۔ دونوں کے درمیان دس سال کی طویل مدت حائل ہے جبکہ غدر کے ایک دو سال کے اندر ہی اندر سب بے قصور ثابت ہو کر بری بھی ہو گئے تھے اور جہاں تک مولوی قاسم صاحب نانوتوی کا تعلق ہے وہ تو گرفتار بھی نہیں ہوئے تھے اس لئے حکومت کی نظر میں سرے سے ان کے خلاف کوئی الزام ہی نہیں ثابت ہو سکا۔

اور پھر یہاں سوال شخصیتوں کا نہیں بلکہ ادارہ کی پالیسی کا ہے۔ اگر مدرسہ دیوبند **واقعتہ**" برطانوی سامراج کے خلاف سیاسی سرگرمیں کا اڈہ تھا تو" نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند **محفلها**"۔ کی بنیاد پر کب تک مدرسہ کے ارکان حکومت کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہتے، کبھی تو یہ راز فاش ہو جاتا۔

تیسرا جواب

سوانح قاسمی میں مولوی نانوتوی کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ کسی حجام کو ایک عورت کے بھگانے کے الزام میں نانوتہ کے تھانیدار نے گرفتار کر لیا۔ نانوتوی صاحب نے تھانیدار کو کہلوایا کہ حجام ہمارا آدمی ہے اسے چھوڑ دو' ورنہ تم بھی نہ بچو گے۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالو گے تو تمہارے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی پڑے گی۔ تھانیدار نے کہا کہ نام نکالنا بہت بڑا جرم ہے میری نوکری چلی جائے گی پھر نانوتوی صاحب نے قاصد کو بھیجا کہ تمہاری نہیں جائے گی۔

اب اس واقعہ پر زلزلہ میں جو تنقید کی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اگر انگریزی حکومت کے باغیوں میں تھے تو پولیس کا محکمہ اس قدر تابع فرمان کیوں تھا" (زلزلہ)

سنبھلی صاحب نے جواب مرحمت فرمایا کہ:۔

"کیوں تھا؟ یوں تھا کہ وہ اللہ تعالی کے تابع فرمان تھے اور جو اللہ کے تابع فرمان ہو جاتے ہیں ان کی یہی شان ہوتی ہے **من کان للہ کان اللہ لہ**' جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے کیا مشہور حدیث بھی مولانا قادری صاحب نے نہیں پڑھی ہے۔"

(بریلوی فتنہ ص ۱۸۲)

اس جواب پر آپ اپنی ہنسی ضبط کر سکیں تو عرض کروں کہ نانوتوی صاحب اتنے ہی بڑے اللہ والے اور صاحب تصرف بزرگ تھے تو قاری طیب صاحب کے بیان کے مطابق انگریزی حکومت کی دہشت سے دس سال تک پردے کے پیچھے کیوں چھپے رہے؟ کیا اس وقت وہ اللہ کے تابع فرمان نہیں تھے۔؟

جواب کے ضمن میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ تھانیدار پر نانوتوی صاحب نے اپنی قوت باطنی سے تصرف کیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسے ایک غیر قانونی عمل انجام دینا پڑا۔ میں عرض کروں گا کہ تھانیدار پر ان کی قوت باطنی کا کوئی تصرف ہوتا تو قاصد کو بار بار جانا نہیں پڑتا۔ تھانیدار کو مسخر کرنے اور اپنی بات منوانے کے لیے

درویش کی ایک ہلکی سی توجہ کافی تھی۔

اپنے ان جوابات پر شاید سنبھلی صاحب خود مطمئن نہیں ہیں اس لیے اخیر میں انہوں نے ایک نیا پینترا بدلا ہے کہ نانوتوی صاحب کا جو اثر اپنے قصبہ میں تھا کیا ایک ذی اثر شہری کی حیثیت سے تھانیدار پر ان کی بات کا کوئی اخلاقی وزن بھی نہیں پڑ سکتا تھا۔؟

ضرور پڑ سکتا تھا اور پڑتا ہے لیکن اخلاقی وزن بھی اخلاق ہی کے ذریعہ پڑتا ہے۔ ہتھکڑی اور ملازمت کی برطرفی کی دھمکیوں کے ذریعہ نہیں پڑتا اور یہ وزن بھی قانون ہی کے دائرے میں پڑتا ہے۔ غیر قانونی کام کرانے کے لیے نہیں سمجھ گئے ناملا جی!

جواب کے ذیل میں سنبھلی صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ حکومت کے ساتھ کسی کے خفیہ تعلقات کی تھانیدار کو کیا خبر ہو سکتی ہے؟ میں عرض کروں گا کہ تھانیدار ہی تو عوامی سطح پر حکومت کا سب سے پہلا نمائندہ ہوتا ہے اگر اسی کو خبر نہ ہو تو ضمیر کا خون کر کے کسی ظالم حکومت کا ایجنٹ بننے سے فائدہ کیا؟

اس بحث کے اخیر میں سنبھلی صاحب نے ”زلزلہ“ کے مصنف کو آر ایس ایس کے مسٹر اوک سے تشبیہ دیکر ایک نہایت سخت قسم کی گالی دی ہے میں اس کے جواب میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ اس گالی کو بھی اسی مردہ خانے میں ڈال دوں جہاں دیوبندی تہذیب و صحافت کی بہت سی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہوئی ہیں۔

چوتھا جواب

”زلزلہ“ میں سوانح قاسمی کے حوالے سے ایک روایت یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے تھے ان میں حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے۔ اچانک وہ یہ کہتے ہوئے باغیوں کے گروہ سے الگ ہو گئے کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پارہا ہوں۔ ایک اور موقع پر انہی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے خضر

کو انگریزوں کی فوج میں دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کیا حال ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ حکم یہی ملا ہے۔ یہ واقعہ نقل کر کے گیلانی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت خضر نصرت حق کی علامت بن کر انگریزوں کے ساتھ تھے۔

ان تمام تفصیلات کے حوالے سے زلزلہ میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ جب حضرت خضر کی صورت میں نصرت حق انگریزی فوج کے ساتھ تھی تو ان باغیوں کے لیے کیا حکم ہے جو حضرت خضر کے مقابلے میں لڑنے آئے تھے۔

اس سوال کے جواب میں سنبھلی صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

> "ان کا حکم وہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے آپ ارشاد فرمائیں گے جو حضرت خضر علیہ السلام سے (باوجود اس کے کہ اللہ تعالی کی ہدایت پر ان سے علم لدنی سیکھنے گئے تھے) ان کے ہر فعل پر لڑ جاتے تھے اور بالاخر ان سے جدائی پر مجبو ہو گئے پتہ نہیں قرآن میں بیان کیا گیا یہ قصہ آپ کو معلوم بھی ہے یا نہیں؟ (بریلوی فتنہ ص ۱۸۶)

معاذاللہ! میری کیا مجال کہ میں خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت سیدنا موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام پر حکم لگاؤں یہ حوصلہ تو صرف علمائے دیوبند کا ہے۔ البتہ بطور امرواقعہ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جس کام کو انہوں نے شریعت الہی کے خلاف سمجھا' اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لیے وہ حضرت خضر کو برابر ٹوکتے رہے۔ لیکن حضرت خضر نے جو کچھ کیا وہ خدا کے حکم کے عین مطابق تھا۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی اگر انہوں نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہو تو اس کا ثبوت آپ کے ذمے ہے۔

لیکن یہاں تو حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کی زبانی حضرت خضر کے ذریعہ خدا کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد بھی جو لوگ حکم الہی کے خلاف ورزی کرتے رہے' زلزلہ میں میرا سوال انہی لوگوں کے متعلق تھا۔

سنبھلی صاحب نے اس سلسلے میں ایک سوال مجھ سے بھی کیا ہے کہ کسی دشمن

فوج کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مشیت خداوندی دشمن کے ساتھ ہے تو کیا مقابلے میں لڑنے والے مسلمانوں کو میدان جنگ سے ہٹ جانا چاہیے۔؟

میں عرض کروں گا کہ یہاں چاہیے کا سوال نہیں ہے کہ خود آپ ہی لوگوں کے بیان کے مطابق حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی یہ کہتے ہوئے میدان سے ہٹ گئے کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پارہا ہوں۔ "اب لڑنے سے کیا فائدہ" کا فقرہ بتا رہا ہے کہ ان کی نظر میں دنیا کا نہ سہی دین کا بھی کوئی فائدہ ہوتا تو ضرور لڑتے رہتے۔

باقی رہ گیا یہ سوال کہ یہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا مکاشفہ تھا اور وہ دوسروں کے لیے حجت نہیں ہے تو میں جواباً عرض کروں گا کہ یہ مکاشفہ نہیں تھا بلکہ چشم دید مشاہدہ تھا اور ظاہر ہے کہ مشاہدہ کا وہ حکم نہیں ہے جو مکاشفہ کا ہے۔

سنبھلی صاحب اگر اپنے آپ کو سنبھال سکیں تو یہاں پہنچ کر اب ان کا سوال انہی پر الٹ رہا ہوں۔ آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کی مشیت الٰہی دشمن فوج کے ساتھ ہے اگر کوئی شخص میدان سے ہٹ جائے جیسا کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے کیا تو اس کے لیے کیا حکم ہے۔ کیا وہ بھی مولوی سید احمد بریلوی کی طرح پیٹھ دکھانے والا مفرور قرار دیا جائے گا۔ اور کیا اس پر بھی وہ وعیدیں نافذ ہوں گی جو قرآن میں پیٹھ کھانے والوں کے لیے بیان کی گئی ہیں؟

پانچواں جواب

"زلزلہ" میں تذکرۃ الرشید کے حوالے سے گنگوہی صاحب کے متعلق یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ:

> "(آپ) سمجھے ہوئے تھے کہ جب میں حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہو گا۔ اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے جو چاہے کرے"۔ (تذکرۃ الرشید جلد ۱ص ۸۶)

اس بیان پر (گنگوہی صاحب کے خلاف) "زلزلہ" میں جو الزام عائد کیا گیا تھا وہ یہ ہے:

کچھ سمجھا آپ نے؟ کس الزام کو یہ جھوٹا کہہ رہے ہیں۔ یہی کہ انگریزوں کے خلاف انہوں نے علم جہاد بلند کیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ گنگوہی صاحب کی یہ پر خلوص صفائی کوئی مانے نہ مانے لیکن کم از کم ان کے معتقدین کو تو ضرور ماننا چاہیے۔"
لیکن غضب خدا کا کہ اتنی شدومد کے ساتھ صفائی کے باوجود بھی ان کے ماننے والے یہ الزام ان پر آج تک دہرا رہے ہیں کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔
"دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی کہ کسی فرقے کے افراد نے اپنے پیشوا کی اس طرح تکذیب کی ہو۔"
(زلزلہ)

سنبھلی صاحب نے اس الزام کے دو جوابات دیئے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ دیا ہے کہ "آپ سمجھے ہوئے تھے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ آپ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ میں عرض کروں گا کہ کسی کے دل کا حال معلوم کرنا کچھ منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ عمل اور قرائن سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کے دل میں کیا ہے۔

اب اگر گنگوہی صاحب کا عمل اس "سمجھے ہوئے" کے خلاف تھا تو مجھ سے لڑنے کے بجائے سنبھلی صاحب کو تذکرۃ الرشید کے مصنف سے لڑنا چاہیئے کہ انہوں نے کس طرح سمجھا کہ گنگوہی صاحب ایسا سمجھے ہوئے تھے۔

یہ بات اگر کوئی دشمن یا کوئی اجنبی نقل کرتا تو کہا جا سکتا تھا کہ اس نے گنگوہی صاحب کے خلاف جھوٹا الزام تراشا ہے۔ لیکن مولوی عاشق الٰہی میرٹھی جیسے فداکار جاں نثار اور مزاج شناس سوانح نگار کے بارے میں اس طرح کی بات سوچنا ہی فطرت سے جنگ کرنا ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ انہوں نے "سمجھے ہوئے تھے" کے الفاظ

نا سمجھی سے نہیں کیے تھے بلکہ سمجھ بوجھ کر کیے تھے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں "سرکار" سے انگریزی حکومت نہیں بلکہ خدائی حکومت مراد ہے۔

جواباً عرض کروں گا کہ صرف ایک لفظ کا مفہوم بدل دینے سے چھٹکارا نہیں مل جائے گا بلکہ اس لفظ کو اسی مفہوم کے ساتھ پورے جملے میں فٹ کرنا ہوگا۔ لہٰذا اگر سرکار سے خدائی سرکار مراد لی جائے تو اب یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ "خدا کی سرکار" کے خلاف بغاوت کا کون سا جھوٹا الزام ان پر عائد کیا گیا تھا اور کس نے عائد کیا تھا اور کب عائد کیا تھا۔

افسوس! بوکھلاہٹ میں کتنی کچی بات سنبھلی صاحب کہہ گئے یہ بھی نہیں سوچا کہ پڑھنے والے ان کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟

اعتراف جرم

اس ضمن میں سنبھلی صاحب نے یہ ان کہی بھی کہہ ڈالی ہے کہ ہمارے علماء کی سیاسی تاریخ جس زبان میں لکھی گئی ہے وہ "توریہ" کی زبان ہے۔ یعنی وہ ایسی زبان ہے جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے۔

میں عرض کروں گا کہ باطن تو آپ لوگوں کے پیٹ میں ہے اور اسے پیٹ میں ہی لیے رہیے۔ لیکن پڑھنے والوں کے لیے اگر ظاہر بھی نہیں ہے تو پھر بتایا جائے۔ کہ کتاب لکھنے کا آخر فائدہ کیا ہے؟

شرمناک واقعات

دینی اور علمی نقطہ نظر سے یہ بات چاہے کتنی ہی قابل اعتراض کیوں نہ ہو لیکن ہم سنبھلی صاحب کی جرات رندانہ کو بہر حال داد دیں گے کہ انہوں نے اپنے علماء کی سیاسی تاریخ کا یہ رخ بے نقاب کر کے ہر شخص کو دھوکے میں رکھنا ان کا ایک قابل تحسین ہنر رہا ہے۔ ایک برملا حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

بات زیر بحث آگئی ہے تو میں تاریخی شہادتوں سے دیوبندی اکابر کی زندگی کا یہ رخ ذرا تفصیل سے بے نقاب کر دینا چاہتا ہوں تاکہ سنبھلی صاحب کا دعویٰ بے دلیل نہ رہ جائے۔

پہلا واقعہ

آج سے ٹھیک بیس سال پیشتر ۱۹۵۹ء میں "خلافت معاویہ و یزید" کے نام سے محمود عباسی کی ایک کتاب شائع ہوئی تھی جس میں گستاخ مصنف نے شہزادہ رسول حضرت امام عالی مقام شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی عظمت و سیادت پر نہایت جارحانہ حملہ کیا تھا۔ اس موقع پر چاٹگام سے لے کراچی تک سارا برصغیر ہندوپاک اس دل آزار کتاب کے خلاف نفرت و احتجاج کی شورش سے گونج اٹھا تھا اور ہر طرف غم و غصہ کی چنگاریاں اڑنے لگی تھیں۔

چونکہ اس کتاب کی ترتیب اور طباعت و اشاعت میں دیوبند کا بھی ہاتھ تھا اس لیے مسلمانان ہند کی رائے عامہ دارالعلوم دیوبند کے خلاف بھی مشتعل ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب نے جیسے ہی یہ خطرہ محسوس کیا کہ نفرت و بیزاری کے نتیجے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ عامہ مسلمین دارالعلوم دیوبند کی مالی اعانت سے بالکل ہی اپنے ہاتھ کھینچ لیں۔ انہوں نے فوراً دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا اور اس میں دل آزار کتاب کے خلاف ایک تجویز منظور کی گئی جس کا متن یہ تھا۔

> "دارالعلوم دیوبند کا یہ شاندار اجلاس جہاں اس کتاب سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے وہیں وہ ان مفتریوں کے خلاف بھی نفرت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے جنہوں نے اپنی کذب بیانی سے اس کتاب کی تصنیف و اشاعت میں علمائے دیوبند کا ہاتھ دکھلا کر اور اسے علمائے دیوبند کی تصنیف باور کرانے کی سعی کر کے انتہائی دیدہ دلیری سے "دروغ گوئم بر روئے تو" کا ثبوت دیا ہے

اور اس حیلہ سے علمائے دیوبند کی پوزیشن کو مجروح کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔

(پیام مشرق ۲۱ نومبر ۱۹۵۹ء دہلی)

یہ تجویز کہاں تک واقعہ کے مطابق اور ضمیر کے احساس سے ہم آہنگ تھی اس کا اندازہ لگانے کے لیے اب آپ دیوبند ہی کے ایک ماہنامے کی یہ تحریر پڑھئے اور نفاق و عیاری کے فن میں علمائے دیوبند کے مہارت کا جائزہ لیجئے۔

"وہ (یعنی مہتمم دارالعلوم دیوبند) نہایت ضابط و متحمل ہیں۔ انہیں جذبات پر حیرت انگیز حد تک قابو ہے۔ وہ جب چاہیں جس موضوع پر چاہیں ایک ہی لب ولہجہ میں بات کر سکتے ہیں یہاں تک کہ کل اگر مصالح کا تقاضا یہ ہو کہ اس قرار داد کے بالکل برعکس تجویز پاس کی جائے تو ان کا قابو یافتہ قلم اسے بھی نہایت اطمینان سے اسی خوش گوار لب لہجہ میں ثبت قرطاس کر دے گا۔"

(ماہ نامہ تجلی ص ۹ بابت ماہ دسمبر ۱۹۵۹ء۔ دہلی)

اس عبارت کا مفہوم سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آج مسلم رائے عامہ یزید کے خلاف اور امام عالی مقام کی حمیت میں ہے۔ اس لئے مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ یزید کی مذمت میں تجویز پاس کی جائے۔ کل اگر خدانخواستہ رائے عامہ یزید کی حمایت میں پلٹ جائے تو دارالعلوم کے ارباب و حل و عقدے کے لئے قطعاً" کوئی امر مانع نہ ہو گا کہ وہ اسی لب و لہجہ کے ساتھ حامیان حسین کی مذمت میں بھی کوئی قرار داد منظور کرلیں۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ علمائے دیوبند کا یہ کردار منافقانہ خصلت کی پردہ دری کرتا ہے یا نہیں۔ اور پھر یہیں سے یہ حقیقت بھی بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے یا نہیں کہ علمائے دیوبند کا "مسلک اور دین" کتاب و سنت کے تابع نہیں بلکہ موسم اور رائے عامہ کے تابع ہے اور یہ الزام کسی تعصب کی پیداوار نہیں بلکہ اس تجویز کے

ضمن میں دارالعلوم دیوبند کے مزاج شناس حلقوں کا خود اپنا بیان ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

> ظاہر ہے کہ جس ادارے کا مدار ہی قوم کے چندے پر ہو' اسے حکمت و مصلحت کی نوک پلک درست رکھنی ہی چاہئے۔
> (تجلی دیوبند دسمبر ۱۹۵۹ء)

دوسرا واقعہ

مصلحت ہی چونکہ علمائے دیوبند کا اصل دین ہے اس لئے ان کے یہاں ایمان کی بنیادی قدریں بھی مصلحت کے گرد گھومتی رہتی ہیں جیسا کہ اشرف السوانح کا مصنف دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسہ دستار بندی کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے پیر مغاں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

> "دارالعلوم دیوبند کے ایک بڑے جلسہ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو۔ یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا (یعنی تھانوی صاحب) نے بہ ادب عرض کیا کہ اس کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھ کو مستحضر نہیں"۔
> (اشرف السوانح جلد اول ص ۷۶)

یہ واقعہ پڑھنے کے بعد کوئی بھی خالی الذہن شخص یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ:۔

۱۔ ایک مسلمان کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ عشق و اخلاص کا جو والہانہ تعلق ہے اس کے نتیجے میں نبی کے جمال و کمال اور فضل و شرف کا تذکرہ

خود فطری طور پر ہر مسلمان کے لئے دل کی فرحت' روح کی غذا' ایمان کی آسودگی اور دینی ولولوں کی ترنگ ہے۔

لیکن حیرت ہے کہ جو کام برکت و سعادت' محبت و الفت اور رضائے حق کے جذبے میں کرنا چاہئے' اسے دیوبندی جماعت کے اکابر اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے کرنا چاہتے تھے اور بدبختیوں کی انتہا یہ ہے کہ وہ بھی نہ کر سکے۔

یہ واقعہ کھلے بندوں اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ دیوبندی اکابر نہ صرف یہ کہ حب رسول کی لذت سے محروم کر دیئے گئے تھے بلکہ نفاق کی کدورت نے ان کے دلوں کو بالکل مسخ بھی کر دیا تھا۔

۲۔ اور پھر جماعت کے اصاغرو اکابر کے درمیان فکر و اعتقاد کی شقاوت کا یہ اشتراک بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ جماعت کی مصلحت کے نام پر ذکر رسول کی فرمائش کرتے ہوئے نہ دیوبندی اکابر نے محسوس کیا کہ ہم مدینے کے منافقین کی زبان استعمال کر رہے ہیں اور نہ اصاغر نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا فرمائی کہ جو کام حاصل زندگی اور سرمایہ آخرت ہے اسے فریب کارانہ نمائش اور مادی مصلحت کے لئے کیوں کیا جائے۔ عذر بھی کیا تو عقیدت کے خون میں ڈوبا ہوا کہ فضائل رسول کے سلسلے میں نہ ہمیں کوئی آیت یاد ہے اور نہ کوئی حدیث مستحضر۔ حالانکہ وہ حافظ قرآن بھی تھے اور اپنے حلقے کے محدث بھی۔

اس قصے میں طرفین کی گفتگو کا جائزہ لینے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دونوں فریق اپنے اپنے نفاق پیشہ ضمیر کی زبان میں بات کر رہے تھے اس لئے دونوں کو افہام و تفہیم میں کوئی الجھن نہیں پیش آئی۔

۳۔ "اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر وہابیت کا جو شبہ ہے وہ دور ہو"۔

یہ عبارت دو مستور حقیقتوں کے چہرے سے نقاب الٹتی ہے۔ ایک یہ کہ خود دیوبندی اکابر کو بھی اپنے بارے میں علم حضوری تھا کہ وہ وہابیت زدہ ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ فضائل رسول بیان کرنا یہ اہل سنت کا شیوہ ہے اور بیان نہ کرنا یہ

وہابیوں کا طریقہ ہے۔ اس لئے آج کے مجمع میں فضائل رسول بیان کر کے وہابیت کے چہرے پر سنیت کا غلاف چڑھا دیا جائے تاکہ غلاف دیکھ کر ہمیں لوگ سنی سمجھنے لگیں۔ لیکن ہزار پردہ ڈالنے کے بعد بھی حقیقت کا چہرہ نہیں چھپ سکا اور اس فقرے نے کہ "اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں"۔ یہ راز فاش کر دیا کہ وہابیوں کی طرح دیوبندی حضرات کے دل بھی فضائل رسول کی طرف سے صاف نہیں ہے۔

۴۔ اس واقعہ میں دیوبندی اکابر کا جو "مذہبی مزاج" ہمارے سامنے آیا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ جماعتی مصلحت اور کردار کی نمائش کا دائرہ فضائل رسول ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ علمائے دیوبند کے یہاں درس حدیث دین کی تبلیغ اور رسالت کا اقرار' ان میں سے ہر چیز جماعت کی مصلحت کے لئے ہے تو قطعاً غلط نہ ہو گا۔

تیسرا واقعہ

۱۳۱۹ھ میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حفظ الایمان نام کی ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نہایت ایمان سوز اور دل آزار قسم کی گستاخی کی۔ اس کے خلاف سب سے پہلے بریلی سے صدائے احتجاج بلند ہوئی اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ انہوں نے توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لئے بغیر کسی جھجک کے وہ توبہ شرعیہ کر کے اسلام کی طرف پلٹ آئیں۔ لیکن چونکہ وہ اپنے گروہ کے بہت بڑے مولانا تھے۔ اس لئے انہیں توبہ کرتے ہوئے عار ہوا اور بیجا تاویلوں کا سہارا لے کر انہوں نے امت میں ہمیشہ کے لئے فتنہ کھڑا کر دیا۔

جب فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان تھانوی صاحب کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اب کٹ حجتی پر اتر آئے ہیں تو انہوں نے

حفظ الایمان کی اشاعت کے چار سال کے بعد یعنی ۱۳۲۳ھ میں حفظ الایمان کی اس اہانت آمیز عبارت کا عربی میں ترجمہ کر کے دنیائے اسلام کے دینی مشاہیر اور حرمین طیبین کے علماء مشائخ کے سامنے پیش کیا۔

چنانچہ ۱۳۲۴ ہجری میں حسام الحرمین کے نام سے جب تھانوی صاحب کے خلاف حجاز مقدس اور بلاد اسلامیہ کے علماء مشائخ کی تصدیقات کا مجموعہ شائع ہوا تو دیوبندی پیشواؤں کا شرعی جرم سب پر آشکارا ہو گیا اور برصغیر ہند کی مذہبی دنیا ان پر بالکل تنگ ہو گئی۔

جب دیوبند رہنماؤں کو یقین ہو گیا کہ مفتیان حجاز و عرب کے فیصلے کی ان کے پاس کوئی کاٹ نہیں ہے تو انہوں نے بھی حفظ الایمان کی عبارت کا عربی میں ترجمہ کر کے علمائے حجاز و عرب کے سامنے پیش کیا۔ اور حفظ الایمان کی عبارت کو بے غبار ثابت کرنے اور اپنے عوام کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے انہوں نے بھی چار سال بعد یعنی ۱۳۲۸ ہجری میں "المہند" کے نام سے علمائے حجاز و عرب کی تصدیقات کا مجموعہ شائع کیا۔ اس مجموعہ کی تاریخی حیثیت کیا ہے یہ تو خدا ہی جانتا ہے لیکن اس وقت میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ علمائے حرمین کی عدالت میں حفظ الایمان کی عبارت کا عربی ترجمہ دونوں فریق نے پیش کیا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ دونوں ہی فریق نے اپنی عربی عبارت اور اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔

اب میں قارئین کو صرف اتنی زحمت دینا چاہتا ہوں کہ وہ حفظ الایمان کی اصل عبارت کو سامنے رکھ کر دونوں فریق کے عربی اور اردو ترجموں کا موازنہ کریں۔ دلوں کا چھپا ہوا کفر و نفاق دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہو جائے گا۔ اور وہ ماتھے کی آنکھ سے اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیں گے کہ علمائے دیوبندی نے عطائے حجاز کی عدالت میں حفظ الایمان کی جو عبارت پیش کی تھی اس میں کتنی شرمناک چوری کی ہے۔

اب حفظ الایمان کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:۔

> "آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد کل غیب

ہے یا بعض غیب؟
اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ "ایسا علم غیب" تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی (بچہ) و مجنون (پاگل) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔
(حفظ الایمان ص ٦)

اب سب سے پہلے امام اہل سنت حضرت فاضل بریلوی کا عربی ترجمہ ملاخطہ فرمایئے۔ واضح رہے کہ غیر عربی دان حضرات کے لئے اس کے مقابل میں اردو ترجمہ بھی درج کر دیا گیا ہے:۔

ان صح الحکم علی ذات النبی المقدسہ بعلم المغیبات کما یقول بہ زید فالمسول عنہ انہ ماذا اراد بھذا ابعض الغیوب ام کلھا فان ارادالبعض فای خصوصیتہ فیہ لحضرتہ الرسالتہ فان مثل ھذا اتعلم بالغیب حاصل لزید وعمرو بل لکل صبی و مجنون بل لجمیع الحیوانات و البھائم۔ (حسام الحرمین ص ١٠٦)

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ (مبین احکام ص ١٠٧)

حفظ الایمان کی اصل عبارت سے فاضل بریلوی کے اس عربی اور اردو ترجمے کی مطابقت کر لیجئے۔ آپ ایک حرف کا بھی فرق کہیں نہیں پائیں گے۔ عربی ترجمہ بھی لفظ بہ لفظ ہے اور اردو ترجمہ بھی بالکل حرف بحرف ہے۔

تصویر کا ایک رخ دیکھ چکے اب تصویر کا دوسرا رخ ملاخطہ فرمایئے۔ یہ علمائے دیوبند کا عربی ترجمہ ہے۔ غیر عربی داں حضرات کے لئے اس کے مقابل میں اردو ترجمہ بھی درج کر دیا گیا ہے۔

لو صح هذا الاطلاق علی ذاته المقدسة صلی الله علیه وسلم علی قول السائل فلنستفسر منه ماذا اراد بهذا الغیب هل اراد کل واحد من افراد الغیب او بعضه ای بعض کان فان اراد بعض الغیوب فلا اختصاص له بحضرة الرسالة صلی الله علیه وسلم فان علم بعض الغیوب وان کان قلیلا حاصل لزید و عمرو بل لکل صبی و مجنون بل لجمیع الحیوانات والبهائم۔

(المهند ص ۲۹)

حضرت کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا اطلاق اگر بقول سائل صحیح ہو تو ہم اسی سے دریافت کرتے ہیں کہ اس غیب سے مراد کیا ہے یعنی غیب کا ہر فرد یا بعض غیب کوئی کیوں نہ ہو۔ پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی کیونکہ بعض غیب کا علم اگرچہ تھوڑا سا ہو زید و عمرو بلکہ ہر بچہ اور دیوانہ بلکہ جملہ حیوانات اور چوپاؤں کو بھی حاصل ہے۔ (ماضی الشغو تین ص ۲۹)

اب ہر طرح کی عصبیت سے بالاتر ہو کر قلم کی چوری پکڑیئے۔ دیکھئے! سرے سے ترجمے میں وہ لفظ ہی نہیں ہے جس پر توہین کا دار و مدار تھا اور وہ ہے لفظ "ایسا"۔ اسی لفظ نے تشبیہ کے معنی پیدا کئے تھے اور علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ذیل چیزوں کے ساتھ تشبیہ دینے کے جرم میں مصنف سے توبہ شرعیہ کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن ترجمے میں وہ لفظ ہی اڑا دیا گیا۔ یہاں تک کہ حفظ الایمان کی اصل اردو عبارت بھی بدل دی گئی جس میں ترجمے کے نام پر تصرف کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

حفظ الایمان کی اصل عبارت یہ تھی:۔

"اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے "ایسا علم غیب" تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون، بلکہ جملہ حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے"۔

اور علمائے حرمین کے سامنے جب پیش کرنے کی نوبت آئی تو اسے یوں بدل کر پیش کر دیا گیا:۔

"اگر بعض علوم غیب مراد ہے تو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی کیونکہ "بعض غیب کا علم" اگرچہ تھوڑا سا ہو زید و عمرو بلکہ ہر بچہ اور دیوانہ بلکہ جملہ حیوانات اور چوپاؤں کو بھی حاصل ہے"

یہ سوچ کر ہر غیرت مند مسلمان کی آنکھوں میں خون اتر آئے گا کہ حفظ الایمان کی اصل عبارت اگر بے غبار اور ایمان افروز تھی تو علمائے حرمین کے سامنے ہو بہو اسی عبارت کا ترجمہ کیوں نہیں پیش کیا گیا۔

آخر کس جرم کے احساس نے مجبور کیا کہ عبارت میں ردو بدل کر دیا جائے اور تھانوی صاحب کا اصل جملہ "ایسا علم غیب" کاٹ کر اس کی جگہ یہ جعلی فقرہ "بعض غیب کا علم" رکھ دیا جائے' جبکہ اس ترمیم کے بعد اب وہ حفظ الایمان کی عبارت ہی نہیں رہی۔

کیا یہ چوری اس امر کا یقین نہیں دلاتی کہ رنگے ہاتھوں پکڑ لئے جانے والے ایک سنگین مجرم کی طرح مفتیان عرب کے سامنے جاتے ہوئے خود علمائے دیوبند کا دل بھی دھڑک رہا تھا اور خود ان کے تحت شعور میں بھی یہ یقین چھپا ہوا تھا کہ حفظ الایمان کی اصل عبارت اہانت رسول پر مشتمل ہے اگر یہ ہو بہو علمائے حرمین کی عدالت میں پیش ہو گئی تو ہمارے ایمان اسلام کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

اور اس سے بھی زیادہ شرمناک الزام تو یہ ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت میں تحریف و خیانت کے باوجود دیوبندی فرقے کے جملہ اکابرین نے "المہند" میں اپنے اپنے دستخطوں کے ساتھ یہ جھوٹا اقرار کیا ہے کہ یہی ہماری کتابوں میں ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ دستخط کرنے والوں میں مولوی محمود الحسن صاحب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب' شاہ عبدالرحیم رائے پوری' مولوی حبیب الرحمٰن صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اور لرزہ خیز بددیانتی کا آخری نمونہ یہ ہے کہ اس تحریف شدہ عبارت کی خود حفظ الایمان کے مصنف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی ان لفظوں میں توثیق

کی ہے کہ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور اسی کا ہم اقرار کرتے ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:۔

نقریہ ونعتقد و نکل امر المفرین الی اللہ و انا اشرف علی التھانوی (المہند ص ۲۸)

اب اخیر میں ہم اپنے قارئین کرام سے صرف اس نکتے پر ان کے ضمیر کا انصاف چاہتے ہیں کہ مفتیان عرب کی عدالت میں حفظ الایمان کی مسخ کردہ عبارت کو یہ کہہ کر پیش کرنا کہ یہی ہماری کتاب میں ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے کیا یہ کھلا ہوا فریب اور شرمناک دجالی نہیں ہے؟

جو جماعت کعبے کی دہلیز پر کھڑے ہو کر حرم کے پاسبانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتی ہے' اس کے لئے ہندو پاک کے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دینا اور دھوکے میں مبتلا رکھنا کیا مشکل ہے۔؟

یقین کی ایک اور منزل

زبان جھوٹی ہو سکتی ہے۔ قلم جھوٹ لکھ سکتا ہے لیکن ضمیر کا احساس جھوٹ نہیں بولتا۔ حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق ضمیر کے احساس کی ایک کہانی آپ پڑھ چکے ہیں۔ نگاہوں پر بوجھ نہ ہو تو ایک دوسری کہانی اور پڑھئے۔

ماہ صفر ۱۳۴۲ھ ہجری میں حیدر آباد دکن سے تھانوی صاحب کے **مخلصین** نے ایک خط کے ذریعہ ان سے درخواست کی کہ حفظ الایمان کی عبارت میں ترمیم کر دی جائے۔ ترمیم کی وجوہات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

۱۔ ایسے الفاظ جس میں مماثلت علیت شیبہ محمدیہ کو علوم مجانین و بہائم سے شبیہ دی گئی ہے جو بادی النظر میں سخت سوء ادبی (بے ادبی) کو مشعر ہے کیوں نہ ایسی عبارت سے رجوع کر لیا جائے۔

۲۔ جس میں **مخلصین حلمین** جناب والا کو حق بجانب جواب دہی میں سخت دشواری ہوتی ہے۔

مخلصین کا یہ لکھنا کہ حفظ الایمان کی عبارت میں گستاخی کے نہایت سخت الفاظ ہیں بلکہ یہاں تک اعتراف کرنا کہ شان رسالت میں تنقیص و اہانت کا مفہوم اتنا واضح ہے کہ **مخلصین** کو حق بجانب جواب دہی میں سخت دشواری پیش آتی ہے۔ یہ حفظ الایمان کی عبارت' کے خلاف ضمیر کے احساس کی ایک کھلی ہوئی شہادت ہے۔

مخالفین کی بات ہوتی تو اسے عناد و تعصب پر محمول کیا جا سکتا تھا۔ لیکن عقیدت مندوں کی التجا کو بدگوئی یا بدخواہی پر کبھی محمول نہیں کیا جا سکتا یہ طبقہ تو اسی وقت زبان کھولتا یا قلم اٹھاتا ہے جب کہ حق کی مظلومی ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔

"**مخلصین حامین** جناب والا کو حق بجانب جواب دہی میں سخت دشواری ہوتی ہے"

اس فقرے میں نیاز مندوں نے تھانوی صاحب کے سامنے اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ لفظوں کے ذریعہ حقیقت کی اس سے بہتر تصویر نہیں کھینچی جا سکتی۔ تھانوی صاحب کے دل میں قبول حق کے لئے ذرا بھی گنجائش ہوتی تو وہ اس پر برملا سچائی کے اعتراف کے آگے پانی پانی ہو جاتے۔ لیکن موصوف اپنی وجاہت و ناموس کے معاملے میں اتنے سنگدل ہو گئے تھے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی عزت کے سوال پر مسلمانوں کی آسائش کا نشیمن جلتا رہا اور وہ اپنے وقار کے بت کدے میں بیٹھے تماشا دیکھتے رہے۔ نہ بریلی والوں کی فہمائش کا انہوں نے کوئی اثر قبول کیا اور نہ اپنے **مخلصین** کی معروضات کے آگے وہ ٹس سے مس ہوئے۔

ایک اور شہادت

دہلی کے مشہور رہنما حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے "مقامات ابوالخیر" کے نام سے اپنے والد ماجد حضرت مولانا ابوالخیر صاحب مجددی کی سوانح حیات تصنیف کی ہے جو کافی ضخیم اور معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔

موصوف نے اپنی اس کتاب میں حیدر آباد کے ایک مشہور بزرگ حضرت سید محمد جیلانی رفاعی قادری خالدی نقشبندی حیدر آبادی ثم المدنی کا ایک ایمان افروز واقعہ

ان کے پوتے حضرت مولانا سید شاہ نذیر الدین صاحب کی روایت سے نقل کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:۔

> میرے دادا کے پاس حیدر آباد کے لوگ مولوی اشرف علی کا رسالہ حفظ الایمان لائے اور اس کے متعلق آپ سے دریافت کیا آپ نے رسالہ پڑھ کر فرمایا۔ علم غیب کے متعلق مولوی اشرف علی نے نہایت قبیح عبارت لکھی ہے۔ اس کے چند روز بعد مکہ مسجد میں مولوی اشرف علی بیٹھے تھے۔ میرے دادا نے منبر پر کھڑے ہو کر مولوی اشرف علی کے رسالہ کی قباحت بیان کی اور کہا کہ اس عبارت سے بوئے کفر آتی ہے۔ اور پھر چند روز کے بعد مولانا حافظ احمد فرزند مولانا قاسم نانوتوی کے مکان میں علماء کا اجتماع ہوا۔ چونکہ حافظ صاحب کو میرے دادا سے محبت تھی۔ اس لئے انہوں نے آپ کو بھی بلایا اور آپ تشریف لے گئے وہاں حفظ الایمان کی عبارت پر علماء نے اظہار خیال کیا آپ نے اس رسالہ کی قباحت کا بیان کیا اور رسالہ کے خلاف فتوی دیا۔
>
> (مقامات ابوالخیر ص ۴۴۶)

دیوبند ہی کے باخبر حلقے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ حیدر آباد کے جن مخلصین نے تھانوی صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ حفظ الایمان کی اہانت انگیز عبارت سے رجوع کر لیں ان میں یہی "مولانا حافظ احمد صاحب" اور ان کے دیگر احباب پیش پیش تھے اور کچھ بعید نہیں ہے کہ اسی مجلس کی گفتگو کے نتیجے میں لوگوں کے اندر تحریک پیدا ہوئی ہو۔

بہرحال واقعہ کی تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پیر صاحب سے اکابر دیوبند کے نہایت خوش گوار تعلقات تھے اس لئے نہ ان کے اعتراض کو تعصب پر محمول کیا جا سکتا ہے اور نہ اس روایت کو، اور چونکہ اس کتاب کے مصنف

کے ساتھ بھی علمائے دیوبند کے اچھے مراسم ہیں اس لئے اس کتاب کے مشتملات کو بھی ازراہ عناد نہیں کہا جا سکتا۔

حفظ الایمان کی مذمت کرنے والوں کو بارگاہ رسالت سے خوشنودی کا پروانہ

اب اخیر میں ایک روح پرور بشارت سنئے۔ واقعہ کے روای اپنے دادا صاحب کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ:۔

> "پھر تھوڑے دن کے بعد آپ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے رسالہ حفظ الایمان کی عبارت رد کرنے اور اس کو اقبح کہنے پر اظہار خوشی فرما رہے ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا ہم تم سے خوش ہوئے تم کیا چاہتے ہو۔ آپ نے عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ اپنی باقی زندگی مدینہ منورہ میں بسر کروں اور مدینہ کی پاک مٹی میں مدفون ہوں۔ آپ کی درخواست منظور ہوئی اور آپ اس کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ دس سال وہاں مقیم رہے اور ۱۳۴۳ ہجری میں رحلت فرما گئے۔
>
> (مقامات ابوالخیر ص ۶۱۶)

مبارک ہو اہل بریلی کو! کہ بارگاہ رسالت سے خوشنودی کا یہ پروانہ ان کے نام بھی ہے۔ ارباب وفا ناز کریں۔ اپنے مقدر پر کہ اپنے محبوب کے لئے سارے جہان سے خفار رہنے کا کتنا قابل رشک صلہ انہیں ملا۔

لو تبسم بھی شریک نگہ ناز ہوا
آج کچھ اور بڑھا دی گئی قیمت اپنی

دیوبندی بریلوی اختلافات کی صحیح نوعیت

دیوبندی بریلوی نزاع کی صحیح نوعیت کی اصل حقیقت تک پہنچنے میں جو دیوار اب تک حائل رہی ہے وہ یہ ہے کہ غلطی سے علمائے دیوبند کے مقابلے میں فاضل بریلوی کو ایک فریق سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ وہ فریق نہیں ہیں فریق کے صرف وکیل ہیں۔ کیونکہ دراصل فریق مقابل تو وہ ہوا کرتا ہے جو نزاع کے آغاز کے وقت فریق اول کے نشانے پر ہو اور یہاں قصہ یہ ہے کہ جس دن علمائے دیوبند نے ذات رسول کو اپنے قلم کا نشانہ بنایا۔ اس ابتدائی حملے کے وقت نہ فاضل بریلوی سامنے تھے اور نہ ان کا کہیں نام و ذکر تھا انہیں جب معلوم ہوا کہ اہل دیوبند کی طرف سے منصب رسالت کی عظمتوں پر حملہ ہوا ہے تو وہ اپنے محبوب پیغمبر کے ایک جاں نثار وکیل کی حیثیت سے اچانک منظر عام پر آ گئے۔ اس لئے انہیں ایک فریق کا ترجمان تو کہا جا سکتا ہے، پر فریق نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ علمائے دیوبند کی اصل جنگ ان کے ساتھ نہیں ہے بلکہ پیغمبر خدا کے ساتھ ہے وہ تو ایک وفادار غلام کی حیثیت سے اپنے آقائے نعمت کی طرف سے صرف دفاع میں سامنے آئے ہیں۔

اس نزاع کا یہی وہ اصل رخ ہے جسے نگاہ سے اوجھل کر دینے کے بعد مقدمے کا دو ٹوک فیصلہ کرنے میں ہزار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ تخیل میں اگر نزاع کا نقشہ یہ ہو کہ امت کے دو مذہبی پیشواؤں کے درمیان یہ ایک فکری تصادم ہے تو ذہن کی قوت فیصلہ کا مفلوج ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔

جو لوگ اس صورت حال کا شکار ہیں وہ اپنی دانست میں اس نزاع کو چونکہ دو مولویوں کے وقار کی جنگ سمجھتے ہیں اس لئے دونوں کو خوشنود رکھنے میں۔ انہیں مذہب کا کوئی نقصان نہیں محسوس ہوتا۔ لیکن پردہ ذہن پر اگر نزاع کی یہ صحیح تصویر ابھر آئے کہ ایک طرف رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت خداداد ہے اور دوسری طرف قلم کی تلوار لئے ہوئے سہارنپور کے حملہ آور ہیں اور بیچ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے آقا کی حمایت میں سینہ سپر ہیں تو کون بے غیرت مسلمان ہے

جو ایک لمحے کے لئے بھی اپنے محبوب پیغمبر کے حزب مخالف سے اپنے آپ کو وابستہ رکھے گا۔

اس لئے حقیقت کی یہ سچائی اب دلوں میں اتر جانی چاہئے کہ دیوبندی علماء کا اختلاف براہ راست علمائے بریلی سے نہیں بلکہ منصب رسالت کی عظمتوں سے ہے۔

محبت کی ایک عبرت آموز کہانی

شان رسالت میں علمائے دیوبند کی گستاخانہ عبارتوں کا کرب محسوس کرنے کے لئے صرف دل کی ضرورت ہے ایسا دل جو رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ محبت سے لبریز ہو۔

حب رسول کا تقاضا پورا کرنے پر جو لوگ ہم سے آزردہ ہیں، میں انہیں محبت کی ایک عجیب و غریب کہانی سنانا چاہتا ہوں جس سے وہ اندازہ لگا لیں گے کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ محبت کا مزاج کیا ہوتا ہے اور جس سے محبت ہو جاتی اسے کس طرح مانا جاتا ہے۔

"معرفت حق" نام کا ایک رسالہ "مکتبہ وصیۃ العلوم" الہ آباد سے ہر ماہ شائع ہوتا ہے۔ یہ ماہ نامہ تھانوی صاحب کے خلیفہ مولوی وصی اللہ صاحب کے ملفوظات و تعلیمات کی اشاعت کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ مارچ ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں کسی ترجمہ قرآن پر "تعارفی کلمات" کی بابت ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

> "ابھی ماضی قریب ہی میں اردو کا ایک ترجمہ قرآن شائع ہوا۔ دستور زمانہ کے مطابق صاحب ترجمہ نے ایک فاضل نبیل عالم جلیل سے جو حضرت حکیم الامت تھانوی کے مخصوص لوگوں میں سے تھے اس کے تعریف و تعارف کے سلسلے میں چند کلمہ خیر لکھنے کی خواہش کی۔ چنانچہ انہوں نے ان الفاظ میں لوگوں کو روشناس فرمایا۔

"مجھے تراجم میں بوجہ 'بلاغت' حضرت تھانوی قدس سرہ' کا ترجمہ پسند تھا۔ لیکن یہ ترجمہ شگفتگی میں اس سے کچھ سوا ہی نظر آتا ہے"۔
اب دیکھیے کہ بادی النظر میں یہ مضمون اور یہ عنوان کتنا سبک اور خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عجب نہیں کہ عوام اس پر پھڑک ہی جائیں۔ مگر' لیکن کے بعد والے فقرہ نے خواص اور بالخصوص حکیم الامت حضرت تھانوی کے معتقدین کے قلوب کو مجروح کر دیا۔ (دعوت حق مارچ ۱۹۷۶ء ص ۴)

مجروح ہونے والوں میں تھانوی صاحب کے مشہور خلیفہ مولوی عبدالغنی صاحب پھولپوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موصوف کے دل میں تعارف نویس کی طرف سے اتنی سخت نفرت پیدا ہو گئی کہ ایک مدرسہ کے جلسہ میں صرف اس وجہ سے انہوں نے شرکت کرنے سے انکار کر دیا کہ مدعوین علماء میں تعارف نویس کا بھی نام تھا۔ چنانچہ اس غصہ کے سبب اراکین مدرسہ کو ان کے دعوت نامے کا جب انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ لوگ خود آئے اور وجہ دریافت کی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ:۔

بھائی تم لوگوں سے اور اس مدرسہ سے مجھے محبت ہے۔ مگر اس جلسہ میں فلاں صاحب بھی آ رہے ہیں اور انہوں نے ایک صاحب کے ترجمہ پر تقریظ لکھی ہے جس میں حضرت تھانوی کی تفسیر سے مقابلہ کر کے اس تفسیر کو ترجیح و فوقیت دی ہے"۔
"جب سے میں نے یہ تقریظ دیکھی ہے مجھے سخت تکلیف ہے تم لوگ جانتے ہو کہ میں حضرت تھانوی کی محبت میں باؤلا ہوں اور میرا مزاج بھی جانتے ہو۔ اس لئے میں نے خط کا جواب نہیں دیا بلکہ یہ کہتا ہوں کہ مجھے معاف کر دو"۔

(معرفت حق ص ۵)

جلسہ کے موقعہ پر اراکین مدرسہ کے ذریعہ تعارف نویس کو پھولپوری صاحب کے نہ آنے کی اصل وجہ معلوم ہوئی تو انہیں بڑا قلق ہوا۔ اور انہوں نے پھولپوری صاحب کے نام ایک معذرت نامہ لکھا جس کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے:۔

> "کل یہاں حاضر ہوا۔ دل میں خوشی بھی محسوس کرتا ہوا آ رہا تھا کہ مثل سابق اس دفعہ بھی زیارت میسر آئے گی۔ لیکن عدم تشریف آوری سے تحیر ہوا اس سے بڑھ کر جو چیز وجہ تحیر ہوئی۔ وہ عدم تشریف آوری کی وجہ اور بنا تھی۔ جو بعض اکابر مدرسہ کی زبانی سنی اس سے واقعی اس قلق میں اضافہ ہی نہیں بلکہ بے چینی محسوس ہوئی۔ گستاخی وہ بھی اکابر کی شان میں کبھی میرا رویہ نہیں رہا۔ چہ جائیکہ تنقیص کا کوئی پہلو اپنے ہی مربی اور مرشد کے حق میں استعمال کروں۔
>
> (معرفت حق ص ۵)

اس کے بعد کے فقرے چشم عبرت سے پڑھئے اور تجربہ کیجئے کہ اپنے گھر کے بزرگوں کے متعلق دیوبندی علماء کتنے حساس اور رقیق القلب واقع ہوئے ہیں۔ لیکن جیسے ہی دیوبند سے آگے بڑھئے اور کلیر' دہلی' اجمیر اور بغداد پہنچ جائیے۔ پھر نہ عقیدت کی وہ گرم جوشی ہے اور نہ احساس کی وہ چوٹ!

ایک ہی فقرہ جو اپنے خانوادے کے بارے میں ناقابل برداشت ہو جائے۔ وہی دوسروں کے بارے میں خود استعمال کریں اور محسوس بھی نہ ہو کہ ہم نے کسی کا خون کیا۔

چنانچہ گستاخ تعارف نویس غم و غصہ کی جھنجلاہٹ میں دیوبندی علماء کے چہرے سے نقاب الٹتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> "بسا اوقات ایسا ہوا کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ' کے ترجمہ کی زبان سے حضرت مولانا شبیر احمد اور بعض متاخرین

مثل مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمتہ اللہ علیہ کے ترجمہ و بیان کو حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کی زبان پر فوقیت دی جاتی تھی اور اکابر کی زبان سے بھی اس قسم کے جملے کانوں میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ صرف زبان اور طرز ادا کے لحاظ سے ہوتا تھا نہ کہ علم و حقائق کے لحاظ سے"۔

اس لئے[۱] صاحب کے ترجمہ کی بابت یہ جملہ استعمال کرتے ہوئے نہ دل میں کوئی خطرہ گزرا نہ جھجک ہوئی۔ کیونکہ قلب تنقیص کے پہلو سے خالی تھا اور یہ چیز اپنے سے ممکن بھی نہ تھی اور نہ کسی نے اب تک توجہ دلائی۔

(معرفت حق ص ۶)

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زبان کی شگفتگی اور طرز بیان کی دل کشی کے اعتبار کے تھانوی صاحب کے ترجمہ قرآن کے مقابلے میں کسی نئے ترجمے کی تعریف کر کے میں نے کوئی نیا گناہ نہیں کیا ہے۔ ہمارے اکابر نے بھی زبان کے رخ سے شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن پر مولوی شبیر احمد عثمانی اور مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کے تراجم کو فوقیت دی ہے۔ اس لئے دیوبند کے اکابر اگر اس بنیاد پر اپنے بڑوں کے گستاخ نہیں ہیں تو صرف مجھے گستاخی کی سزا کیوں دی جائے۔

اب ذرا جذبہ عقیدت کا کرشمہ دیکھئے کہ اپنی بے گناہی کے باوجود آخر دل نیازمند کو تھانوی صاحب کی عظمت کے آگے جھکنا پڑا اور بغیر کسی پیچ و خم کے صاف صاف اعلان کرنا پڑا کہ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں اور ان جملوں کو حذف کرتا ہوں جن سے ہمارے اکابر اور احباب کو تکلیف پہنچی ہے "توبہ نامہ" کی عبارت یہ ہے:۔

"تاہم جبکہ اس عنوان سے اکابر کو اور احباب کو تکلیف ہوئی تو میں اس تقریظ سے اس جملہ کو "مجھے تمام تراجم میں توجہ بلاغت

---

[۱] یہ نقل بمطابق اصل ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ' کا ترجمہ پسند تھا لیکن یہ ترجمہ شگفتگی میں اس سے کچھ سوا ہی نظر آتا ہے" حذف کرتا ہوں اور ارادہ ہے کہ اس حقیقت کو رسالہ میں شائع کردوں گا۔ نیز مولانا صاحب کو بھی اس کی اطلاع کردوں گا"۔

"امید ہے کہ آں محترم قلب کو اور قلب کے رخ کو جو اس نالائق کی طرف تھا' بالکل صاف فرما دیں گے۔ میرے پاس بجز اکابر کی توجہ کے اور کوئی سرمایہ نہیں سو میں اسے کھونا نہیں چاہتا"۔ (معرفت حق ص ٦)

اب اس کہانی کا نقطہ عروج یہ ہے کہ حسرت و افسوس' عجز و درماندگی اور ندامت و پشیمانی کے اخلاص میں ڈوبا ہوا یہ توبہ نامہ تھانوی صاحب کے درباریوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوا لیکن اس بدنصیب پر توبہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

تھانوی صاحب کے خلیفہ مولوی وصی اللہ صاحب توبہ نامہ کی عبارت پڑھ کر غضب ناک ہو گئے اور آتش غیظ میں سلگتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"یہ فرماتے ہیں کہ قلب تنقیص کے پہلو سے خالی تھا' جب صریح الفاظ سے ...[1] کی تفسیر اور مولانا تھانوی کی تفسیر میں مقابلہ کیا جا رہا ہے اور اس کو بڑھایا جا رہا ہے تو یہ صاف تنقیص ہے اور ہر فعل عاقل بالغ کا مسبوق بالا رادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ارادہ ایسا ہوا۔ یہ دلیل عقلی ہے اس کی لہٰذا تنقیص کے پہلو سے خالی ہونے کا دعوی مسلم نہ ہو گا"۔

---

[1] یہ نقطے اصل کتاب سے نقل کئے گئے ہیں ایسا لگتا ہے کہ صاحب تفسیر کا نام لینا خلاف مصلحت سمجھا گیا ہے۔

> نیز یہ کہا کہ اس تنقیص کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اگرچہ حضرت کی تنقیص نہ مقصود ہو لیکن بیان القرآن کی تنقیص تو اس سے نکلی جو کہ حضرت کا کلام ہے اور کسی کلام کی تنقیص تو مستلزم ہے اس کے متکلم کی تنقیص کو"۔
>
> (معرفت حق ص ۸)

محبت میں بھیگی ہوئی عقل اسی کو کہتے ہیں کہ الفاظ کے روزن سے دلوں کا چھپا ہوا نفاق تک معلوم کر لیا اور گستاخی کو ملزم ثابت کرنے لئے بال کی کھال تک نکال کر رکھ دی۔ لیکن اس مقام پر محسوس کرنے کی چیز یہ ہے کہ کیا اسی ذہانت کے ساتھ کبھی ان لوگوں نے تھانوی صاحب کا بھی احتساب کیا ہے۔ آخر ان پر بھی تنقیص رسالت کا الزام ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بسط البنان میں ان کا "حاشا و کلا" تو قبول کر لیا گیا لیکن اس غریب کی توبہ تک نہیں قبول ہوئی اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ شان رسالت کے گستاخ تھے۔ اس لئے ان کی پردہ پوشی کی گئی اور یہ "پیر مغاں" کا گستاخ ہے اس لئے اس کی پردہ دری کی جا رہی ہے۔

اب آخر میں مولوی وصی اللہ صاحب کے تاثرات پر معرفت حق کے ایڈیٹر کا یہ تبصرہ پڑھئے۔

> "ملاحظہ فرمایا آپ نے کلام کی یہ شدت اور بیان کا یہ جوش، اس تعلق شیخ کا ثمرہ ہے جس کو حضرت پھولپوری نے یوں ظاہر فرما دیا تھا کہ میں تو حضرت تھانوی کی محبت میں باؤلا ہوں"۔
>
> شیخ کا تعلق اور اس سے محبت و عقیدت کا مسئلہ ہی بڑا نازک ہے انسان اس کے خلاف سننا کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ آدمی کسی سے محبت بھی کرے اور اس مذمت کو بھی محبوب رکھے۔
>
> (معرفت حق ص ۹)

رسول عربی کی محبت کا دم بھرنے والو! ذرا چشم عبرت سے اپنی بے حسی کا تماشا

دیکھو! ــــــــــــــ

یہ تھانوی صاحب کے متوسلین تھے۔ جنہوں نے توبہ کرنے کے باوجود اپنے شیخ کے گستاخ کو معاف نہیں کیا اور ایک تم ہو کہ اپنے نبی کے گستاخوں سے توبہ تو کیا کرواتے کہ گستاخی کو گستاخی کہتے ہوئے بھی مصلحت نے تمہاری زبانوں پر مہر لگا دی۔ وہ لفظوں کی راہ سے دل تک پہنچ گئے اور تم ابھی تک الفاظ کے تیور ہی پر بحث کر رہے ہو۔ اپنے خلاف انصاف کرو کہ وہ صرف مرید ہو کر کتنے غیور ثابت ہوئے اور تم امتی ہو کر کسی درجہ بے غیرت نکلے۔

یہ صحیح ہے کہ شیخ کی محبت بڑا نازک مسئلہ ہے لیکن اسی کے ساتھ ایڈیٹر صاحب اتنا اور لکھ دیتے کہ رسول کی محبت سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ تو دیوبندی مذہب کی تصویر بالکل مکمل ہو جاتی۔

محبت کی غیرت کا ایک اور قصہ

اسی "معرفت حق" میں مولوی وصی اللہ صاحب کی زبانی محبت کی غیرت کا ایک قصہ اور نقل کیا گیا ہے کہ بانی دارالعلوم مولوی محمد قاسم نانوتوی کے زمانہ میں ایک آریہ تھا جو بہت زیادہ بسیار خور تھا۔ ایک دن نانوتوی صاحب کے شاگرد نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے حضرت کے ساتھ اگر اس کا مناظرہ کھانے میں ہو جائے تو ہمارے حضرت اس سے جیت نہ سکیں گے۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود راوی کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

> "جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو اس کی یہ بات پہنچی تو مکدر ہوئے اور اس شرگرد پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے معتقد فیہ (یعنی جس سے تمہیں عقیدت ہے) کے متعلق شکست کا خیال ہی تم کو کیوں آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے محبت میں اور اس کی معرفت میں ابھی کمی ہے"۔
>
> (معرفت حق ص ۴)

ایک طرف اپنی عظمت کے تحفظ کی یہ کوشش دیکھئے کہ باوجودیکہ زیادہ کھانا اہل علم کے لئے کمال کی بات نہیں بلکہ عیب کی بات ہے۔ پھر بھی صرف اس لئے شاگرد کا مواخذہ ہوا کہ کسی نوعیت سے بھی ہو اپنے بزرگ کی طرف نقص کی نسبت بہرحال ہو گئی۔

اور دوسری طرف براہین قاطعہ کی وہ اہانت انگیز عبارت ملاحظہ فرمایئے جس سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی اکابر دیوبند نے روئے زمین کے علم پر بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ شیطان لعین کا علم حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے اور شیطان لعین کے علم کی یہ زیادتی قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی زیادتی کے لئے نہ قرآن میں کوئی دلیل ہے اور نہ حدیث میں۔

اس پر اہل حق کی طرف سے جب مواخذہ کیا جاتا ہے کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کے یہ جملے کیوں لکھے گئے تو یہ حضرات جواب میں کہتے ہیں کہ:۔

> "براہین قاطعہ میں ملک الموت اور شیطان کے لئے (ان دلائل کی بنا پر جو مولوی عبدالسمیع صاحب مصنف انوار ساطعہ نے پیش کئے ہیں) صرف علم زمین کی وسعت (زیادتی) تسلیم کی گئی ہے ... اسی مخصوص وسعت (علم کی زیادتی) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیر ثابت بالنص (یعنی قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے) کہا گیا ہے"۔
>
> (فیصلہ کن مناظرہ ص ۱۰۱ مصنفہ مولوی منظور نعمانی)

سوال یہ ہے کہ ایک شاگرد کو اپنے استاد سے عقیدت و محبت کا جو تعلق ہے کیا اتنا بھی تعلق ان حضرات کے نزدیک ایک امتی کا اپنے نبی سے نہیں ہے؟ اگر ہے تو کیا وجہ ہے کہ جس طرز بیان کو استاد نے اپنے لئے موجب تنقیص سمجھا وہی طرز بیان نبی کے حق میں موجب تنقیص کیوں نہیں سمجھا گیا۔

اگر دیوبندی مذہب کے وکلا برانہ مانیں تو اس مقام پر میں انہی کا سوال ان پر دہرا رہا ہوں کہ اپنے نبی کے متعلق علم کی کمی کا خیال ہی کیوں آیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے محبت میں اور اس کی معرفت میں ابھی کمی ہے۔

شان رسالت میں اہانت امیز عبارتوں پر مناظرہ کرنے کے بجائے دیوبندی علماء اسی جذبہ محبت کا مظاہرہ کرتے جو نانوتوی صاحب اپنے حق میں اپنے شاگردوں کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو دیوبندی اور بریلی کا فاصلہ کب کا مٹ گیا ہوتا۔ کیا معزز قارئین ان سوالات پر میرے ساتھ انصاف کریں گے؟۔

چوتھا واقعہ

۱۹۷۶ء میں حکومت ہند کی طرف سے خاندانی منصوبہ بندی کی مہم اس زور و شور سے چلائی گئی تھی کہ لوگوں کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ واضح رہے کہ خاندانی منصوبہ بندی میں نس بندی کی اسکیم بہت نمایاں طور پر شامل تھی۔

اس موقعہ پر علمائے دیوبند نے جس بے دردی کے ساتھ اپنے علم و دیانت کا خون کیا۔ اسے ضمیر فروشی کی تاریخ میں ایک جاندار اضافہ کہا جائے گا۔

منافقانہ کردار کی یہ شرمناک کہانی خود ایک دیوبندی فاضل ماہنامہ تجلی دیوبندی کے ایڈیٹر کی زبانی سنئے۔ مدیر موصوف کے تجزیہ کے مطابق ہندو پاک کے دیوبندی حلقے میں چار شخصیتیں ایسی ہیں جن کی اجارہ درای پوری جماعت پر قائم ہے ان حضرات کے نام یہ ہیں۔ (۱) مولانا زکریا سرپرست تبلیغی جماعت (۲) مولانا محمود صدر مفتی دارالعلوم دیوبند (۳) مولانا اسعد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند (۴) قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اس نوٹ کے ساتھ آپ مدیر تجلی کا یہ بیان پڑھئے۔

> "سب سے پہلے مولانا زکریا کی سنئے! قوم کے چند افراد انتہائی اضطراب و پریشان کے عالم میں مولانا زکریا صاحب کی خدمت میں پہنچے اور صورت حال کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ حضرت مسلمان بہت پریشان ہیں کیا کریں؟ حضرت بولے نماز پڑھو۔

لوگوں نے عرض کیا حضرت نماز تو پڑھ رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا دل سے پڑھو اللہ مدد کرے گا۔ اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی"۔ (تجلی دیوبند نومبر ۱۹۷۶ء ص ۱۵)

اس جواب پر مدیر موصوف کے تاثرات پڑھنے کے قابل ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"صاف سی بات یہ ہے کہ مولانا زکریا صاحب مسئلہ کی صحیح نوعیت ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ انہیں حکومت کا مزاج بھی معلوم تھا اور قوم کا مزاج بھی۔ انہیں یقین تھا کہ اگر منصوبہ بندی جائز کہا تو عقیدت کا تاج محل ڈھیر ہو جائے گا اور قوم بگڑ جائے گی۔ اور اگر منصوبہ بندی کو ناجائز کہہ دیا تو حکومت خفا ہو جائے گی اور ان رعاتیوں اور سہولتوں سے محروم کر دے گی جن کی موجودگی عبادات کو باغ و بہار بنائے ہوئے ہیں"۔
(تجلی دیوبند نومبر و دسمبر ۱۹۷۶ء ص ۱۲)

اب دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے ناموس اکبر مفتی محمود صاحب کا حلیہ ملاحظہ فرمایئے۔ مدیر موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب مفتی محمود صاحب کا حدود اربعہ بھی دیکھ لیجئے۔ چند ماہ پیشتر ایک کتابچہ بعنوان، "فیملی پلاننگ کا شرعی حکم" مکتبہ نعمانیہ (دیوبند) سے شائع ہوا۔ اس کتابچہ میں درالعلوم دیوبند کے مفتیوں کا متفقہ فتویٰ درج تھا۔ یہ کتابچہ کسی طرح قانون کی زد میں آگیا اور کتابچے کے خالقین کی تلاش شروع ہوئی"۔
"حضرت مفتی محمود صاحب سے علاقائی حاکموں نے پوچھ گچھ کی تو مفتی صاحب نے دلیرانہ انداز میں ارشاد فرمایا اس کتابچہ میں جو فتویٰ درج ہے وہ تو ہم نے ۸۷ھ میں بیان کیا تھا۔ ناشر کی غلطی ہے کہ اس نے فتوے کو ان حالات میں چھاپ دیا۔ ہم اس سے

بری الذمہ ہیں"۔ (تجلی ص ۱۶)

لہٰذا ناشر (یعنی پبلشر) کو سولی پر چڑھایا جائے کہ اس کم بخت نے یہ سمجھنے میں کیوں غلطی کی کہ ہماری طرح ہمارا فتویٰ بھی ابن الوقت ہے۔ ایک ہی چیز ماحول سازگار ہے تو کفر بھی ہے۔ شرک بھی ہے اور حرام بھی۔ لیکن قہر و جبر کی تلوار اگر سروں پر لٹک رہی ہے تو کفر کو اسلام' شرک کو ایمان اور حرام کو حلال بنا دینا ہماری تاریخ کا ایک جانا پہچانا کردار ہے۔

اب واقعات کے آئینے میں مولوی اسعد مدنی کے اصل چہرے کا خدوخال ملاحظہ فرمائیے۔ مدیر موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

> "اب مولانا اسعد مدنی صدر جمعیت علماء ہند کی ثبات قدمی بھی دیکھئے کہ جس موقع پر امت مسلمہ انتہائی پریشانی اور تذبذب کا شکار تھی۔ اس موقع پر بجائے اس کے کہ آپ امت مسلمہ کی رہ نمائی کرتے اس کو دلاسا دیتے۔ ہندوستان ہی سے رفوچکر ہو گئے۔ یہ طریقہ سب سے زیادہ موثر تھا کہ ہندوستان میں ہوں گا نہ مسلمانوں کا کوئی مسئلہ حل کرنا پڑے گا۔
>
> (تجلی دیوبند ص ۱۶)

مدنی صاحب کی طرف یہ الزام غلط ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا یہ مسئلہ حل نہیں کیا۔ کیونکہ خود مدیر موصوف نے آگے چل کر بیان کیا ہے کہ:۔

> "مولانا اسعد مدنی تو مدت ہوئی میرٹھ کی سرزمین پر جمعیۃ العلماء کے سالانہ اجلاس میں کھلے عام منصوبہ بندی کی تائید کر چکے ہیں اور دبے لفظوں میں اس بات کا اظہار بھی کر چکے ہیں کہ مسلمان منصوبہ بندی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیں اور اسے کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔
>
> (تجلی دیوبند ۱۹۷۶ء ص ۱۸)

اب اخیر میں دیوبندی جماعت کے ناموس اعظم قاری طیب صاحب کا "مجاہدانہ کردار" ملاحظہ فرمائیے۔ تجلی کے مدیر موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۹ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی شام کو آل انڈیا ریڈیو سے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب کا انٹرویو نشر ہوا ہے اس انٹرویو نے پورے ملک میں ہلچل مچا دی ہے' شہر شہر' گاؤں گاؤں' گلی گلی اور گھر گھر اس انٹرویو کا چرچا تھا۔ بیس اکتوبر کی شام کو کسی مکان کا کوئی مکین ایسا نہیں تھا جس کا موضوع گفتگو حضرت موصوف کا انٹرویو نہ ہو۔

(تجلی دسمبر نومبر ۱۹۷۶ء ص ۸)

وہ انٹرویو کیا تھا اور عام مسلمانوں پر اس کا رد عمل کیا ہوا۔ ان ساری باتوں کو جاننے کے لئے ان خطوط کے اقتباسات پڑھئے جو ملک کے طول و عرض سے خود تجلی کے اوراق میں شائع ہوئے ہیں:۔

پہلا خط

قاری طیب صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے' اگر وہ سچائی لئے ہوئے ہے تو پھر یہ بات بالکل ثابت ہو جاتی ہے کہ نس بندی قطعی طور پر جائز ہے بلکہ مستحق ہے اگر جائز و مستحسن نہ ہوتی تو قاری طیب صاحب کو اس بارے میں زور دار انٹرویو دینے کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور اب یہ بات کلیئر (صاف) ہو گئی ہے کہ مولویوں نے نس بندی کے مسئلے کو خواہ مخواہ ہوا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ نس بندی حرام نہیں تھی۔

(تجلی دسمبر نومبر ۱۹۷۶ء ص ۱۱)

دوسرا خط

شری قاری طیب صاحب کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ ایک ناجائز چیز کو جائز اور حلال بنا دیں۔ وہ اگر مفتی ہونگے تو اپنے گھر کے مفتی ہونگے۔ ہم انہیں مفتی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ لہٰذ نس بندی کے بارے میں جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے وہ ان کے گھر والوں ہی کے لئے قابل قبول ہو سکتا ہے اور کسی کو اس بات کا پابند نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ان کے بتائے ہوئے فتوے پر عمل کرے۔

(تجلی مذکور ص ۱۱)

تیسرا خط

یہ قاری طیب وہی تو ہے جس نے درگا شاہ ولی اللہ میں نس بندی کو ناجائز بتایا تھا اور اسی نس بندی کو اب جائز کون سے منہ سے کہہ رہا ہے۔

(تجلی مذکور ص ۱۱)

چوتھا خط

(مہتمم صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) مسلمانوں کو آپ کے بیان سے سخت صدمہ ہوا ہے اور آپ نے ایک بیان میں اپنی عمر بھر کی کاوشوں اور محنتوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اس بیان نے یہ سبق دیا ہے کہ آپ پر علمی بھروسہ نہ کیا جائے۔ آپ نے ایک تاریخ ساز غلطی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی غلطی کو معاف فرمائے اور آپ اپنے بیان کی تردید فرمائیں تو بہتر ہے۔

(تجلی مذکور ص ۱۲)

پانچواں خط

"حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب نے نس بندی کے بارے میں جو خیالات پیش کئے ان سے صاف طور سے نہ سہی مبہم انداز میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ نس بندی کوئی ایسا فعل نہیں جس سے عقیدے کو ٹھیس پہنچتی ہو' زیادہ سے زیادہ نس بندی کو احتیاط اور پرہیزگاری کے منافی کہا جا سکتا ہے"۔ مہتمم صاحب کے بیان کے بعد تمام علماء کے لئے ضروری ہے کہ نس بندی کے خلاف کوئی ہنگامہ برپا نہ کریں اور مہتمم صاحب کے بیان کو "راس العلم" تصور کرتے ہوئے اس سلسلے میں یا تو خاموشی اختیار کرلیں یا لوگوں کو نس بندی کی ترغیب دیں۔

(تجلی مذکور ص ۱۲)

چھٹا خط

دیوبندیوں نے ہمیشہ ہی وقت کی حکومت کے قدموں پر اپنی ناک رگڑی ہے یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں۔ اس سے پہلے بھی ان لوگوں نے حکومت کو خوش کرنے کی خاطر الٹے سیدھے فتوے صادر کئے ہیں جن میں چاول برابر بھی حقانیت موجود نہیں تھی۔

(تجلی مذکور ص ۱۲)

سانواں خط

یہ عریضہ خصوصیت سے میں آپ کو مبارک باد دینے کے لئے لکھ رہا ہوں۔ مبارک باد اس بات پر کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ان تمام مفتیان کرام نے اپنی نس بندی کرالی ہے جو کل تک اس کے خلاف فتوے دیتے رہے۔

(تجلی مذکور ص ۱۲)

یہ رہا علمائے دیوبند کا منافقانہ کردار جس کی شہادت میں ان کے گھر کی یہ دستاویز ہی بہت کافی ہے۔

لیکن اس مسئلے میں علمائے بریلی کا کردار معلوم کرنا چاہتے ہوں تو بریلی کے مرکزی دارالافتاء اور اعلان حق کی پاداش میں سنٹرل جیل ایزٹ نگر کی دیواروں کے نقوش پڑھئے۔ قدم قدم پر دیانت و تقویٰ خشیت الٰہی اور حق و صداقت کے رنگا رنگ جلوے بکھرے نظر آئیں گیں۔

پانچواں واقعہ

اب اخیر میں "توریہ" کی زبان کا ایک شرمناک واقعہ اور سن لیجئے۔

یہ الزام بغاوت انگریزی عدالت میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی حاضری اور سوال و جواب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے گنگوہی صاحب کے سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی میرٹھی تحریر فرماتے ہیں:۔

> "جس وقت حاکم کے حکم سے عدالت میں بلائے جاتے تو ظاہر ہو کر بے تکلف گفتگو کرتے اور جو وہ دریافت کرتے بے تکلف اس کا جواب دیتے تھے"۔
>
> "آپ نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان کو موڑ کر نہیں کہا۔ کسی وقت جان بچانے کے لئے تقیہ نہیں کیا۔ جو بات کہی سچ کہی۔ جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر بالکل واقعہ کے مطابق اور حقیقت حال کے موافق"۔
>
> "کبھی آپ سے سوال ہوا کہ رشید احمد تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا۔ آپ جواب دیتے ہمارا کام فساد کا نہیں اور نہ ہم مفسدوں کے ساتھی۔ کبھی دریافت ہوتا کہ تم نے سرکار کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ ہمارا ہتھیار تو یہ ہے۔ کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تم کو

پوری سزا دیں گے۔ آپ فرماتے کیا مضائقہ ہے۔ مگر تحقیق کر کے"۔

(تذکرۃ الرشید جلد ا ص ۸۵)

سوال و جواب کی یہ عبارت پھر پڑھئے اور بغیر کسی رو رعایت کے سچائی کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ انہوں نے کوئی کلمہ دبا کر زبان کو موڑ کر نہیں کیا۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے انگریزی سرکار کے خلاف باغیوں کا ساتھ دیا تھا اور میدان جنگ میں ہتھیار بھی اٹھائے تھے تو ماننا پڑے گا کہ نہ صرف یہ کہ کلمہ دبا کر اور زبان کو موڑ کر سوالوں کے جوابات دیئے تھے بلکہ عدالت کے سامنے خوبصورت جھوٹ بول کر انہوں نے نہایت شرمناک طریقے پر اپنی جان بھی بچائی۔ یہ صرف بزدلی نہیں ہے بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی کسی جماعت کے سربراہ کے حق میں ایک نہایت گری ہوئی بات ہے۔

دینی جلالت کا ایک تاریخی واقعہ

البتہ مجاہدانہ کردار مرد مومن کی شوکت فکر اور علم و دیانت کے تقدس کا بے مثال نمونہ دیکھنا چاہتے ہوں تو علمائے بریلی کے مقتدائے اعظم حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمتہ والرضوان کی جلالت علم و فکر کا یہ تاریخی واقعہ پڑھئے جسے سیرالعلماء کے حوالہ سے شیخ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب نے بھی اپنی کتاب "نقش حیات" میں بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:

"۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا۔ مولانا موصوف کے فیصلے کے لئے جیوری بیٹھی۔ ایک اسیر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ سرکاری وکیل کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے۔ بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کئے اور پھر خود ہی مثل تار عنکبوت

عقلی و قانونی ادلہ سے توڑ دیئے"۔

جج یہ رنگ دیکھ کر پریشان تھا اور ان سے ہمدردی بھی تھی۔ یہ جج نے صدر الصدری کے عہد میں مولنسا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا۔ وہ مولانا کی عظمت و تجرسے بھی واقف تھا وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں۔ کرے تو کیا کرے۔ ظاہر یہ ہو رہا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں گے۔ سرکاری وکیل لاجواب تھے"۔

"دوسرا دن آخری دن تھا۔ مولانا نے اپنے اوپر جس قدر الزام لئے تھے ایک ایک کر کے سب رد کر دیئے۔ جس مخبر نے فتوے کی خبر دی تھی (مولانا نے) اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی۔ فرمایا کہ پہلے اس گواہ نے سچ کہا اور رپورٹ صحیح لکھوائی تھی (کہ میں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا) اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرغوب ہو گیا اور جھوٹ بولا"۔

"وہ فتویٰ صحیح ہے' میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے۔

"جج بار بار علامہ کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مخبر نے عدالت کا رخ اور علامہ کی بارعب و پروقار شخصیت دیکھ کر شناخت کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہہ ہی دیا تھا کہ یہ وہ مولانا فضل حق نہیں ہیں وہ دوسرے تھے۔ گواہ حسن صورت اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متاثر ہو چکا تھا۔ مگر علامہ کی شان استقلال کے قربان جایئے خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے "وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے۔ اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر

خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ شد

(بحوالہ سیر العلماء، نقش حیات جلد ۲ ص ۵۴)

انگریزی سرکار کے خلاف اہل سنت کے ایک عظیم مقتدا کا یہ ولولہ انگیز فتوے دیکھئے جو دارو رسن اور طوق و سلاسل کی دہشت کے آگے بھی تبدیل نہ ہو سکا۔ لیکن نس بندی کے خلاف مفتیان دیوبند کا فتویٰ صرف حاکمانہ تیور کے سامنے چشم زدن میں تبدیل ہو گیا۔ آخر کیوں؟

اپنے موضوع سے ہٹ کر میں ایک ذیلی بحث میں بہت دور نکل گیا اب پھر آپ اسی مقام پر لوٹ آئیں۔

چھٹا جواب

زلزلہ میں سوانح قاسمی کے حوالہ سے دیوبند کے دیوان جی کا کشفی مشاہدہ نقل کیا گیا تھا کہ نصرانیت اور تجدد و آزادی کے آثار دارالعلوم دیوبند میں ظاہر ہوں گے۔ اس کشفی مشاہدہ پر زلزلہ میں جو تبصرہ کیا گیا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

> "مجھے اس مقام پر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ لوگ اپنا عیب چھپانے کے لئے دوسروں پر انگریزوں کی کاسہ لیسی اور ساز باز کا الزام عائد کرتے ہیں وہ گریبان میں منہ ڈال کر ذرا اپنے گھر کا یہ کشف نامہ ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب کے مصنفین کو اس کشف پر اگر اعتماد نہ ہوتا تو وہ ہرگز اسے شائع نہ کرتے۔
>
> (زلزلہ ص ۹۵)

سنبھلی صاحب نے اس الزام کے بھی دو جوابات دیئے ہیں:۔

پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہندوستان میں جس طبقے نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی ہے۔ وہ انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ ہے اس لئے انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا، انگریزوں کے خلاف صف آرا ہونے سے مانع نہیں ہے۔

جواباً عرض کروں گا کہ یہاں نصرانیت کا ہے۔ انگریزی تعلیم کا نہیں ہے۔ کسی

بھی جماعت کے اندر نصرانیت کے آثار پیدا ہی اس وقت ہوں گے جب کہ وہ اپنے آپ کو نصرانیوں کا خوشہ چیں، کاسہ لیس اور نیاز مند تصور کرے۔

سنبھلی صاحب نے ہندوستان کے کانگریسیوں کی کھدر کی ٹوپی، کھدر کا کرتا اور کسی کھدر بھنڈار کا سازوسامان ہی دیکھ لیا ہوتا یا کسی آشرم ہی میں چلے گئے ہوتے تو انہیں انگریزی تعلیم اور انگریزی تہذیب کا فرق معلوم ہو جاتا۔ اور یہ زحمت بھی گوارا نہ تھی تو خود ان کے اکابر ہی میں ایک سے ایک کھدر دھاری گزرے ہیں۔ انہی میں وہ شیخ صاحب بھی ہیں جو کھدر کے کفن کے بغیر جنازہ کی نماز ہی نہیں پڑھاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے مرنے کے بعد ایک مسخرے شاعر نے یہ طنزیہ شعر بھی ان کی شان میں کہا تھا کہ۔

بولے فرشتے اس کے گنہ سب معاف ہیں
کھدر کا پورا تھان لپیٹے کفن میں ہے

دوسرا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو مستقبل میں پیش آنے والے مذہبی فتنوں اور دینی خطروں سے باخبر کیا ہے۔ ہمارے اکابر کی پیشین گوئی بھی حضور ہی کے نقش قدم پر ہے۔

میں عرض کروں گا کہ سنبھلی صاحب نے صرف آدھی بات کہی ہے۔ انہیں یہ بھی کہنا چاہیے تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے جس طرح امت کے خیر پسند طبقے نے ہر دور میں ان فتنوں سے اپنے آپ کو اور افراد مسلمین کو بچانے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح دیوبندی فرقے کے جو لوگ اپنے اکابر کی اس پیشین گوئی پر اعتماد رکھتے ہیں انہیں بھی چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند کے فتنے سے اپنے آپ کو بھی بچائیں اور امت مسلمہ کو بھی۔

ساتواں جواب

شیخ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب کی خود نوشت سوانح "نقش حیات" کے حوالے سے زلزلہ میں جناب سید احمد صاحب بریلوی کے متعلق ان کی یہ عبارت نقل

کی گئی تھی۔

"سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں یہ پریشان تھے۔ اس بناء پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے۔
اس کے بعد حکومت کس کی ہو گی اس سے آپ کو غرض نہیں ہے۔ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔

(نقش حیات)

اس عبارت پر زلزلہ میں جو تنقید کی گئی تھی اس کا متن یہ ہے:۔

آپ ہی انصاف سے بتائیے! کہ مذکورہ بالا حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضاکاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سکولر اسٹیٹ (لا دینی حکومت) قائم کرنے کے لئے اٹھا تھا۔ (زلزلہ)

اس کے جواب میں سنبھلی صاحب نے پہلے تو زلزلہ کے مصنف کو دیوبندی تہذیب کے تبرکات سے سرفراز کیا ہے۔ اس بعد مولوی حسین احمد صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو اسی طرح کے جواب میں کسی معترض کے نام انہوں نے لکھا ہے۔ سنبھلی صاحب کے کہنے کے مطابق وہ خط دعوت اخبار دہلی اور "الفرقان" میں چھپ چکا ہے۔

معترض کے نام خط کا یہ ٹکڑا پوری توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"آپ کا یہ اعتراض کہ حضرت سید صاحب کو سیکولر اسٹیٹ بنانے

> کا ارادہ کرنے والا اور صرف انگریزوں کو نکالنے والا میں قرار دیتا ہوں بالکل خلاف واقعہ اور تصریحات سے روگردانی ہے۔ بہرحال یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض کوئی عبارت ایسی ہے جس کی دلالت مطابقی یہی ہے۔ دوسری توجیہہ اس میں نہیں ہو سکتی تو میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔
>
> (بریلوی فتنہ ص ۱۹۶)

یہ خط پڑھ کر میں محوِ حیرت رہ گیا کہ دیوبندی جماعت کے شیخ الاسلام ہو کر اتنی نچلی سطح پر اتر آئے کہ خود اپنے آپ کو جھٹلا دیا۔ کسی کا بد عقیدہ ہونا الگ بات ہے اور اپنے منصب کے اعتبار سے اخلاقی قدروں کا تحفظ بالکل دوسری چیز ہے۔ ان کی کتاب نقش حیات کی عبارت ہو بہو میں نے نقل کر دی ہے آپ اس کا ایک ایک لفظ پڑھ کر خود ہی فیصلہ کریں کہ اس عبارت میں انہوں نے سید صاحب کو سیکرلر اسٹیٹ بنانے کا ارادہ کرنے والا اور صرف انگریزوں کا نکالنے والا قرار دیا ہے یا نہیں؟

"آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے"۔ اس کا کھلا ہوا مطلب صرف انگریزوں کا نکالنے والا قرار دینا ہے یا نہیں؟ اور ہندو مسلم اشتراک سے جو ملی جلی سرکار وہ بنانا چاہتے تھے۔ اسے سیکولر اسٹیٹ نہیں کہا جائے گا تو اور کیا کہا جائے گا۔

گروہی عصبیت سے بالاتر ہو کر ذرا سوچئے کہ جب دیوبندی فرقے کے بڑوں کا یہ حال ہے کہ آنکھوں میں دھول نہیں کنکر جھونک رہے ہیں تو دروغ بیانی میں ان کے چھوٹوں کا کیا حال ہو گا۔

ٹھیک ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ آدمی کتنی ہی چالاکی سے جھوٹ بولے لیکن ضمیر بہرحال ملامت کرتا ہے اور شاید ملامت ہی کا نتیجہ ہے کہ اخیر میں انہیں اقرار کرنا پڑا کہ "میں اس سے رجوع کرتا ہوں"۔ سوال یہ ہے کہ آں جناب نے کوئی بات ہی نہیں کی ہے تو رجوع کس چیز سے کرتا ہوں"؟

انکار کیوں؟

سنبھلی صاحب اگر برا نہ مانیں تو اخیر میں ان سے یہ سوال کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ سید احمد صاحب بریلوی کے خلاف اس الزام پر کہ وہ ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے۔ آپ حضرات اس قدر چراغ پاکیوں ہیں۔

اگر آپ حضرات کے نزدیک یہ کوئی خلاف شرع اقدام تھا تو بقول آپ کے انڈین نیشنل کانگریس کے ترنگے جھنڈے کے نیچے آپ کے علماء نے ۱۹۴۷ء میں جو جہاد کیا تھا اس کا مقصد ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنا نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ خود آپ کے شیخ صاحب کے متعلق ان کے ایک رفیق نے ۱۹۴۷ء میں کانگریس امیدواروں کی کنویسنگ کے سلسلے میں ان کے انتخابی دورے کی جو یہ رپورٹ شائع کی ہے۔ اس کا بھی مدعا بجز اس کے اور کیا تھا کہ ہندوستان میں ایک لادینی حکومت قائم کی جائے رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں:۔

> "جائس اور نصیر آباد حلقے میں دورہ تھا۔ کار کا سفر تھا۔ امیدوار صاحب جو یوپی کے ایک مشہور مسلمان بیرسٹر ہیں، ہمراہ تھے۔ اس سفر سے اندازہ ہوا کہ مولانا (حسین احمد صاحب) اس کام کو اپنا ایک دینی فرض اور ایک عقیدہ وارادہ کے تحت کر رہے ہیں"۔ (مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱)

یہ سوال اپنی جگہ پر ہے کہ کس آیت یا کس حدیث میں کانگریسی امیدواروں کے لئے انتخابی دورے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک دینی فرض کی طرح ان پر عائد ہو گیا تھا۔ سردست سنبھلی صاحب سے صرف اتنا ہی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ لادینی حکومت کے قیام کے لئے جو دینی فرض مولوی حسین احمد صاحب اور دیگر علمائے دیوبند پر عائد ہوا تھا وہ سید احمد صاحب بریلوی کے حق میں قابل اعتراض کیوں بن گیا۔؟

کہیے! اب تو مان لیا آپ نے کہ دیوبندی مذہب تضادات کا مجموعہ ہے؟

آٹھواں جواب

"زلزلہ" میں تقویۃ الایمان کے حوالے سے نقل کیا گیا تھا کہ مولوی اسمٰعیل

دہلوی نے کشف کا دعویٰ کرنے والوں اور استخارہ کا عمل سکھانے والوں کو جھوٹا اور دغا باز لکھا ہے۔

اس کے جواب میں سنبھلی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی کشف اور استخارہ کے منکر نہیں ہیں بلکہ جھوٹا اور دغا باز انہوں نے ان لوگوں کو لکھا ہے جو پیشے کے طور پر عوام کو لوٹنے کے لئے اس طرح کا دھندا کرتے ہیں۔

میں عرض کروں گا کہ مولوی اسمٰعیل نے کشف کو بھی علم غیب کے زمرے میں شمار کیا ہے، جس کا حوالہ پچھلے اوراق میں گذر چکا ہے۔ لہٰذا اس بنیاد پر علم غیب کی طرح کشف کے بھی وہ یقیناً منکر ہیں اور اگر وہ منکر نہ ہوں تو خود اپنی تکذیب کا الزام ان پر عائد ہو جائے۔

واضح رہے کہ سنبھلی صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں تقویتہ الایمان کی جو عبارت پیش کی ہے اس کا تعلق کشف سے نہیں بلکہ الہام سے ہے۔

اظہار معذرت

"خاتمہ کلام" میں انہوں نے مولوی ابوالحسن علی صاحب ندوی کے حوالے سے اس واقعہ کا انکار کیا ہے جو سیرت سید احمد شہید کے ایک حوالے کے سلسلے میں پیش آیا تھا۔

میں عرض کروں گا وہ آپ ہی کے آدمی ہیں آپ جس طرح کا بیان چاہیں ان کی طرف منسوب کر دیں آپ کا قلم کون پکڑ سکتا ہے۔ لیکن اس طرح کی حرکتوں سے اصل حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔

خاتمہ کلام میں دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ زلزلہ کے متعلق یونائیٹڈ امریکہ کی لائبریری آف کانگریس کے مراسلے پر انہوں نے اپنے سخت غم و غصہ کا اظہار کیا ہے مجھے اگر معلوم ہوتا کہ اس خط سے ان حضرات کو اتنی تکلیف پہنچے گی تو یقین کیجئے میں ہرگز "زلزلہ" میں اس کا ترجمہ شائع نہ کرتا۔

بہرحال "زلزلہ" کے متعلق لوگوں کے خوشگوار تاثرات کے اظہار سے اگر

انہیں تکلیف پہنچی ہے تو میں انتہائی خلوص کے ساتھ اس کی معذرت چاہتا ہوں۔

سنبھلی صاحب نے اپنی کتاب میں اکابر دیوبند کے خلاف زلزلہ کے عائد کردہ سیاسی الزمات کے جو جوابات دیئے تھے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ان کے پرزے اڑ گئے اور دلائل کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ زلزلہ کے قائم کردہ الزامات ناقابل تردید ہیں۔ اب دیوبندی مصنفین کے لئے سوا اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ وہ تاریخ کی سچائیوں کا انکار کرنے کے بجائے حقائق کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں۔

غوث الثقلین محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت
سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
کی مشہور زمانہ تصنیف

الغنیۃ لطالبی طریق الحق

مشہور بہ

غنیۃ الطالبین

شمس صدیقی

سابق صدر شعبہ فارسی دار العلوم منظر اسلام بریلی

ناشر

پروگریسو بکس

۴۰-بی، اردو بازار لاہور

فون: ۷۳۵۲۷۹۵

چوتھی بحث

علمائے بریلی کے خلاف الزامات کے بیان میں

بریلوی فتنہ کے مصنفین نے "زلزلہ" میں دیوبندی مذہب کے خلاف لگائے گئے الزامات سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے اپنی کتاب کے اخیر میں ایک ضمیمہ لگایا ہے اور اس میں علمائے بریلی کے خلاف دل کھول کر زہر افشانی کی ہے۔ ان کی شرارتوں کے مفصل جواب کے لئے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ خدا نے توفیق بخشی تو مستقبل قریب میں اس فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کروں گا۔

لیکن سردست نہایت اختصار کے ساتھ ان تین الزامات کا تنقیدی جائزہ لے رہا ہوں جو علمائے بریلی کے خلاف ضمیمہ میں لگائے گئے ہیں۔

پہلا الزام

علمائے بریلی کے خلاف پہلا الزام تکفیر مسلمین کا ہے یہ اتنا بھیانک اور شرمناک جھوٹ ہے جس کی پیداوار دیوبند ہی کی سرزمین میں ہو سکتی ہے ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ علمائے بریلی نے کسی مسلمان کو ہرگز کافر نہیں بنایا ہے۔ یہ ان کے خلاف نہایت شرانگیز، گمراہ کن اور بے بنیاد پروپیگنڈہ ہے۔ البتہ جن لوگوں نے قولاً عملاً یا اعتقاداً کفر کا ارتکاب کر کے خود اپنا رشتہ اسلام سے توڑ لیا ہے۔ علمائے بریلی نے ان پر شریعت اسلامی کا حکم ضرور نافذ کیا ہے۔ قانون کے نفاذ کا یہ عمل اگر قابل مذمت ہے تو خود علمائے دیوبند بھی اس الزام کی زد میں ہیں۔ انہوں نے بھی مرزائیوں

کی، تبرائی شیعوں کی اور بہت سے فرقہ ہائے باطلہ کی تکفیر کی ہے اور ان کے مذہب کی بنیادی کتاب تقویتہ الایمان کی رو سے تو روئے زمین پر شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ملے جس پر شرک و کفر کا الزام نہ عائد ہوتا ہو۔

یہیں تک نہیں بلکہ علمی دنیا کی مشہور شخصیتوں کی بھی انہوں نے تکفیر کی ہے جیسے مولانا شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی اور مولوی عبید اللہ سندھی وغیرہ بلکہ اس شوق میں وہ یہاں تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ انجانے میں اپنے گھر کے بزرگوں کو بھی انہوں نے کافر بنا ڈالا ہے جیسے تصفیہ العقائد کے مصنف مولوی قاسم صاحب نانوتوی اور "اسلام اور مغربی تہذیب" کے مرتب قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

لہٰذا دوسروں کو ہدف ملامت بنانے کے بجائے دیوبندی مصنفین کو چاہئے کہ پہلے وہ اپنے بزرگوں کا چہرہ صاف کریں۔

دوسرا الزام

دوسرا الزام فاضل بریلوی پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تنقیص شان کا ہے یہ الزام بھی انتہائی شرانگیز، گمراہ کن اور قطعاً" بے بنیاد ہے۔

میں ساری دیوبندی برادری کی چیلنج کرتا ہوں کہ ان میں ذرا بھی علم و دیانت کی غیرت ہو تو حدائق بخشش حصہ سوم سے جو اشعار انہوں نے اس الزام کے ثبوت میں نقل کئے ہیں اس کے متعلق ثابت کریں کہ وہ اشعار فاضل بریلوی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کہے ہیں۔

میں کن لفظوں میں بریلوی فتنہ کے مصنفین کے خلاف اس ظلم و بددیانتی کی شکایت کروں کہ انہوں نے اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے اس کے متعلق وہ پوری تفصیلات سے واقف ہیں کہ یہ کتاب نہ فاضل بریلوی کی حیات میں شائع ہوئی نہ اس کی ترتیب و اشاعت میں ان کے خاندان کے لوگوں کا کوئی ہاتھ ہے اور نہ بریلی کے مرکز سے اس کی توثیق کا اعلان ہوا۔ اس لئے اس کتاب کے مشمولات، اس کی ترتیب اور ماخذو مسودات کے سلسلے میں جو کچھ بھی ذمہ داری

عائد ہوتی ہے وہ تنہا کتاب کے مرتب پر عائد ہوتی ہے بلکہ ۳۰ سال سے زائد کا عرصہ ہوا کہ کتاب کے مرتب نے اپنا توبہ نامہ شائع کر کے اشعار کی ترتیب میں جو ان سے لغزش واقع ہوئی تھی' اس کا کھلے دل سے اعتراف کر لیا اور اچھی طرح واضح کر دیا کہ جن اشعار کو مخالفین اپنی شقاوت قلبی کے نتیجے میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں سمجھ رہے تھے۔ دراصل وہ اشعار تشبیب کے ہیں۔ ان کا تعلق حضرت صدیقہ کی ذات سے ہرگز نہیں ہے بلکہ عرب کی ان گیارہ مشرکہ عورتوں سے ہے جن کی پوری تفصیل مسلم شریف کی صحیح حدیث میں مذکور ہے۔

"شقاوت قلبی" میں نے اس لئے کہا کہ خود کتاب کے مرتب نے جہاں وہ اشعار درج کئے ہیں وہاں "علیحدہ" کی موٹی سرخی لگا دی ہے تاکہ پڑھنے والے سمجھ جائیں کہ ان اشعار کا تعلق حضرت صدیقہ کی ذات سے نہیں ہے بلکہ یہ اشعار بالکل الگ ہیں جن کا اوپر کے سلسلے سے کوئی معنوی ربط نہیں ہے۔ لیکن اسے دل کی سیاہی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اتنے واضح قرینے کے باوجود دیوبندی حضرات ان اشعار کو صرف اس لئے حضرت صدیقہ کی ذات پر ڈھالتے ہیں۔ تاکہ ہر طرف وہ نقارہ پیٹ سکیں کہ حضرت صدیقہ کی شان میں علمائے بریلی کی یہ گستاخی دیکھئے۔

تازیانے

سچ پوچھئے تو کتاب کے مرتب کی دیانت' خدا ترسی اور نسبت رسالت کا جذبہ احترام اس دور میں ضرب المثل بنانے کے قابل ہے کہ انہوں نے تاویل کی گنجائش کے باوجود صرف اتنی سی لغزش پر کہ دستور کے مطابق تشبیب کے اشعار قصیدے کے شروع میں ہوتے اور ترتیب دیتے وقت غلطی سے یہ اشعار درمیان میں آگئے تھے۔ انہوں نے بلاپس و پیش اپنا توبہ نامہ چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں عامہ مسلمین کے درمیان تقسیم کرایا۔

اپنی نادانستہ غلطی کے اعتراف میں نہ ان کی علمی وجاہت مانع ہوئی اور نہ ہی اپنے لاکھوں عقیدت مندوں کے درمیان ان کی بلند قامت شخصیت کا وقار و اعتماد اس

راہ میں حائل ہوا بلکہ وہ ایک بے نفس مرد مومن کی طرح بیساختہ حق کے آگے جھک گئے۔

ان کا یہ عظیم کردار ان تمام اکابر دیوبند کی غیرت کو ایک کھلا ہوا چیلنج ہے۔ جنہیں اپنی کفری عبارتوں اور شان رسالت میں کھلی ہوئی اہانت آمیز تحریروں سے آج تک توبہ نصیب نہیں ہوئی۔ جبکہ نصف صدی سے عرب و عجم کے قلتین علماء اور اہل سنت کے اکابر ان سے ہزاروں بار توبہ کا مطالبہ کر چکے۔

تاریخ، کتاب کے مرتب غازی ملت حضرت علامہ الحاج مفتی محبوب علی خاں قادری رضوی علیہ الرحمتہ والرضوان کی خدا ترسی اور حق پرستی کو جہاں خراج عقیدت پیش کرے گی وہیں دیوبندی علماء کی بددیانتی پر بھی ہمیشہ نفرین و ملامت کرتی رہے گی کہ توبہ صحیحہ شرعیہ واضحہ کے بعد بھی انہوں نے اپنا الزام واپس نہیں لیا اور آج تک ایک مخلص تائب اور رقیق القلب وفاکیش مرد مومن کی دل آزادی اور دشمنی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ جبکہ قرآن کی صراحت کے مطابق خداوند کریم توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اصل مجرم

آپ ذرا سا اپنے ذہن پر زور دیں اور جذبہ انصاف سے کام لیں تو آپ پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی کہ دیوبندی علماء کا یہ رویہ خود حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جناب میں بھی انتہائی اہانت آمیز ہے۔ ان کے اس عمل کے پیچھے عقیدت کا جذبہ نہیں بلکہ دل کی کدورت کا شیطان کار فرما ہے۔ اس طرح کی ناپاک سرگرمیوں سے ان کا مدعا صرف حدائق بخشش کے مصنف اور مرتب سے انتقام لینا نہیں ہے۔ بلکہ تشبیب کے اشعار کو مرتب اور مصنف کی مراد کے خلاف زبردستی حضرت ام المومنین کی ذات پر ڈھال کر خود ان کی تنقیص شان کا ارتکاب کرنا ہے۔

لرزہ خیز توہین

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے علمائے دیوبند کو ذرا بھی عقیدت ہوتی تو وہ سب سے پہلے مولوی اشرف صاحب تھانوی کے خلاف احتجاج کرتے جنہوں نے المخطوب المذبیہ نامی کتابچہ میں نام لے کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں کھلی ہوئی گستاخی کی ہے۔ ذیل میں اس لرزہ خیز واقعہ کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔ کہتے ہیں کہ تھانہ بھون میں جہاں وہ رہتے تھے ایک لڑکی ان سے پڑھتی تھی جب وہ عنفوان شباب کی منزل میں پہنچی تو ان سے مرید ہو گئی۔ اس کے بعد کیا حالات پیش آئے۔ خدا ہی کو معلوم ہیں لیکن کچھ عرصے کے بعد اچانک معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی پرانی بیوی کی موجودگی میں اس سے نکاح کر لیا نکاح کی خبر مشتہر ہوتے ہی سارے محلے میں آگ لگ گئی۔ ہزار منہ ہزار طرح کی باتیں بہت دنوں تک یہ قصہ عوام و خواص کے درمیان موضوع سخن بنا رہا "اصلاح انقلاب" نامی کتاب میں اپنے ایک رسالہ "المخطوب المذبیہ" کے اندر انہوں نے خود اپنے قلم سے ان افوہوں کی جو اس وقت عام طور پر تھانہ بھون کی عورتوں کی زبانوں پر تھیں تصویر کھینچی ہے۔

> "ہائے! بیٹی بیٹی کہا کرتے تھے۔ جورو بنا کر بیٹھ گئے۔ ہائے استاد ہو کر شاگردنی کو کر بیٹھے، اور مریدنی بھی تو تھی۔ پیر اور باپ میں کیا فرق ہوتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے پہلے سے ساز باز رہا ہو گا"۔
> (المخطوب المذبیہ ص ۶)

آنکھوں سے لہو کی بوند

اس واقعہ کے بعد لوگوں کے طعن و تشنیع سے جب تنگ آ گئے تو اپنی رسوائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے انہوں نے ایک غیبی الہام تراشا اور خود ہی اس کی تعبیر بھی بیان کی۔ ان کے قلم سے الہام اور الہام کی تعبیر ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:۔

> "ایک ذاکر صالح کو مکشوف ہوا کہ احقر کے گھر حضرت عائشہ

آنے والی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ میرا ذہن معاً" اس طرف منتقل ہوا (کہ کمسن بیوی ملے گی) اس مناسبت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب نکاح کیا تھا تو حضور کا سن شریف پچاس سے زیادہ تھا اور حضرت عائشہ بہت کم عمر تھیں۔ وہی قصہ یہاں ہے۔

غیرت ایمانی کو آواز

اس مقام پر پہنچ کر ام المومنین کے وفادار فرزندوں کو آواز دینا چاہتا ہوں۔ دنیائے اسلام کی مادر مشفقہ کے لئے احترام و ادب کا کوئی جذبہ ان کے سینے میں موجود ہو تو وہ خود ہی فیصلہ کریں کہ اس منصوعی کشف اور اس کی تعبیر سے ایمان و عقیدت کے جذبے کو ٹھیس لگتی ہے یا نہیں؟

تھانہ بھون کے سوا مشکل ہی سے کہیں ایسا بے غیرت انسان ملے گا جس کا ذہن اپنی ماں کی آمد کی خبر سن کر کسی کم سن بیوی کی طرف منتقل ہو جائے۔ اس مناسبت سے کہ جب وہ اس کے باپ کے گھر آئی تھی تو اس کی عمر بہت کم تھی۔

اور "وہی قصہ یہاں ہے" اس فقرے نے تو امتیاز و ادب کی وہ دیوار ہی گرا دی ہے جو پیغمبر اور امتی کے درمیان روز اول سے کھڑی ہے۔ کہاں حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ حضور احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عقد نکاح کا قصہ جس کے پیچھے رب العالمین کا اشارہ کار فرما ہے اور مصلحت خداوندی کے ایماء پر خود روح الامین اس کے پیامبر ہیں۔ اور کہاں تھانہ بھون کے ایک رنگین مزاج شیخ فرتوت کا ایک کمسن مریدنی کے ساتھ شادی کا واقعہ جو سرتاسر خواہش نفسانی اور جذبہ شہوانی کی تحریک پر عمل میں آیا۔

پس "وہی قصہ یہاں ہے" کہہ کر جو ان دونوں قصوں کے درمیان یکسانیت پیدا کرنا چاہتا ہے' وہ دوسرے لفظوں میں اپنے داغدار دامن کا غبار رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اطہر پر اڑانا چاہتا ہے۔

عبرت کا مقام

اس مقام پر قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اپنی خوں آلود آنکھوں سے ناپاک عبارت کی ذرا یہ تصویر دیکھیں کہ اپنی شقاوتوں کا داغ مٹانے کے لئے ظالم نے ایک ہی وار میں دو حرمتوں کو گھائل کیا ہے "وہی قصہ یہاں ہے" کہہ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی الگ تنقیص کی ہے اور کمسن بیوی کی تعبیر نکال کر حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جناب میں الگ گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اس ملعون عبارت کی ہزار ہا تاویل کے باوجود یہ سوال اپنی جگہ ہر غیرت مند مسلمان کو تڑپا دینے کے لئے کافی ہے کہ "وہی قصہ یہاں ہے" کیا **واقعتہ** یہ صحیح ہے؟ کیا سچ مچ دونوں واقعے ایک دوسرے کے بالکل مطابق ہیں واضح رہے کہ تھانوی صاحب نے یہ نہیں لکھا ہے کہ ویسا ہی قصہ یہاں ہے "وہی" اور "ویسا ہی" کے درمیان جو جوہری فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

دو چیزوں کے درمیان ایک آدھ وصف کا اشتراک بھی "ویسا ہی کا لفظ بولنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن دو چیزوں کے متعلق "وہی" کا لفظ صرف اسی حالت میں بولا جا سکتا ہے۔ جبکہ دونوں چیزوں کے درمیان جملہ اوصاف و حالات کلیتہ" مطابق ہوں۔

معاذ اللہ کوئی کافر ہی اسے تسلیم کرے گا کہ نکاح ثانی کے سلسلے میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جملہ اوصاف و حالات میں کلیتہ" مطابقت رکھتے ہیں۔

تیسرا الزام

تیسرا الزام بریلوی فتنہ کے مصنفین نے وقعات السنان نامی کتاب پر عائد کیا ہے کہ اس کی زبان سوقیانہ اور غیر مہذب ہے۔ لیکن یہ الزام عائد کرتے وقت وہ یہ بتانا بھول گئے ہیں کہ یہ کتاب جن کے جواب میں لکھی گئی ہے خود ان کی زبان کیسی تھی

اور کس طرح کے مضامین سے انہیں دلچسپی تھی۔

دیوبندی مذہب کے مشہور پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی دل آزار کتاب حفظ الایمان کا نام آپ نے سنا ہو گا جس میں انہوں نے مسلمانوں کے آقا پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت لرزہ خیز گستاخی کی ہے اس کتاب کی تردید میں علمائے بریلی کی طرف سے متعدد رسائل شائع کئے گئے جس میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ بغیر کسی پس و پیش کے اپنی ایمان سوز تحریر سے توبہ کریں اور ایسی دل آزار کتاب کو دریا برد کر دیں یا پھر اپنے سر سے الزام اٹھائیں جب موصوف علمی زبان میں بات نہیں سمجھ سکے اور بالکل ہٹ دھرمی پر اتر آئے تو مجبوراً اسی زبان میں ان سے بات کرنی پڑی جو زبان وہ اپنی نجی گفتگو میں استعمال کرتے تھے۔

اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میرے قلم کی طہارت و نفاست کو ٹھیس پہنچے گی تو میں ان کے ملفوظات سے فاحشانہ ذہنیت' غیر شریفانہ زبان اور گندہ مضامین کے کچھ نمونے ضرور پیش کرتا جس سے قارئین کرام ان کے ذوق طبع کا اچھی طرح اندازہ لگا لیتے۔ تاہم جو لوگ میرے بیان کی تصدیق کرنا چاہیں' وہ مندرجہ ذیل حوالوں کا ضرور مطالعہ کریں۔ الافاضات الیومیہ حصہ ششم جزو دوم ص ۳۴۶' ص ۴۴۶ الافاضات الیومیہ حصہ ہشتم جزو اول ص ۲۹' ۳۶' ۶۹' ۹۲' ۱۱۵' ۲۰۱ الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم جزو ثانی ص ۲۷۲' ۲۷۴۔

دیوبندی مصنفین کے لئے یہ اشارات اگر کافی نہیں ہوئے اور انہوں نے ہمیں مجبور کیا تو پھر ایک بار سارے ملک میں ایک نئے زلزلہ کی دھمک محسوس کی جائے گی۔

تیسرا باب

زلزلہ در زلزلہ کا تنقیدی جائزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

"زلزلہ در زلزلہ" کے مصنف مبارک پور کے مولوی نجم الدین احیائی نام کے کوئی فاضل دیوبند ہیں۔ اسے بھی دور حاضر کا تماشاہی کہا جائے گا کہ جو لوگ صحیح طور پر کتاب کا نام تک نہیں رکھ سکتے وہ مصنف بن بیٹھے ہیں۔

"زلزلہ" کا مفہوم تو سمجھ میں آتا ہے لیکن بتایا جائے کہ زلزلہ در زلزلہ" اردو زبان کا کون سا محاورہ ہے اور واقعاتی سطح پر "زلزلہ میں زلزلہ" کا آخر مفہوم کیا ہے؟ میرا اپنا خیال ہے کہ مصنف نے شاید یہ سوچا کہ کتاب کا نام ایسا رکھا جائے جس میں زلزلہ کا لفظ ایک بار نہیں' دو بار آ جائے تاکہ نام ہی سن کر لوگ چونک جائیں کہ جب ایک زلزلہ نے ایشیاء سے یورپ تک ہر طرف تہلکہ مچا دیا تو دو زلزلے نے کیا غضب ڈھایا ہو گا۔

ایک لطیفہ

اسی طرح کا لطیفہ مجھے یاد آیا' آج سے دس پندرہ سال پیشتر میں ایک بار مدھیہ پردیش کے شہر بالاگھاٹ ایک جلسہ میں گیا ہوا تھا۔ قیام گاہ پر ایک صاحب اپنی چھوٹی سی بچی کو دم کرانے کے لئے میرے پاس لائے۔ میں نے بچی کا نام دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس بچی کا نام "وصغیرہ بیگم" ہے۔ میں نے سوال کیا کہ نام میں واؤ کیوں بڑھایا ہے۔ فرمانے لگے' اس بچی کی پیدائش ۱۳۸۳ ہجری میں ہوئی۔ تاریخی نام میں چونکہ چھ عدد کم ہوتے تھے اس لئے واؤ بڑھا کر میں نے اس کمی کو پورا کر دیا۔

میں نے انہیں مشورہ دیا کہ تاریخ ہی میں نام رکھنا تھا تو بہت سے نام ہو سکتے

تھے، لیکن شروع میں یہ واؤ کا پیوند اچھا نہیں لگتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ نام تو اور بھی ہو سکتے تھے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کی بڑی بہن کا نام کبیرہ بیگم ہے۔ اگر کوئی اور نام رکھتے تو دونوں بہنوں کا وزن باقی نہیں رہتا اور واؤ ہٹا دیتے تو تاریخی نام میں چھ عدد کی کمی ہو جاتی۔

غرض تاریخ اور وزن کے چکر میں انہوں نے بھی نام کا حلیہ بگاڑا اور یہاں احیائی صاحب نے بھی جھوٹی شہرت کے لالچ میں اپنی کتاب کا ایسا مہمل نام رکھ دیا کہ کتاب کا نام ہی سن کر مصنف کی علمی لیاقت کا حلیہ سمجھ میں آ جاتا ہے۔

تبصرے پر تبصرہ

کتاب کے مصنف اپنے بارے میں بدترین قسم کی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ انہیں غرہ ہے کہ "زلزلہ" میں دیئے گئے حوالوں میں غلطیوں کی نشاندہی کر کے انہوں نے "زلزلہ" کے مصنف کی شرمناک چوریاں پکڑی ہیں۔ اپنی جماعت کے جن لوگوں سے انہوں نے کتاب پر تبصرہ لکھوایا ہے۔ انہوں نے بھی اس خصوص میں انہیں پوری دیوبندی برادری کے اندر چیمپئن مان لیا ہے۔

ان کی کتاب پر قاضی اطہر مبارک پوری کے تبصرے کا یہ حصہ پڑھئے، تحریر فرماتے ہیں:۔

> "دیوبندی حلقے سے اس کتاب (زلزلہ) کے کئی جواب لکھے گئے۔ زیر تبصرہ کتاب "زلزلہ در زلزلہ" اسی سلسلے کی کتاب ہے جو ہمارے نزدیک سب سے کامیاب اور بہتر جواب ہے اور علم و تحقیق کے انداز میں زلزلہ کے مؤلف کی افتراء پردازیوں و عیاریوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ جگہ جگہ علمائے دیوبند کی کتابوں کی اصل عبارتیں اور زلزلہ میں ان کی نقل شدہ عبارتیں آمنے سامنے لکھ کر بتا دیا گیا ہے کہ کہاں کہاں تحریف و خیانت کی گئی ہے"۔

(روز نامہ انقلاب بمبئی ۲۸ مئی ۱۹۷۵ء)

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے تبصرے کا یہ ٹکڑا بھی غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔

"زلزلہ) کے رد میں متعدد کتابیں نکل چکی ہیں۔ یہ کتاب بھی اسی قبیل کی اچھی کتابوں میں سے ہے اس میں زلزلہ کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے اور غلط طریقے سے جو حوالے دیئے گئے ہیں اور غلط ترجمانی کر کے علمائے دیوبند پر جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کا تحقیقی جواب دیا گیا ہے"۔

"قادری صاحب کے فنکار قلم نے حوالے کی نقل میں جو چابک دستی دکھائی ہے۔ مولانا نجم الدین احیائی نے ایک طرف محولہ عبارت کو اصل کتاب سے اور اس کے برابر میں انھیں حوالوں کو زلزلہ سے نقل کر کے عبارت کی تراش خراش اور حذف و اضافہ کو اچھی طرح نمایاں کر دیا ہے اور زلزلہ کے مصنف کی ایمان داری کے لئے بہتر ثبوت فراہم کر دیا۔

(دارالعلوم ستمبر ۱۹۷۵ء)

یہ تبصرے اگر ان لوگوں نے کتاب پڑھ کر کئے ہیں تو مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پوری برادری یا تو بصیرت کے افلاس کا شکار ہے یا پھر تعصب نے فکر اور نظر دونوں طرح کی بنیائی چھین لی ہے۔

آنے والے اوراق میں آپ کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے کہ زلزلہ کے مصنف نے موضوع بحث کو سامنے رکھ کر حوالہ کی جتنی عبارتیں نقل کی ہیں وہ بالکل اصل کے مطابق ہیں۔

ناسمجھی کی پیداوار

"زلزلہ در زلزلہ" کے مصنف احیائی صاحب نے اپنے نئے پیش لفظ میں "مجدد اسلام" نامی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے "تقویتہ الایمان" کو "

تقویتہ الایمان" حفظ الایمان' کو "خبط الایمان" اور "نصیحتہ المسلمین کو" فضیحتہ المسلمین لکھا ہے۔ اسی طرح کسی بدعقیدے کی کتاب جس کا نام "القاسم" تھا اس کے نیچے "محروم" لکھ دیا۔ یہ سارے حوالے پیش کر کے احیائی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ ناموں میں یہ تبدیلی یا اضافہ کر کے اعلیٰ حضرت نے خیانت کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

جواباً" عرض کروں گا کہ اس طرح کے لطائف و تفنن کو وہی شخص خیانت کہہ سکتا ہے جو یا تو خیانت کے مفہوم سے ناواقف ہے یا پھر اہل علم کی لطیف تعریضات و تلمیحات کے سمجھنے کی بھی جس کے اندر صلاحیت نہیں ہے۔

میں حیران ہوں کہ مبارک پور سے دیوبند تک کیا پوری برادری میں کوئی بھی ایسا دانشور نہیں تھا جو احیائی صاحب کو مشورہ دیتا کہ وہ ایسی کچی بات منہ سے نہ نکالیں۔

آنکھوں کا شہتیر

اپنے حسن ظن کی بنیاد "پر الجامعتہ الاشرفیہ" مبارک پور کے شیخ الحدیث مفتی عبدالمنان صاحب نے تبلیغی جماعت نامی کتاب کے مقدمے میں مصنف "زلزلہ" کی بابت لکھا تھا کہ:۔

> "مولانا موصوف انحطاط کے اس دور میں نئی پود کے اندر حق پرستوں اور شوریدہ سروں کے قافلہ سالار ہیں بلکہ خود قافلہ بھی۔ اب تو ابتداء اور انتہا سب انہی پر ختم ہے"۔
>
> (مقدمہ تبلیغی جماعت ص ۴)

خط کشیدہ فقرے پر احیائی صاحب نے خاص طور پر نوازش فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ ہاتھ اٹھا کر دعا بھی مانگی ہے کہ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

لیکن میں انھیں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ صرف اتنی سی بات پر گھی کا چراغ نہ جلائیں۔ مفتی صاحب نے "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" کی زبان میں گفتگو کی

ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک قیامت نہیں قائم ہو جاتی روئے زمین پر حق پرستوں کا قافلہ بھی رہے گا اور قافلہ سالار بھی۔

البتہ اگر انہیں تبرا ہی کا شوق پورا کرنا ہے تو مولوی حسین احمد صاحب کی شان میں قصیدہ مدحیہ کے دو شعر جو "الجمعۃ شیخ الاسلام" نمبر میں شائع ہوئے ہیں میں ان کی نظر کرتا ہوں۔ تبرا کیجئے' سینہ پیٹئے' اور جواب سوچئے۔

اے مسیحا نفس و شیخ مجیب الدعوات　　اثر و کیف سے خالی ہے دعاء تیرے بعد

اور دوسرا شعر یہ ہے۔

خوگر مہر و وفا پیکر تسلیم و رضا　　اب کسے بندہ بنائے گا خدا تیرے بعد؟

(شیخ الاسلام نمبر ص ۲۷)

کہیے! اب تو غالباً" سمجھ میں آگیا ہو گا کہ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر چلانا کتنا خطرناک کام ہے۔

پاگل پن

"زلزلہ در زلزلہ" کے مصنف نے اہل سنت کے معتقدات کی مذمت میں ماہنامہ تجلی دیوبند سے چند اقتباسات نقل کئے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ اقتباسات انہوں نے کس مقصد سے پیش کئے ہیں۔ اگر ان کا مدعا یہ ہے کہ تجلی کے آنجہانی ایڈیٹر ہمارے مسلک کے خلاف رائے رکھتے ہیں تو مجھے سخت تعجب ہے۔ مصنف کی سادہ لوحی اور کج فہمی پر کہ ان اقتباسات کے ذریعہ ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جبکہ تجلی کے ایڈیٹر عقیدتاً" ہمارے نہیں بلکہ انہیں کے آدمی ہیں اور ان کی یہ حیثیت آفتاب نیم روز کی طرح سب پر عیاں ہے۔ اس لئے ہمارے مسلک کے خلاف ان کی کوئی تحریر قطعاً" ایسی چیز نہیں ہے جو قابل ذکر ہو یا ہمیں الزام دینے کے لئے استعمال کی جائے۔

البتہ "زلزلہ" پر ان کا دیوبندیت سوز تبصرہ یقیناً اہمیت کا حامل تھا کہ مسلکاً" دیوبندی ہوتے ہوئے بھی انہوں نے دیوبندی لٹریچر کو چوراہے پر رکھ کر جلا دینے کا

مشورہ دیا تھا۔ اپنے مکتب فکر کے خلاف ایسا کھلا ہوا اقدام وہی کر سکتا ہے جس پر اندرون خانہ کی کوئی سنگین چوری کھل گئی ہو اور جس کا ہضم کرنا خود اس کے لئے بھی ناممکن ہو جائے۔

یا بنی تعلم ثم تکلم

مصنف نے اپنی کتاب میں صاحب زلزلہ کے ایک سنگین کفر کی نشاندہی فرمائی ہے۔ آپ بھی دیوبند کے اس مایہ ناز فرزند کے مبلغ علم اور پرواز فکر کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> "زلزلہ" میں مولانا عامر عثمانی کے لئے لفظ "مولانا" اتنی کثرت سے استعمال کیا گیا ہے کہ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ حسام الحرمین کے مصنف مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روح کہاں قید ہو گئی جو اپنے اس روحانی پوتے کی گردن نہ مروڑ سکی حسام الحرمین کے علم بردار (طرفدار) اسلام و کفر کے ٹھیکیدار، قبوری شریعت کے مفتیان کرام آئیں اور اپنے اس قلم کار کا قلم پکڑ لیں، جو ایک دیوبندی ہی نہیں "گاڑھے دیوبندی کو مولانا کہنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا آئیں اور لگا دیں "زلزلہ" کو آگ اور دیں اس کے مصنف پر کفر و ارتداد کا فتویٰ"۔
>
> (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۲)

حیرت ہے! فکر و نظر کی اسی پونجی پر دیوبند کے اصحاب قلم نے اس کتاب کو علم و تحقیق کا شاہکار قرار دیا ہے۔

اب آپ ہی بتائیے! میں اپنی مظلومی کی فریاد کہاں لے جاؤں؟ ایک عربی مدرسہ کے فاضل کو میں نے مولوی، مولانا اور ملا کہہ دیا تو میرے لئے کفر اور ارتداد کا فتویٰ ہے اور پچاس سال سے یہ لوگ شری مدن کو مولوی، اور شری آنند نرائن کو ملا کہہ رہے ہیں تو یہ پکے مسلمان ہیں:۔

مصنف کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ مولوی، مولانا اور ملا، یہ الفاظ اسلام و ایمان کی سند کے طور پر استعمال نہیں کئے جاتے بلکہ ایک ٹائٹل ہے، جو ایک مخصوص فن کی تکمیل کے بعد لوگوں کو ملا کرتا ہے تو وہ ایسی کچی بات ہرگز منہ سے نہیں نکالتے۔

سچ ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ بنی تعلم ثم تکلم بیٹے! پہلے سیکھو اس کے بعد زبان کھولو یا قلم اٹھاؤ۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

احیائی صاحب نے "زلزلہ" کے دوسرے ایڈیشن کے مقدمہ سے یہ اقتباس اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے۔

> اپنی اس کتاب کا نام "زلزلہ" رکھتے وقت زلزلہ کا مفہوم واضح طور پر میرے ذہن میں موجود تھا۔ مجھے توقع تھی کہ یہ کتاب افکار و تصورات کی دنیا میں تہلکہ خیز ثابت ہو گی۔ خیالات کے پرانے پیمانے ٹوٹیں گے، نظریات کی بنیادیں متزلزل ہوں گی۔ مسلمات کی عمارتوں میں شگاف پڑے گا اور اذہان کی آبادیاں تہ و بالا ہو کر رہیں گی"۔
>
> (زلزلہ ص ۲)

اس پر احیائی صاحب نے کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

> "بات بات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری کا دم بھرنے والے قیامت کے دن جب حساب کتاب ہو گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیں گے جب وہ سوال کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قلم کی دولت کیا اس لئے دی تھی کہ تم اس کے ذریعہ مسلمات کی عمارتوں میں شگاف کرو، ذہن کی آبادیوں کو تہ و بالا کرو، خیالات کے پرانے پیمانے توڑو"۔

(زلزلہ در زلزلہ ص ۱۸)

مجھ سے تو یہ سوال نہیں ہو گا۔ لیکن آپ سے بددیانتی کا سوال ضرور کیا جائے گا کیوں کہ اس کے چند سطر کے بعد ہی میں نے اپنی اس عبارت کا مدعا ظاہر کر دیا ہے جسے آپ نے ازراہ خیانت چھوڑ دیا۔ دوسروں کی چوری پکڑنے والے اپنا ہاتھ کیوں نہیں قلم کرواتے۔ میرا مدعا پڑھیئے۔

> "دیوبندی علماء کے بارے میں جن حضرات کو خوش فہمی تھی کہ عقیدہ توحید کے صحیح علمبردار وہی ہیں اور انبیاء واولیا کے متعلق جن عقیدوں کو وہ کفر و شرک قرار دیتے ہیں وہ کسی قلبی تکدر کے نتیجے میں نہیں بلکہ عقیدہ توحید کی حمایت کے جذبے میں ہے۔ کتاب (زلزلہ) کے مطالعہ کے بعد انہیں بھی کچھ اس طرح ذہنی تصادم سے دو چار ہونا پڑا کہ دیوبندی مذہب کے متعلق ان کے پچھلے تصورات کے سارے تارو پود بکھر گئے"۔
>
> (زلزلہ ص ۳)

افکار تصورات، نظریات کی بنیادیں، خیالات کے پرانے پیمانے اور مسلمات سے میری مراد واضح ہو جانے کے بعد اب بتایئے کہ مجھ سے سوال ہو گا یا آپ سے؟

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

مصنف نے اپنی کتاب میں مدیر تجلی کے تبصرہ سے چند اقتباسات نقل کئے ہیں۔ جن میں انہوں نے صاحب زلزلہ کی ادبی اور لفظی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے وہ اقتباسات یہ ہیں۔

۱۔ اگر باثر کی جگہ موثر کا لفظ ہوتا تو ان سطروں کو اردوئے معلی کا بے عیب نمونہ کہہ سکتے تھے۔

۲۔ کہیں کہیں قلم نے زبان کے رخ سے بھی ٹھوکر کھائی ہے۔

۳۔ کہیں کہیں اسلوب تحریر گھٹیا ہو گیا ہے۔

زبان و ادب کی ان تین غلطیوں کو نقل کرنے کے بعد "زلزلہ در زلزلہ" کے مصنف نتیجے کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"دیکھ لیا آپ نے ان کی اور ان کی کتاب کا برا حال"۔ (ص ۴۳)

میں عرض کروں گا کہ یہ تو تین ہی غلطیاں ہیں، اس سے بھی زیادہ غلطیوں کی وہ نشاندہی کرتے تو مجھے قطعاً" کوئی ملال نہ ہوتا۔ کیونکہ انہوں نے ایک "گاڑھا دیوبندی" ہوتے ہوئے علمائے دیوبند پر جو کاری لگائی ہے یہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

پھر بھی میں "زلزلہ در زلزلہ" کے مصنف کو متنبہ کروں گا کہ اس موقع پر آپ خود اپنا شجرہ کیوں بھول گئے؟ کئی سو صفحے کی کتاب میں صرف تین غلطیوں پر تو میرا برا حال ہوگیا۔ لیکن مدیر تجلی نے آپ کی کتاب "زلزلہ میں جو 33 غلطیاں زبان و داب اور علم و اعتقاد کی نکالی ہیں تو اب آپ کو ٹھکانہ جنہم کے کس طبقے میں ہے؟

نمونے کے طور پر چند غلطیوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

ص ۹ پر ہے۔ ہمارے نزدیک قبولیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں۔ مفہوم کا نہیں معیار کا محل تھا۔

ص ۴۲ پر ہے۔ نگاہ ہو گی۔ غلط ہے'۔ نگاہ پڑے گی ہونا چاہئے۔

ص ۹۴ پر ہے۔ پہاڑوں پر کود رہا ہے۔ غیر درست ہے۔ پہاڑوں سے کود رہا ہے درست ہے۔

ص ۹۸ پر ہے۔ صوفی کی جمع اصفیا تحریر کی گئی ہے۔ صوفی کی جمع صوفیاء آتی ہے۔

ص ۱۳۷ پر ہے فتملوای ایلھھم غلط ہے ایدیھم ٹھیک ہے یہ زبان و ادب کی غلطیاں تھیں۔ اب علم و اعتقاد کی غلطیوں اور گمراہیوں کی نشاندہی ملاحظہ فرمایئے:۔

دھجیوں کا ڈھیر

پہلے "زلزلہ در زلزلہ" کی یہ عبارت پڑھئے۔

"ہم قوم کے سامنے کھلے عام یہ اعلان کرتے ہیں کہ علمائے دیوبند کا معاذ اللہ یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ان کے وفات یافتہ بزرگ ان معنوں میں زندہ ہیں۔ جن معنوں میں عام طور پر زندہ کا لفظ بولا جاتا ہے اور نہ وہ صاحب اختیار ہیں اور نہ انہیں ہر طرح کے تصرف کی قدرت حاصل ہے"۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۹۰)

اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر تجلی رقم طراز ہیں:۔

اس جملہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندی حضرات بھی کسی نہ کسی درجہ میں اس بات کے قائل ہیں کہ مرنے کے بعد بزرگوں کو تصرف و اختیار کی قدرت حاصل رہتی ہے۔ اگر قائل نہ ہوتے تو نجم الدین احیائی اتنی ڈھٹائی کے ساتھ یہ اعلان کیسے کر دیتے جس کا پس منظر یہ ظاہر کر رہا ہے کہ مرنے کے بعد بزرگوں کو ہر طرح کے تصرفات کی قدرت حاصل رہے یا نہ رہے۔ لیکن کسی نہ کسی قسم کے تصرف کی قدرت لازماً" حاصل رہتی ہے۔ (تجلی دیوبند ستمبر ۱۹۷۵ء ص ۶۴)

"زلزلہ در زلزلہ" کے صفحہ ۱۰۱ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"علمائے دیوبند ہرگز یہ نہیں کہتے کہ اللہ کے علاوہ غیب کی کوئی بات کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح وہ اس بات کے قائل بھی نہیں ہیں کہ انسان اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد سرے سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا"۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۰۱)

اب اس عبارت پر مدیر تجلی کی بے لاگ تنقید پڑھئے۔

"اس بات کو ہم ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اس وقت تک نہیں مانیں گے۔ جب تک قرآن و احادیث سے ایسے نظائر نہ

پیش کیے جائیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ مرنے کے بعد بھی بزرگان دین تصرفات کی قدرت رکھتے ہیں"۔

"محترم نجم الدین صاحب سے مودبانہ گذارش ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے یہ ثابت کر دکھائیں کہ مرنے کے بعد بزرگوں کو ادنی درجہ کے تصرف کرنے کا اختیار حاصل رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ ضروری بات گوش گزار کر لیجئے کہ بزرگوں کے واقعات کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ معاملہ مسائل کا نہیں بلکہ عقائد کا ہے۔ (تجلی دیوبند ستمبر ۱۹۷۵ء ص ۶۴)

اب "زلزلہ در زلزلہ" کے ص ۱۰۲ کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"ہر انسان کو چاہئے وہ اس دنیا میں ہو یا عالم برزخ میں اسے اللہ کی اجازت اور اس کا فیض ضروری ہے۔ جب تک اجازت ہے تب تک عالم برزخ سے بھی کچھ روحیں آکر دنیا والوں کی مدد کرتی ہیں اور انہیں بعض باتیں بتا دیتی ہیں۔ (تجلی ص ۶۵)

اب اس عبارت پر مدیر تجلی کا شاندار ریمارک ملاحظہ فرمائیں:۔

"قابل افسوس بات یہ ہے کہ جو آدمی خود بھی صحیح العقیدہ ہے اور صحیح عقیدہ جماعت کا دفاع کر رہا ہے۔ اس کے قلم سے واہی اور خام باتیں خارج ہو رہی ہیں جن کا ناقص اور بے بنیاد ہونا اظہر من الشمس ہے۔ (تجلی ص ۶۵)

عبرتناک تازیانہ

اب اخیر میں مدیر تجلی نے احیائی صاحب کی نخوت فکر پر جو کاری ضرب لگائی ہے اس کی دردناک چوٹ سے وہ ساری عمر تلملاتے رہیں گے۔ احیائی صاحب اشکبار آنکھوں سے اپنے خلاف اپنے مرکز کا یہ فیصلہ پڑھیں۔ وہ حق ہی کیا جو سر پہ چڑھ کے

آواز نہ دے۔!

"ص ۹۶ اور ص ۱۱۱ پر جو واقعات زلزلہ کے حوالہ سے نقل کئے گئے ہیں انہیں قبول کرنے میں ہمیں تردد ہے بہتر تو یہ ہے کہ ان واقعات کو دیوار پردے ماریئے اس لئے کہ یہ ہمارے بنیادی عقائد سے متصادم ہیں۔ ان کو ذکر کرنے کے بعد ارشد القادری صاحب نے جو ریمارک دیا ہے۔ اس سے ہمیں کامل اتفاق ہے اور اس ریمارک پر آپ نے جو لب کشائی کی ہے وہ خواہ مخواہ والی حیثیت رکھتی ہے اور اس پر سرتاپا ہٹ دھرمی کا اطلاق ہوتا ہے اپنی اور اپنے من پسند گروہ کی کسی بھی غلطی اور معصیت کا اعتراف نہ کرنا ہٹ دھرمی نہیں تو پھر اور کیا ہے"؟

"آپ نے اپنی تالیف میں ایک جگہ بھی تو یہ تحریر نہیں فرمایا کہ یہاں ارشد القادری صاحب کا ریمارک عدل و دیانت پر مبنی ہے اور یہاں واقعتاً" ہمارے بڑوں سے بھول ہو گئی تھی۔ کاش سہوا" ہی کہیں آپ نے اپنی غلطی تسلیم کرلی ہوتی تو یہ آپ کی انصاف پسندی پر دلالت کرتا۔ (تجلی دیوبند ستمبر ۷۵ء ص ۶۵)

کہئے احیائی صاحب! اب تو آپ کے دماغ کا بخار اتر گیا ہو گا۔ کیونکہ آپ کی تحریر میں یہ کیڑے میں نے نہیں نکالے ہیں کہ تمرا پڑھ دیجئے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ بلکہ آپ پر خود آپ کے مرکز کی پھٹکار نازل ہوئی ہے۔

"زلزلہ در زلزلہ" ص ۱۱۱ پر درج کئے گئے جس واقعہ کی طرف مدیر تجلی نے اپنے اس تبصرے میں اشارہ کیا ہے وہ واقعہ اور اس پر "زلزلہ کا ریمارک نیچے نقل کر رہا ہوں تاکہ قارئین کرام تنقید اور تبصرے کی معقولیت کا اندازہ لگا سکیں۔ احیائی صاحب زلزلہ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"علم مافی الا رحام (یعنی یہ علم کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے) کی بحث چل پڑی ہے تو لگے ہاتھوں عقیدہ توحید کا ایک اور خون

ملاحظہ فرمایئے۔

یہی مولوی قاسم صاحب نانوتوی اپنی جماعت کے ایک شیخ کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:۔

> شاہ عبدالرحیم ولایتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خان تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور تعویذ لینے آتا تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہو گی یا لڑکا اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔
>
> (ارواح ثلاثہ ص ۱۴۳) زلزلہ در زلزلہ ص ۱۱۱)

اب اس واقعہ پر زلزلہ کی تنقید ملاحظہ فرمایئے۔ جسے احیائی صاحب نے بھی اپنی کتاب کے ص ۱۱۲ پر نقل کیا ہے۔

> "یہاں تو حسن اتفاق کا بھی معاملہ نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ خواب کی بات ہو بلکہ پوری صراحت ہے اس امر کی کہ ان کے اندر مافی الارحام کے علم و انکشاف کی ایک ایسی قوت ہی بیدار ہو گئی تھی کہ وہ ہر وقت ایک شفاف آئینہ کی طرح پیٹ کے اندر کی چیز دیکھ لیا کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح کی قوت جیسے ہماری آنکھوں میں دیکھنے اور کانوں میں سننے کی ہے۔ نہ جبرئیل کا انتظار نہ الہام کی احتیاج!
>
> (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۱۲ بحوالہ زلزلہ ص ۸۹)

اس مقام پر ذرا احیائی صاحب کی بددیانتی اور مجرمانہ ذہنیت ملاحظہ فرمائیں زلزلہ کی تنقید اتنے پر نہیں ختم ہو گئی ہے بلکہ اس کے بعد یہ بھی ہے جسے احیائی صاحب نے ازراہ خیانت چھپا لیا ہے۔

> "ان موحدین کے طلسم فریب کا مزید تماشہ دیکھنا چاہتے ہوں تو

ایک طرف عبداللہ خاں راجپوت کے متعلق نانوتوی صاحب کی بیان کردہ یہ روایت پڑھئے اور دوسری طرف دیوبندی مذہب' کی بنیادی کتاب' تقویتہ الایمان کا یہ فرمان ملاحظہ فرمایئے کہ":۔
"اسی طرح جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے اس کو بھی (خدا کے سوا) کوئی نہیں جان سکتا کہ ایک ہے یا دو' نر ہے یا مادہ' کامل ہے یا ناقص' خوبصورت ہے یا بدصورت؟ (ص ۲۲)

اس الزام سے چونکہ دیوبندی مذہب کا تضاد ثابت ہوتا تھا۔ اس لئے احیائی صاحب اسے بالکل ہضم کر گئے۔ میں کہتا ہوں کہ زلزلہ کا یہ الزام اگر غلط تھا اور وہ اپنی برادری کی طرف سے زلزلہ کا قرض اتارنے بیٹھے تھے تو انہوں نے اسے بھی نقل کر کے اس کی تردید کیوں نہیں کی۔

اب عبداللہ خاں نومسلم راجپوت کی غیب دانی کے متعلق ان کا جواب ملاحظہ فرمایئے اور قابلیت کی داد دیجئے۔

عبداللہ خاں کے بارے میں نہ تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ خود بخود جان لیتے تھے کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ تمام علوم غیبیہ جانتے تھے۔ دعویٰ صرف اتنا ہے کہ وہ کوئی تعویذ لینے آتا تو بتلا دیتے تھے۔ بتلانے سے یہ کہاں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ انہیں جان لینے کی قدرت حاصل تھی۔
(زلزلہ در زلزلہ ص ۱۱۱)

اگر یہ جواب ہے تو مجھے بھی کہنے دیجئے کہ اگر خود بخود کا دعویٰ نہیں ہے تو یہ دعویٰ دکھلا دیجئے کہ اس غیب کا علم انہیں ہر بار خدا کی طرف سے عطا کیا جاتا تھا۔ کسی چیز کا بتلانا یہ اس کے جاننے کی دلیل نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

سیدھی بات یہ ہے کہ "ان کی حالت یہ تھی" کا مفہوم سوا اس کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کے اندر مافی الارحام کے علم و انکشاف کی ایک غیبی قوت ادراک ہی پیدا ہو گئی تھی اور وہ ہر وقت اس قوت سے کام لینے پر قادر تھے اگر یہ علم

کسی وقتی الہام کا محتاج ہوتا تو پھر "حالت" کی خصوصیت کیا رہتی۔ اور واقعہ بھی کبھی کبھار کا نہیں تھا۔ بلکہ ہر حاملہ کے ساتھ ان کا یہی معاملہ تھا۔

افسوسناک واقعہ

میرے لئے یہ ایک ناخوشگوار حادثہ سے کم نہیں ہے کہ ایک ایسی کتاب کے رد میں مجھے قلم اٹھانا پڑ رہا ہے جو خود اپنے حلقے میں بے آبرو ہو گئی ہے۔ سچ پوچھئے تو کئی زینے نیچے اتر کر صرف اس غرور کا بت توڑنے کے لئے مجھے قلم کا تیشہ اٹھانا پڑا کہ "زلزلہ" کے نام نہاد جواب کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔

احیائی صاحب نے اپنی کتاب میں موضوع بحث سے ہٹ کر جو جارحانہ حملے کئے ہیں یا جو مہمل اور لغو قسم کے اعتراضات کئے ہیں۔ میں نے انہیں قصداً" نظر انداز کر دیا ہے کہ یہ موصوف کے ظرف اور خمیر کی بات ہے۔

اپنی عادت کے مطابق اس کتاب کے جواب میں بھی باہر کا کوئی مواد میں نے استعمال نہیں کیا ہے کیونکہ دیوبندی مذہب کو مسمار کرنے کے لئے خود گھر ہی کا سازوسامان بہت کافی ہے۔

حوالوں کی خیانتوں سے متعلق ان کے سارے الزامات میں نے اس طرح چکنا چور کر دیئے ہیں کہ سطر سطر سے گرد اڑ رہی ہے۔ جبکہ "زلزلہ" کے بہت سارے سنگین الزامات اب تک دیوبندی مصنفین کے سروں پر عذاب کی طرح مسلط ہیں۔ یقین نہ آئے تو "زلزلہ" اور اس کے جواب میں لکھی ہوئی جملہ کتابوں کا تقابلی مطالعہ کر کے خود فیصلہ کر لیجئے۔

"زیر و زبر" کا یہ تیسرا باب تین مباحث اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ یہ مصنف کے پیش لفظ کا تنقیدی جائزہ تھا۔ اب ورق الٹ کر آپ اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ اپنے جواب میں ہم نے "زلزلہ در زلزلہ" کی صرف انہی عبارتوں کو پیش نظر رکھا ہے جن کا براہ راست تعلق "زلزلہ" سے ہے باقی رہ گئے وہ الزامات جن کا تعلق "زلزلہ" کے مباحث سے نہیں ہے ان کے متعلق خاتمہ میں چند سطریں سپرد قلم کر دی ہیں تاکہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے۔

ارشد القادری۔ جمشید پور

پہلی بحث

حوالے کی خیانتوں کے الزامات میں

پہلا الزام

"زلزلہ" کے پیش لفظ میں "سیرت سید احمد شہید" کی ایک عبارت کے متعلق آپ نے وہ قصہ پڑھا ہو گا کہ کچھ لوگوں نے مجھے اطلاع دی کہ "زلزلہ" میں جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں اور اصل کتاب میں دو لفظ کا فرق نکل آیا ہے لیکن جس مطبع والی کتاب سے وہ عبارت نقل کی گئی تھی جب اس سے ملایا گیا تو عبارت حرف بحرف اصل کتاب کے مطابق تھی۔

لیکن احیائی صاحب کی ذرا قابلیت ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے اس واقعہ کو بھی خیانت کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ خود انہوں نے میری عبارت کا یہ حصہ کہ "مجھے تھوڑی دیر کے لئے پریشانی ضرور لاحق ہوئی لیکن حوالا کی اصل کتاب دیکھنے کے بعد فورا" زائل ہو گئی"۔ نقل کر کے بات صاف کر دی ہے۔ لیکن یہ کتنی بڑی بددیانتی ہے کہ "پریشانی ضرور لاحق ہوئی"۔ یہ فقرہ تو انہیں یاد رہا لیکن حوالا کی اصل کتاب دیکھنے کے بعد فورا" زائل ہو گئی"۔ کی طرف سے انہوں نے اپنی دونوں آنکھیں بند کر لیں۔

احیائی صاحب خیانت کے مفہوم سے ناواقف ہیں تو وہ باخبر ہو جائیں کہ جو حرکت انہوں نے یہاں کی ہے اسی کا نام خیانت ہے۔

دوسرا الزام

"زلزلہ" میں مولوی حسین احمد صاحب کی نقش حیات کے حوالے سے سید احمد صاحب بریلوی کے متعلق یہ بات نقل کی گئی تھی کہ ان کا مقصد ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنا تھا۔ اس عبارت پر "زلزلہ" میں یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ کسی ملک میں لادینی حکومت قائم کرنے کے لئے جو لڑائی لڑی جائے اسے جنگ آزادی تو کہہ سکتے ہیں لیکن "اسلامی جہاد" ہرگز نہیں کہہ سکتے اور اس فوج کے سپاہیوں کو انڈین نیشنل کانگریس کے رضاکاروں کا دستہ تو کہا جا سکتا ہے پر "اسلامی مجاہدین" کا لقب ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔

احیائی صاحب نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ "زلزلہ" میں "نقش حیات" سے جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ مولوی حسین احمد کی نہیں ہے بلکہ ماہنامہ "برہان" دہلی کا اقتباس ہے۔ اس جواب کا مدعا یہ ہے کہ الزام جو کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ "برہان" والوں پر ہو سکتا ہے۔ مولوی حسین احمد کا دامن اس الزام سے پاک ہے۔

میں جواباً عرض کروں گا کہ "نقش حیات" کی وہ عبارت اگر مولوی حسین احمد صاحب کی نہیں تھی اور بحیثیت ناقل ہونے کے ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تو انہوں نے اپنے اس مراسلے میں جو "دعوت" اور "الفرقان" میں شائع ہوا ہے اور جس کی نقل "بریلوی فتنہ کا نیا روپ کے ص ۱۹۶ پر درج کی گئی ہے' "میں اس سے رجوع کرتا ہوں" کیوں لکھا جائے۔ یہیں سے احیائی صاحب کی غلط بیانی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔

اور دوسری بات یہ بھی کہ نہ بھی کوئی عبارت کسی کی اپنی ہو لیکن اگر وہ جس کے مضمون سے متفق ہو تو مضمون کی ساری ذمہ داری اس پر بھی عائد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ خود مولوی حسین احمد صاحب ماہنامہ "برہان" سے اقتباسات نقل کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

> "مذکورہ بالا اقتباس سے بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے"
> اس عنوان کے ضمن میں دفعہ "د) کے تحت لکھا ہے:۔

"یہ تحریک شخصی یا کسی فرقے کی حکومت انسطائیت کے لئے نہیں عمل میں لائی گئی تھی۔ بلکہ حقیقی جمہوریت اس کا مطمع نظر تھا"

(نقش حیات جلد ۲ ص ۱۷)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جس ملک میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو' وہاں حقیقی جمہوریت کا مفہوم سوا سیکولر اسٹیٹ کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ عبارت خود مولوی حسین احمد صاحب کی ہے۔ یہاں اس تاویل کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ انہوں نے کسی دوسرے کا اقتباس نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں احیائی صاحب نے "زلزلہ" کے مصنف پر خیانت کا الزام عائد کرتے ہوئے طنز کیا ہے کہ:-

"مولانا ارشد القادری صاحب کی نگاہیں اعتراض کے شوق میں اندھی ہو رہی تھیں انہیں کیسے دکھائی پڑتا یا ہو سکتا ہے کہ دکھائی پڑا ہو مگر قصداً" انہوں نے نظرانداز کر دیا ہو۔

(زلزلہ در زلزلہ ص ۴۱)

اب میں یہی الزام احیائی صاحب پر الٹ رہا ہوں کہ عقیدت کی ترنگ میں ان کی آنکھیں اندھی ہو گئی تھیں کہ انہیں مولوی حسین احمد صاحب کا یہ بیان نظر نہیں آیا اور انہیں پھر متنبہ کر رہا ہوں کہ جو حرکت آپ نے یہاں کی ہے اسی کا نام خیانت ہے۔

تیسرا الزام

جو لوگ تصنیف و تالیف کا تجربہ رکھتے ہیں وہ مصنفین کے اس دستور سے اچھی طرح واقف ہوں گے کہ کسی دعوے کے ثبوت میں جب کسی کتاب کی عبارت بہ طور حوالہ نقل کی جاتی ہے تو کتاب کا اتنا ہی حصہ نکل کیا جاتا ہے جتنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پوری کتاب کوئی بھی نقل نہیں کرتا۔ چنانچہ خود احیائی صاحب نے بھی الزام قائم کرنے کے لئے اپنی اس کتاب میں "زلزلہ" کی عبارت کا اتنا ہی حصہ نقل

کیا ہے جتنے حصے کی انہوں نے ضرورت محسوس کی ہے۔ پوری کتاب انہوں نے بھی نقل نہیں کی ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ درمیان سے عبارت کا کوئی حصہ حذف کر دیا جائے۔ تو اس کے متعلق یہ ضابطہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اگر وہ اتنا ضروری حصہ ہے کہ اس کے حذف کر دینے سے پوری عبارت کا مفہوم مسخ ہو جاتا ہے تو یقیناً اسے خیانت و تحریف کہا جائے گا۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو اسے ہرگز خیانت و تحریف نہیں کہا جا سکتا۔ بشرطیکہ علامتوں کے ذریعہ واضح کر دیا جائے کہ یہاں سے عبارت کا کچھ حصہ حذف کیا گیا ہے۔

یہ نکتے سمجھ لینے کے بعد اب تقویتہ الایمان کی عبارتوں میں احیائی صاحب نے خیانیت کا جو الزام عائد کیا ہے اس کی حقیقت ملاحظہ فرمائیے۔

"زلزلہ" کے ص ۵۵ پر تقویتہ الایمان کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے:۔

> "جو کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور و نزدیک سے پکارا کرے۔۔۔۔۔ یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جو مجھ پر احوال گذرتے ہیں جیسے بیماری و تندرستی و کشائش و تنگی مرنا۔ جینا غم و خوشی سب کی ہر وقت اسے خبر رہتی ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گذرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔۔۔۔ خواہ یہ عقیدہ انبیاء واولیاء سے رکھے خواہ پیرو مرشد سے خواہ امام و امام زادے سے خواہ بھوت و پری سے پھر خواہ اللہ کے دیئے سے غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہو

گا"۔ (تقویۃ الایمان ملخصاً" ص ۱۰)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس لمبی عبارت میں جو حصہ چھوڑا گیا ہے وہاں نقطوں کی علامت کی ذریعہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہاں عبارت کا کچھ حصہ حذف کر دیا گیا ہے اس لئے اسے چوری یا خیانت نہیں کہہ سکتے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو حصہ حذف کیا گیا ہے پوری عبارت میں اس کی حیثیت کیا ہے۔ پہلا حذف شدہ حصہ یہ ہے۔

اور بلا کے مقابلے میں اس کی دہائی دیوے اور دشمن پر اس کا نام لے کر حملہ کرے اور اس کے نام کا ختم پڑھے۔

یہ حصہ صرف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مصنف تقویۃ الایمان کے نزدیک غیر اللہ کے حق میں یہ عقیدہ بھی شرک ہے جس طرح اس کے بعد ذکر کردہ عقیدے شرک ہیں۔ اس لئے اس حصے کو حذف کر دینے کے بعد باقی عقیدوں کے شرک ہونے کے دعوے پر نہ کوئی اثر پڑتا ہے اور نہ عبارت کا مفہوم مسخ ہوتا ہے۔

اب عبارت کا دوسرا حصہ جو حذف کیا گیا ہے اور جسے نقطوں کی علامت کے ذریعہ ظاہر کر دیا گیا ہے وہ یہ ہے۔

"اس کو اشراک فی العلم کہتے ہیں یعنی اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا سو اس عقیدہ سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے"۔

اس حذف شدہ حصے میں بھی کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے بلکہ اوپر والی عبارت میں جن عقیدوں کو شرک کہا گیا ہے۔ ان کے متعلق صرف یہ بتایا گیا ہے کہ ان عقیدوں کا نام "اشراک فی العلم" ہے۔ اور یعنی کہ بعد "اللہ کا سا علم اور کو ثابت کرنا"۔ یہ اشراک فی العلم کا اردو ترجمہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب ایک جگہ ان عقیدوں کو شرک کہہ دیا گیا تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کا سا علم ہے جو مخلوق کے لئے ثابت کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اللہ کا سا علم نہ ہو تو اسے شرک ہی کیوں کہا جائے گا۔

اس لئے اس حصے کو حذف کر دینے کے بعد بھی چونکہ عبارت کا مفہوم اپنی جگہ پر ہے۔ لہٰذا اس عمل کو بھی خیانت، چوری اور تحریف نہیں کہہ سکتے۔

چوتھا الزام

"زلزلہ" میں "ارواح ثلاثہ" کے حوالے سے ولی اللّٰہی خاندان کے شاہ عبدالقادر صاحب سے متعلق کشف کے متعدد واقعات نقل کرنے کے بعد تقویۃ الایمان کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کی گئی تھی جس میں مولوی سماعیل دہلوی نے کشف کا دعویٰ کرنے والوں کو جھوٹا اور دغا باز لکھا ہے۔ نقل کردہ عبارت یہ ہے۔

> "یہ سب جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں کوئی کشف کا دعویٰ رکھتا ہے کوئی استخارہ کا عمل سکھاتا ہے...... یہ سب جھوٹے ہیں۔ اور دغا باز"! (تقویۃ الایمان ص ۲۳)

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد علمائے دیوبند سے یہ سوال کیا گیا ہے کہ:۔

> "علمائے دیوبند کے معتمد شاہ عبدالقادر صاحب بھی ہیں اور شاہ اسمٰعیل دہلوی بھی۔ اب اس امر کا فیصلہ انہی کے ذمہ ہے کہ دونوں میں کون جھوٹا ہے اور کون سچا؟ (زلزلہ ص ۲۴۷)

"زلزلہ در زلزلہ" کے مصنف نے تقویۃ الایمان کی نقل کردہ عبارت میں تحریف و خیانت ثابت کرنے کے لئے تقویۃ الایمان کی جو پوری عبارت نقل کی وہ یہ ہے۔

> "اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ سب جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں کوئی کشف کا دعویٰ رکھتا ہے کوئی استخارہ کا عمل سکھاتا ہے، کوئی تقویم اور پترا نکالتا ہے کوئی رمل کا قرعہ پھینکتا ہے کوئی فالنامہ لئے پھرتا ہے یہ سب جھوٹے ہیں اور دغا باز، ان کے جال میں ہرگز نہ پھنسنا چاہئے"۔

"لیکن جو شخص آپ غیب دانی کا دعویٰ نہ رکھتا ہو اور غیب کی بات معلوم کرنی اختیار میں نہ کہتا ہو بلکہ اتنی ہی بات بیان کرتا ہو کہ کچھ بات کبھی اللہ کی طرف سے معلوم ہو جاتی ہے سو وہ میرے اختیار میں نہیں کہ جو بات چاہوں تو معلوم کرلوں یا جب چاہوں تو دریافت کرلوں' یہ بات ہو سکتی ہے کہ شاید وہ سچا ہو یا مکار"! (تقویتہ الایمان ص ۲۳)

اب آپ ہی انصاف سے بتایئے کہ پوری عبارت نقل کرنے کے بعد کیا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا کہ مولوی اسماعیل دہلوی کشف کے منکر ہیں اور کشف کا دعویٰ کرنے والوں کو وہ جھوٹا اور دغا باز سمجھتے ہیں۔ جب پوری عبارت نقل کرنے کے بعد بھی یہ دعویٰ اپنی جگہ پر ہے تو ثابت ہوا کہ عبارت کا جو حصہ حذف کیا گیا تھا اس دعوے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

اور "لیکن" کے بعد جو باتیں انہوں نے بیان کی ہیں ان کا تعلق کشف سے نہیں بلکہ وحی اور الہام سے ہے۔ کیونکہ انہوں نے کشف کو بھی علم غیب کے زمرے میں شمار کیا ہے جس کا حوالہ پچھلے اوراق میں کہیں گذر چکا ہے۔ لہٰذا جس طرح وہ مخلوق کے حق میں علم غیب کے منکر ہیں اسی طرح کشف کے بھی منکر ہیں۔

اس بحث سے پوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ احیائی صاحب نے مصنف "زلزلہ" پر خیانت و تحریف کا جو چوتھا الزام لگایا ہے' وہ بھی بالکل بے بنیاد اور افترا ہے۔

پانچواں الزام

"زلزلہ" میں دیوبندی مذہب کا تضاد ثابت کرنے کے "تذکرۃ الرشید" کے حوالے سے گنگوہی صاحب کے مرید کا یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ:۔

"ایک روز خانقاہ میں لیٹے ہوئے اپنے شغل میں مشغول تھے کہ کچھ سکر پیدا ہوا اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ' کو دیکھا کہ

سامنے تشریف لے جا رہے ہیں چلتے چلتے ان کو مخاطب بنا کر اس طرح امر فرمایا کہ دیکھو جو چاہو حضرت مولانا رشید احمد سے چاہنا"۔ (تذکرۃ الرشید جلد ۲ ص ۳۰۹)

اس واقعہ پر "زلزلہ" کا تنقیدی تبصرہ یہ تھا:۔

"شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کا گھرانہ ہندوستان میں عقیدہ توحید کا سب سے بڑا محافظ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سخت تعجب ہے کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر مولوی رشید احمد صاحب سے سب کچھ چاہنے کی ہدایت فرمائی شاہ صاحب کی طرف اتنا بڑا شرک منسوب کرتے ہوئے واقعہ کے راویوں کو کچھ تو شرم محسوس کرنی چاہئے تھی"۔
ایک طرف تو "اپنے مولانا" کو با اختیار اور صاحب تصرف ثابت کرنے کے لئے شاہ ولی اللہ صاحب کی زبانی یہ کہلوایا جاتا ہے اور دوسری طرف اپنی توحید پرستی کا ڈھونگ رچانے کے لئے عقیدہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے"۔ (زلزلہ ص ۱۳۲)
"ہر کسی کو چاہئے کہ اپنی حاجت کی چیزیں اپنے رب سے مانگے۔ یہاں تک کہ لون (نمک) بھی اسی سے مانگے اور جوتی کا تسمہ جب ٹوٹ جائے وہ بھی اسی سے مانگے"۔

(تقویتہ الایمان ص ۳۴)

"زلزلہ در زلزلہ" کے مصنف نے تقویتہ الایمان کی نقل کردہ عبارت میں خیانت و تحریف ثابت کرنے کے لئے جو پوری عبارت نقل کی ہے' وہ یہ ہے:۔

"مشکوۃ کی کتاب الدعوات میں لکھا ہے کہ ترمذی نے ذکر کیا کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ ہر کسی کو چاہئے کہ اپنی سب حاجت کی چیزیں اپنے رب سے مانگے یہاں تک کہ لون (نمک) بھی اس

سے مانگے اور جوتی کا تسمہ جب ٹوٹ جائے وہ بھی اسی سے
مانگے"۔ (تقویۃ الایمان ص ۹۲)

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد احیائی صاحب نے مصنف "زلزلہ" پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"نقل کیا گیا تھا آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور منسوب کر دیا قادری صاحب نے مولانا شہید کی طرف' کیا یہ حوالہ کی غلطی نہیں ہے"۔ (زلزلہ ور زلزلہ ص ۱۵۲)

اس کے بعد دیوبندی تہذیب کی نمائش ان الفاظ میں کی ہے:۔

"اے بریلوی جماعت کے لوگو! کیا تم میں ایک بھی ہدایت یافتہ آدمی نہیں ہے جو زلزلہ کے مصنف کو پھٹکارنے کے لئے تیار ہو جائے"۔ (ص ۵۲)

اگر مصنف "زلزلہ" پر صرف اس لئے خیانت کا الزام ہے کہ اس سے حضور علیہ السلام کے فرمان کو صاحب تقویۃ الایمان کا عقیدہ قرار دے دیا ہے تو احیائی صاحب صرف اتنا اعلان کر دیں کہ حضور کا یہ فرمان صاحب تقویۃ الایمان کا عقیدہ نہیں ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کھلے بندوں تحریف و خیانت کا الزام قبول کر لوں گا۔ لیکن اگر وہ یہ اعلان نہیں کر سکتے تو پھر بتائیں کہ میں نے کون سا غلط عقیدہ ان کی طرف منسوب کیا ہے۔

یہیں سے اپنے اور بیگانے کا فرق بھی واضح ہو گیا کہ دیوبند کے اکابر نے اپنی کتابوں میں جو عقیدے لکھے ہیں۔ آج جب ہم ان عقیدوں کو دیوبندیوں کا عقیدہ کہتے ہیں تو کوئی یہ سوال نہیں اٹھا تا کہ یہ فلاں کی تحریر ہے' ہماری طرف کیوں منسوب کی جا رہی ہے۔ لیکن افسوس کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو دیوبندیوں کا عقیدہ کہہ دینے پر احیائی صاحب اتنے مشتعل ہو گئے کہ انہیں لکھنؤ کے بھٹیاروں کے زبان استعمال کرنی پڑی۔

اب اس کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ جسے اپنا سمجھا گیا اس کی ہر بات بھی اپنی سمجھی گئی اور جو اپنا نہیں تھا اس کی ایک بات بھی اپنی نہیں ہو سکی۔

احیائی صاحب کی صریح خیانتوں کے نمونے

پھر کسی کتاب سے اسی طرح کا اقتباس اگر تحریف و خیانت ہے تو احیائی صاحب سنبھل جائیں کہ میں انہی کی کتاب سے تحریف و خیانت کا نقد الزام ان کے خلاف عائد کرنے جا رہا ہوں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان کے ملفوظ سے دو عبارتیں نقل کی ہیں۔ اب انہی کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق آمنے سامنے دونوں عبارتیں ملاحظہ فرمائیں۔

الملفوظ کی اصل عبارت	زلزلہ در زلزلہ کی نقل کردہ عبارت
سیدی شریف عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں مومن کامل کی وسعت نگاہ میں ایسے ہیں جیسے کسی لق و دق میدان میں ایک چھلا پڑا ہو۔	خان صاحب کی مندرجہ ذیل بات ملاحظہ فرمائیں۔ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں مومن کامل کی وسعت نگاہ میں ایسے ہیں جیسے کسی لق و دق میدان میں چھلا پڑا ہو۔
(الملفوظ حصہ چہارم ص ۶۵)	(زلزلہ در زلزلہ ص 138)

اس عبارت میں ذرا کھلی ہوئی خیانت ملاحظہ فرمایئے کہ اول تو حذف کردہ فقرے کی کوئی علامت بھی یہاں ظاہر نہیں کی گئی ہے کہ پڑھنے والا اصل کتاب سے معلوم کر سکے اور دوسرا غضب یہ کیا گیا ہے کہ جو بات سیدی شریف عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔ وہ صریح لفظوں اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کر دی گئی اب دوسرا نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔

الملفوظ کی اصل عبارت	زلزلہ در زلزلہ میں نقل کردہ عبارت
ایک بزرگ فرماتے ہیں وہ مرد نہیں جو	...... وہ مرد نہیں جو تمام کو مثل ہتھیلی

تمام دنیا کو مثل ہتھیلی کے نہ دیکھے انہوں نے سچ فرمایا اپنے مرتبہ کا اظہار کیا ان کے بعد حضرت شیخ بہاء الملتہ و الدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا میں کہتا ہوں مرد وہ نہیں جو تمام عالم کو ایک انگوٹھے کے ناخن کے مثل نہ دیکھے۔ (الملفوظ حصہ اول ص)

کے نہ دیکھے............ ....یا مرد وہ

نہیں جو تمام عالم کو انگوٹھے کے ناخن کے مثل نہ دیکھے۔

(زلزلہ در زلزلہ ص ۱۴۱)

خالی جگہوں میں یہ نقطے احیائی صاحب نے نہیں لگائے ہیں کہ حذف کی علامت سمجھی جائے بلکہ انہوں نے ملفوظ کی جو عبارت نقل کی ہے وہ صرف اتنی ہے۔ "مرد وہ نہیں جو تمام دنیا کو مثل ہتھیلی کے نہ دیکھے یا وہ مرد نہیں جو تمام عالم کو انگوٹھے کے ناخن کے مثل نہ دیکھے"۔

دیکھ رہے ہیں آپ احیائی صاحب کی بے حیائی! کہ بغیر کسی علامت کے فقرے کے فقرے حذف کر دیئے ہیں اب آپ ہی انصاف سے بتایئے کہ اسے صریح چوری اور کھلی ہوئی خیانت کے بعد اگر میں بھی احیائی صاحب کی زبان میں دیوبندی جماعت کے لوگوں کو للکاروں تو کیسا لگے گا؟

چھٹا الزام

"زلزلہ" کا جن حضرات نے مطالعہ کیا ہے' وہ اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ "زلزلہ" میں دیوبندی مذہب کی تصویر کے دو رخ پیش کئے گئے ہیں۔ پہلے رخ میں علمائے دیوبند کا مسلک و عقیدہ بیان کیا گیا ہے اور دوسرے رخ میں عقیدہ و مسلک کے خلاف علمائے دیوبند کا عمل بتایا گیا ہے۔

اتنا سمجھ لینے کے بعد اب تصویر کے پہلے رخ میں تقویتہ الایمان کی ایک عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

> اور اس بات میں (یعنی غیب کی بات نہ جاننے میں) اولیاء و انبیاء اور جن و شیطان اور بھوت پری میں کچھ فرق نہیں۔

(تقویتہ الایمان) ("زلزلہ" ص ۵۵)

یعنی غیب کی بات نہ جاننے میں) یہ فقرہ تقویتہ الایمان کا نہیں مصنف "زلزلہ" کا ہے جسے ہلالین کے ذریعہ واضح کر دیا گیا ہے۔ لیکن مجھے نہایت افسوس ہے کہ احیائی صاحب نے اپنی کتاب میں یہ عبارت نقل کرتے وقت ہلالین کی علامت کو حذف کر دیا ہے۔ یہ نقل کی بدترین خیانت ہے یہ ناپاک حرکت انہوں نے اس لئے کی ہے تاکہ قارئین کو وہ دھوکہ دے سکیں کہ مصنف "زلزلہ" نے "تقویتہ الایمان" کی عبارت میں اپنی طرف سے ایک فقرے کا اضافہ کر دیا۔ حالانکہ وہ اضافہ نہیں بلکہ "اس بات کی تفصیل ہے۔

اب رہ گیا احیائی صاحب کا یہ الزام کہ یہ تفصیل "تقویتہ الایمان" کی عبارت کے کسی فقرے سے نہیں نکلتی تو اس کے جانچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ "تقویتہ الایمان" کی پوری عبارت نقل کر دی جائے اور قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ یہ تفصیل "تقویتہ الایمان" کی عبارت کے کسی فقرے سے نکلتی ہے یا نہیں "تقویتہ الایمان" کی عبارت یہ ہے:

> شرک کے معنی یہ کہ جو چیزیں اللہ نے اپنے واسطے خاص کی ہیں اور اپنے بندوں پر نشان بندگی ٹھہرائے ہیں۔ وہ چیزیں اور کسی کے واسطے کرنی جیسے سجدہ کرنا اور اس کے نام کا جانور ذبح کرنا اور اس کی منت ماننا اور مشکل کے وقت پکارنا اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا اور تصرف قدرت کی ثابت کرنی سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ گو کہ پھر اس کو اللہ تعالیٰ سے چھوٹا سمجھے اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ اور اس بات میں اولیاء انبیاء میں اور جن و شیطان میں اور بھوت و پری میں کچھ فرق نہیں"۔ (تقویتہ الایمان)

غور فرمایئے! "اور ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا" اس فقرے کا مفہوم سوا اس کے اور کیا ہے کہ اسے غیب داں سمجھنا کیونکہ کسی کے متعلق ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا

عقیدہ صاحب "تقویۃ الایمان" کے نزدیک اسی بنیاد پر شرک ہے کہ وہ علم غیب کو مستلزم ہے۔ منجملہ دیگر عقائد کے اس عقیدے کو بھی انہوں نے مخلوق کے حق میں شرک قرار دیا ہے اور اخیر میں کہا ہے کہ "اس بات میں اولیاء انبیاء اور جن و شیطان اور بھوت و پری میں کچھ فرق نہیں"۔

اب "تقویۃ الایمان" کی مذکورہ بالا عبارت کو سامنے رکھ کر آپ ہی فیصلہ کریں کہ "اس بات میں" کہہ کر ان کا اشارہ عقیدہ علم غیب کی طرف بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر "اس بات" سے ان کی مراد مخلوق کے حق میں علم غیب اور تصرف کی قدرت کا نہ ہونا نہیں ہے تو پھر بتا دیا جائے کہ وہ اولیاء انبیاء اور جن و شیطان اور بھوت و پری کے درمیان برابری کس چیز میں ثابت کر رہے ہیں۔

مذکورہ بالا توضیح کے بعد آفتاب نیم روز کی طرح ثابت ہو گیا کہ اس عبارت میں بھی "زلزلہ کے مصنف پر تحریف کا الزام قطعاً" بے بنیاد' خلاف واقعہ اور افتراء محض ہے۔

ساتواں الزام

"زلزلہ" میں "مولانا محمد احسن نانوتوی) نام کی ایک کتاب کے حوالہ سے مدرسہ دیوبند کے متعلق ایک انگریز کا یہ معائنہ نقل کیا گیا ہے کہ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ ممد و معاون سرکار ہے۔ کتاب کے مصنف کا تعارف کراتے ہوئے زلزلہ میں لکھا گیا تھا کہ:۔

> "ایک دیوبندی فاضل نے "مولانا محمد احسن نانوتوی" کے نام سے موصوف کی سوانح حیات لکھی ہے"۔ (زلزلہ ص ۹۴)

اب اس پر احیائی صاحب کا اعتراض ملاحظہ فرمایئے' لکھتے ہیں:۔

> کتاب کے پیش لفظ میں یہ صاف صاف لکھا ہوا ہے کہ کتاب کے مصنف کتاب لکھتے وقت صرف بی اے تھے۔ وہ فاضل دیوبند

> تو الگ رہا کسی اسلامی درس گاہ کے بھی فاضل نہ تھے۔ بعد میں پھر انہوں نے ایم اے کیا۔ بھلا ہو ہمارے قادری صاحب کا کہ انہوں نے مولانا محمد احسن نانوتوی کے مصنف کو فاضل دیوبند کی سند بھی عنایت فرما دی"۔ ("زلزلہ در زلزلہ" ص ۵۶)

عقل و فہم کی اس یتیمی پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہاں "دیوبندی فاضل" اور کہاں "فاضل دیوبند" دونوں کو احیائی صاحب نے ایک سمجھ لیا۔ حالانکہ "فاضل" کا لفظ دانشور کے معنی میں عام طور پر مستعمل ہے' جیسا کہ "فاضل جج" کہا جاتا ہے۔

لیکن احیائی صاحب کی کھوپڑی میں جس ساخت کی عقل ہے میرا خیال ہے کہ وہ فاضل جج کا مفہوم "مولانا جج" سمجھتے ہوں گے۔ "فاضل دیوبند" اگر لکھا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ میں نے انہیں مدرسہ دیوبند کا فارغ التحصیل لکھ دیا۔ لیکن دیوبندی فاضل کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ ایک دانشور جو مسلک "دیوبندی" ہے۔ احیائی صاحب نے اسے بھی تحریف و خیانت ہی کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ اب رہ رہ کر مجھے پچھتاوا ہو رہا ہے کہ مولانا احسن نانوتوی کے مصنف کی نشاندہی کرتے ہوئے میں نے اہل علم کی زبان کیوں استعمال کی جس کے یہ لوگ قطعاً" اہل نہیں تھے۔

آٹھواں الزام

"زلزلہ" میں فتاویٰ رشیدیہ سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا ایک فتویٰ نقل کیا گیا ہے جو یہ ہے۔

> "جو شخص اللہ جل شانہ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے...... وہ بیشک کافر ہے۔ اس کی امامت اور اس سے میل جول' محبت و مودت سب حرام ہے۔
>
> (فتاوی رشیدیہ جلد ۱ ص ۱۴۱)

اس فتوے میں جہاں نقطے لگے ہوئے ہیں وہ اس بات کی علامت ہیں کہ یہاں عبارت کا کچھ محذوف ہے۔ اس واضح نشاندہی کے بعد اسے نقل کی چوری یا خیانت

کہنا انتہا درجہ کی بددیانتی ہے۔

فتویٰ رشیدیہ کی اس عبارت کے سلسلہ میں اعتراض اور جواب کی پوری تفصیل دوسرے باب میں گذر چکی ہے۔ میں احیائی صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ اس مقام کی پوری بحث پڑھ ڈالیں اور اس کے بعد بتائیں کہ اب انہیں کیا اعتراض ہے۔؟

نواں الزام

زلزلہ میں فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے علم غیب کے سلسلے میں ایک عبارت اور نقل کی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"پس اثبات علم غیب غیر حق تعالیٰ کو شرک صریح ہے"۔

اس پر احیائی صاحب نے خیانت کا الزام عائد کرتے ہوئے فتوے کی پوری عبارت نقل کی ہے، وہ یہ ہے۔

> "علم غیب میں تمام علماء کا عقیدہ اور مذہب یہ ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے اس کو کوئی نہیں جانتا **وعندہ مفاتیح الغیب لایعلمها الا هو**۔ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے پاس علم غیب کا ہے کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے پس اثبات علم غیب غیر حق تعالیٰ کو شرک صریح ہے مگر ہاں جو بات کہ حق تعالیٰ اپنے کسی مقبول کو بذریعہ وحی یا کشف بتادیوے وہ اس کو معلوم ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ ص ۷)

اس عبارت کے نقل کرنے کے بعد احیائی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

> مولانا گنگوہی صاحب نے صاف صاف فرما دیا کہ غیب کی بات خدا کے بتائے بغیر کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر کوئی آدمی ایسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ شرک صریح کا مرتکب ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ غیب

> کی باتیں وحی کشف' الہام وغیرہ کے ذریعہ انسان کو بتا دیتا ہے"۔
> "لیکن قادری صاحب بھی کیا کرتے مجبور تھے۔ اگر بعد والی عبارت بھی نقل کر دیتے تو زلزلہ کا سارا پلان ہی بلبلے کی طرح بیٹھ جاتا۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۴۳)

"زلزلہ" کا پلان کیا ہے؟ یہ ثابت کرنا کہ علمائے دیوبند کے نزدیک کسی بھی مخلوق کے حق میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ بعد والی عبارت نقل کی جائے یا نہ کی جائے اس پلان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ سوال یہاں وحی یا کشف کے ذریعہ چھپی بات کے جاننے کا نہیں بلکہ کسی مخلوق کے حق کے علم غیب کا عقیدہ رکھنے کا ہے۔ اسی کو گنگوہی صاحب نے اپنے فتوے میں شرک قرار دیا ہے۔

اگر فتویٰ نقل کر کے احیائی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گنگوہی صاحب کے نزدیک اثبات علم غیب غیر حق تعالیٰ کو صریح شرک نہیں ہے' تو وہ فتوے کے کسی بھی فقرے سے یہ ثابت کر دکھائیں۔ میں حوالے کی خیانت تسلیم کر لوں گا اور اگر وہ یہ نہیں ثابت کر سکتے تو پورا فتویٰ نقل کیا جائے یا صرف اتنا ہی حصہ' اصل مسئلے کی حقیقت پر کیا اثر پڑتا ہے کیونکہ پورا فتویٰ نقل کرنے کے بعد بھی زلزلہ میں جو بات نقل کی گئی ہے وہ اپنی جگہ پر ہے۔

واضح رہے کہ گنگوہی صاحب کے نزدیک وحی اور کشف کے ذریعہ کسی مخفی بات کا جو علم حاصل ہوتا ہے۔ اسے علم غیب نہیں کہا جا سکتا۔ (حوالہ کے لئے دیکھیے "بریلوی فتنہ کا نیا روپ")

دسواں الزام

فتاوی رشیدیہ کے حوالے سے "زلزلہ" میں گنگوہی صاحب کا یہ فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ:۔

> جب انبیاء علیہم السلام کو بھی علم غیب نہیں ہوتا تو یارسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہو گا! (زلزلہ ص ۵۸)

اس اقتباس پر خیانت کا الزام عائد کرتے ہوئے احیائی صاحب نے جو پورا فتویٰ نقل کیا ہے وہ یہ ہے:۔

> "جب انبیاء علیہم السلام کو بھی علم غیب نہیں ہوتا تو یارسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہو گا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں۔ بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے اور جو عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مشابہ بہ کفر ہے البتہ اگر اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ کرے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے۔
>
> (فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ ص ۸۰۷)

پورا فتویٰ غور سے پڑھئے اور بتایئے کہ ہم نے کہاں خیانت کی ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کو بھی علم غیب نہیں ہوتا تو یارسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہو گا۔ یہ فقرہ اچھی طرح واضح کر رہا ہے کہ علم غیب کا عقیدہ رکھ کر یارسول اللہ کہنا ناجائز ہے۔ پورا فتویٰ نقل کرنے کے بعد بھی ان کا یہ مسلک اپنی جگہ پر ہے۔ ہاں اگر ایسا ہوتا کہ فتوے کا ایک ٹکڑا کچھ بتاتا اور پورا فتویٰ کچھ بتاتا تو البتہ اسے خیانت کہہ سکتے تھے۔ لیکن جب فتوے کا نقل کردہ ٹکڑا بھی یہی بتاتا ہے کہ علم غیب کی بنیاد پر یارسول اللہ کہنا ناجائز ہے اور پورا فتویٰ بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ علم غیب کی بنیاد پر یارسول اللہ کہنا ناجائز ہے یا کفر کے مشابہ ہے تو اب خیانت کے الزام کی گنجائش ہی کہاں باقی رہتی ہے۔

احیائی صاحب نے مصنف زلزلہ پر خیانت کا الزام عائد کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

> "قادری صاحب نے فتاوی رشیدیہ کا ایک جملہ نقل کر کے قارئین کو یہ کتنا غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یارسول اللہ کہنا ہر جگہ ناجائز ہو گا حالانکہ مولانا گنگوہی نے یہ تصریح کر دی کہ یارسول اللہ اگر درود شریف کے ساتھ کہا جائے تو ناجائز

نہیں۔ یہ ناجائز ہو گا جب کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود سماعت فرماتے ہیں"۔

(زلزلہ در زلزلہ ص ۲۹)

اسی کو کہتے ہیں مسلک کی غلط ترجمانی! گنگوہی صاحب تو یہ ہیں دور سے سننے کا عقیدہ رکھا جائے تو یارسول اللہ کہنا کفر ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں ہے تو گو کفر نہیں لیکن کفر کے مشابہ ضرور ہے۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ دور سے سننے کا عقیدہ رکھا جائے یا نہ رکھا جائے دونوں حالتوں میں گنگوہی صاحب کے نزدیک یارسول اللہ کہنا ناجائز ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ ناجائز اس وقت ہو گا جب کہ عقیدہ رکھا جائے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود سماعت فرماتے ہیں۔ کہئے یہ مسلک کی تحریف اور اپنے مذہب میں کھلی ہوئی خیانت ہے یا نہیں۔؟

پسینہ پونچھئے اپنی جبیں کا

گیارہواں الزام

"زلزلہ" میں تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے ضلع جالندھر کے منشی رحمت علی نام کے ایک صاحب کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے دل میں ٹھان لیا تھا کہ:۔

"جب تک حضرت پیران پیر رحمتہ اللہ علیہ خواب میں تشریف لا کر خود ارشاد نہ فرما دیں گے کہ فلاں شخص سے بیعت ہو اس وقت تک بطور خود کسی سے بیعت نہ کروں گا۔ اسی حالت میں ایک مدت گذر گئی کہ یہ اپنے خیال پر جمے رہے۔ آخر ایک شب حضرت پیران پیر قدس سرہ' کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانے میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو حق تعالی نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادہ سے واقف ہو جاتے ہیں اور جو ذکر و شغل اس کے مناسب ہوتا ہے

> وہی بتلاتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ا ص ۳۱۴)

اس واقعہ پر "زلزلہ" میں دیوبندی مذہب کے خلاف جو الزام عائد کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔

> "دیکھ لیا آپ نے ؟ صرف اپنے شیخ کی غیب دانی کا سکہ چلانے کے لئے حضرت سید الاولیاء سرکار غوث الوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ایک ایسے عقیدے کی تشہیر کی جا رہی ہے جو دیوبندی مذہب میں قطعاً" شرک ہے اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ بیان کا لب و لہجہ تردیدی بھی نہیں ہے کہ الزام اپنے سر سے ٹال سکیں"۔
>
> اب ایک طرف یہ واقعہ نظر میں رکھئے اور دوسری طرف " تقویتہ الایمان" کی یہ عبارت پڑھئے توحید پرستی کا سارا بھرم کھل جائے گا۔ وہ عبارت یہ ہے:۔
>
> "(جو کوئی کسی کے متعلق یہ تصور کرے) "کہ جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گذرتا ہے وہ سب سے واقف ہے۔ سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں"۔
>
> (تقویتہ الایمان ص ۸)

بجائے اس کے کہ "زلزلہ در زلزلہ" کے مصنف اپنے اکابر کے سر سے یہ عذاب ٹالتے اور اس ہلاکت خیر الزام کا جواب دیتے۔ انہوں نے انتہائی بے حیائی کے ساتھ "زلزلہ" کے مصنف پر ان لفظوں میں تبرا کیا ہے:۔

> "مندرجہ بالا اقتباس نقل کرنے کے بعد قادری صاحب نے حسب عادت نیش زنی کے وہ کمالات دکھائے ہیں کہ شیطان بھی ان کی پیٹھ ٹھوکے' میں ہر انصاف پسند بریلوی سے کہوں گا کہ وہ تذکرۃ الرشید جلد اول کھولے اور اس اقتباس کو دیکھے پھر اسے

معلوم ہو جائے گا قادری صاحب نے کیا کمال کیا ہے۔ اقتباس کے متصل ہی ایک جملہ ہے"۔ "پھر آنکھ کھل گئی"۔ (تذکرۃ الرشید جلد ا ص ۳۱۲)

اگر یہی جملہ نقل کر دیتے تو لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ سب کچھ خواب میں ہوا اور خواب کی دنیا اتنی وسیع ہے کہ اس میں بہت سی ان ہونی بھی ہو جاتی ہے۔

(زلزلہ در زلزلہ ص ٦٨)

میں کن لفظوں میں اپنے اس افسوس کا اظہار کروں کہ احیائی صاب اب تک یہی نہیں سمجھ سکے کہ اس واقعہ پر میرا اصل اعتراض کیا ہے؟ بحث یہ نہیں ہے کہ یہ واقعہ خواب کا تھا یا بیداری کا۔ دراصل بحث کی چیز یہ ہے کہ اس واقعہ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے لئے حضور غوث الوریٰ کی زبانی ایک ایسے علم کا ادعا کیا گیا ہے جو "تقویتہ الایمان" کی رو سے صریح شرک ہے۔ بجائے اس کے کہ احیائی صاحب واقعہ اور عقیدہ کے درمیان جو تضاد ہے وہ اٹھاتے انہوں نے ایک فقرہ تلاش کرکے کہ "اس کے بعد آنکھ کھل گئی"۔ خیانت کا الزام عائد کر دیا۔

اگر خواب ہی کی بات ثابت کرنی تھی تو اس کی صراحت تو خود واقعہ ہی کے اندر موجود ہے۔ "اس کے بعد آنکھ کھل گئی" کا فقرہ نہ بھی نقل کیا گیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ یہ واقعہ خواب کا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب کی کسی بات پر کوئی شرعی مواخذہ نہیں ہو سکتا۔ تو میرا الزام خواب دیکھنے والے پر نہیں ہے بلکہ گنگوہی صاحب کی فضیلت و بزرگی ثابت کرنے کے لئے بیداری کی حالت میں اس خواب کو اپنی کتاب میں درج کرنے والے پر ہے۔ کیونکہ یہ خواب یوں ہی نہیں کتاب میں شامل کر لیا گیا ہے بلکہ یہ اور اس طرح کے دوسرے خوابوں کو درج کرنے سے پہلے تمہید یہ باندھی گئی ہے کہ:۔

"زمانہ کے اکابر و خاصان خدا کی شہادت اور عالم منام (خواب) و

واقعہ کے ذریعہ بھی خود آپ کو اور آپ کے متوسلین و اہل عصر مسلمین کو جتلایا گیا کہ ولایت میں آپ کا مرتبہ کیا ہے"۔
(تذکرۃ الرشید ص ۳۰۶)

اور پھر خواب دیکھنے والے نے اپنا خواب بیان کرنے کے بعد صرف اتنا ہی نہیں کہا کہ "اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی"۔ بلکہ اسی کے ساتھ یہ فقرہ بھی ہے جسے احیائی صاحب نے ازراہ خیانت چھپا لیا ہے کہ "دیکھا تو قلب میں ایک سکون اور طمانیت کا اثر موجود تھا"۔

یہ اسی بات کی طمانیت تو تھی کہ گنگوہی صاحب کے بارے میں سرکار غوث الوری نے خواب میں جو بشارت دی ہے۔ اس سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ ولایت میں آپ کا مرتبہ کیا ہے۔؟

سوچنے کی بات تو یہی ہے کہ گنگوہی صاحب کے حق میں غیب دانی کا یہ عقیدہ ان کے مرتبے کے اظہار کا ذریعہ بن گیا۔ لیکن سر پیٹ لینے کی بات یہ ہے کہ انبیاء واولیاء کے لئے یہی عقیدہ شرک کی علامت قرار دے دیا گیا۔ جیسا کہ تقویتہ الایمان کے مصنف مولوی اسماعیل دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"جو کوئی دعویٰ کرے کہ میرے پاس ایسا کچھ علم ہے کہ جب میں چاہوں اس سے غیب کی بات معلوم کر لوں اور آئندہ باتوں کا معلوم کر لینا قابو میں ہے سو وہ بڑا جھوٹا ہوا کہ دعویٰ خدائی کا کرتا ہے اور جو کوئی کسی نبی یا ولی یا جن و فرشتہ کو' امام یا امام زادے یا برہمن اشٹی کو یا بھوت و پری کو ایسا جانے اور اس کے حق میں جو عقیدہ رکھے مشرک ہو جاتا ہے"۔ (ص ۲۱)

اب آپ ہی حق کی مظلومی کے ساتھ انصاف کریں کہ ایک ہی عقدہ کہیں مشرک بنا دے اور کہیں ولایت کا مرتبہ ظاہر کرے۔ آخر یہ اپنے اور بیگانے کا امتیاز نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

پوری برادری کو ایک چیلنج

اسی بحث میں احیائی صاحب نے اپنی کتاب کے ص ٦٧ پر "زلزلہ" کے ص ١٥٨ کے حوالے سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جو "ضلع جالندھر کے منشی رحمت علی تھے ان کا کہنا تھا" سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے متعلق مصنف سے لے کر بمبئی اور دیوبند کے مبصرین تک پوری دیوبندی برادری کو میں چیلنج کرتا ہوں کہ ان کے اندر ذرا بھی غیرت کا شائبہ ہو تو وہ ہو بہو یہ عبارت "زلزلہ" کے صفحہ ١٥٨ پر دکھلائیں اور اگر نہیں دکھلا سکتے تو دوسروں پر خیانت کا الزام عائد کرنے والے خود اپنے داغدار چہرے کا دھبہ مٹائیں۔

عمدۃ المتکلمین زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حجۃ الاسلام امام

ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ

کی تحقیق انیق اور علوم معارف کے بے بہا خزانہ

احیاء علوم الدین

المعروف احیاء العلوم کا بامحاورہ مستند اردو ترجمہ

مصباح السالکین

جلد اول

مترجم: مولانا محمد صدیق ہزاروی

پروگریسو بکس اردو بازار لاہور فون:

دوسری بحث جواب الجواب میں

احیائی صاحب نے اپنی بے حیائی یا نا سمجھی سے "زلزلہ" کے مصنف کے خلاف حوالے کی خیانتوں کے جتنے الزامات عائد کیے تھے آپ نے دیکھ لیا کہ ان کے دھوئیں اڑ گئے اور الٹے رنگے ہاتھوں انہی کی متعدد چوریاں پکڑی گئیں۔ اس طرح اپنی برادری میں ان کی ساری چیمپئن شپ خاک میں مل گئی۔

اب انہوں نے "زلزلہ" کی عبارتوں پر جو اعتراضات کئے ہیں یا اعتراضات کے جو جوابات دیئے ہیں، آنے والے صفحات میں دلائل کی قوت کے ساتھ ان کا تنقیدی جائزہ ملاحظہ فرمائیں۔

دندان شکن جواب

علم غیب اور تصرف کے بارے میں علمائے دیوبند کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے "زلزلہ" میں لکھا گیا تھا۔

> اب اس سلسلے میں علمائے دیوبند کا کہنا ہے کہ انبیاء واولیاء کے حق میں اس طرح کا عقیدہ رکھنا شرک اور کفر ہے۔ خدا نے نہ انہیں علم غیب عطا کیا ہے اور نہ تصرف کا کوئی اختیار بخشا ہے۔ وہ معاذاللہ بالکل ہماری طرح مجبور' بے خبر اور نادان بندے ہیں خدا کی چھوٹی یا بڑی کسی مخلوق میں بھی جو اس طرح کی قوت تسلیم کرتا ہے وہ خدا کی صفات میں اسے شریک ٹھہراتا ہے۔ ایسا شخص توحید کا مخالف' اسلام کا منکر اور قرآن و حدیث کا باغی

ہے۔ (زلزلہ ص ۵۴)

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد احیائی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ نہیں بلکہ خودکشی کرتے ہیں:۔

"اگر واقعی علمائے دیوبند کا وہ عقیدہ ہوتا جو مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے تو مولوی قادری صاحب کا بگڑنا حق بجانب تھا۔ لیکن کیا ایسی بات ہے؟ (زلزلہ در زلزلہ ص ۷۳)

معاذ اللہ! میں نے کبھی اس بات کی آرزو نہیں کی کہ علمائے دیوبند اس طرح کا عقیدہ رکھیں۔ اگر واقعی علمائے دیوبند کا ایسا عقیدہ نہیں ہے تو وہ برملا اس بات کا اعتراف کرلیں کہ وہ خدا کے مقرب بندوں میں غیب دانی اور تصرف کی قوت تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن آج میں خود احیائی صاحب کے قلم سے ان کے جھوٹ کا پردہ فاش کر کے یہ ثابت کر دینا چاہتا ہوں کہ ان پر قادری صاحب کا بگڑنا حق بجانب تھا اور ہے۔ احیائی صاحب اپنی اسی کتاب کے ص ۸۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس عبارت میں مولانا شہید نے بات صاف کر دی کہ جب چاہے غیب کی بات معلوم کرلے یہ غیر خدا کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ قوت کسی انسان کے لئے ماننا خدا کی خدائی میں شریک ٹھہرانے کے مترادف ہے"۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۸۲)

انصاف سے کہئے! یہ بالکل وہی بات ہوئی یا نہیں جو علمائے دیوبند کے عقیدہ کے متعلق "زلزلہ" میں بیان کی گئی ہے کہ خدا کی چھوٹی یا بڑی کسی مخلوق میں بھی جو اس طرح کی قوت تسلیم کرتا ہے وہ خدا کی صفات میں اسے شریک ٹھہراتا ہے فرمایئے! اب تو ثابت ہوگیا نا کہ قادری صاحب کا بگڑنا بالکل حق بجانب تھا۔ اگر آپ لوگوں کا عقیدہ بگڑا نہ ہوتا تو قادری صاحب کو ضرورت ہی کیا پڑی تھی بگڑنے کی۔

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا

اب دوسرے الزام کی صفائی احیائی صاحب کا ذرا یہ معصومانہ انداز ملاحظہ فرمائیں ایسا لگتا ہے جیسے وہ ابھی آسمان سے اترے ہیں اور انہیں کچھ نہیں معلوم کہ دیوبند میں کیا گل کھلایا گیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> معمولی عقل و دانش کا مالک یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اگر علمائے دیوبند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذباللہ اپنی طرح نادان، بے خبر سمجھتے تو آپ کو رسول ماننے کی ضرورت ہی کیا تھی۔
>
> (زلزلہ در زلزلہ ص ۸۲)

سبحان اللہ! یہ سوال تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے مدینے کے منافقین کے بارے میں کوئی صفائی پیش کرے کہ اگر ان کے دلوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی کدورت ہوتی یا وہ دل سے حضور کی رسالت و عظمت کے معترف نہ ہوتے تو انہیں کلمہ پڑھنے یا نماز کے لئے مسجد میں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ بحث کو طول دینے کے بجائے اب میں "اگر" کا پردہ فاش کر کے یہ ثابت کر رہا ہوں کہ واقعۃً علمائے دیوبند حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنی طرح بے خبر اور نادان بندہ تصور کرتے ہیں۔ ثبوت کے لئے تقویۃ الایمان کے یہ حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

> "ان باتوں میں بھی سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے سب یکساں بیخبر ہیں اور نادان"۔ (ص ۲۰)
>
> ان باتوں میں سب بندے بڑے اور چھوٹے برابر ہیں۔ عاجز اور بے اختیار۔ (ص ۲۰)

"واضح رہے کہ چھوٹے بندوں سے عام مخلوق مراد ہے اور بڑے بندوں سے انبیاء مراد ہیں"۔

نخوت فکر کا علاج

احیائی صاحب نے مصنف "زلزلہ" پر اپنی دانست میں ایک ایسا وار کیا ہے کہ

جیسے اب مصنف کا ہلاکت کے دلدل سے بچ نکلنا بہت مشکل ہے۔ نادان بچوں کی طرح خوش فہمی میں مبتلا ہونے کا ازالہ ملاحظہ فرمائیں۔ "زلزلہ" کی اس عبارت پر کہ:-

> "مسلمانوں کی عظیم اکثریت انبیاء واولیاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ خدا نے ان نفوس قدسیہ کو غیبی علم و ادراک کی مخصوص قوت عطا کی ہے جس کے ذریعہ انہیں مخفی امور اور چھپے ہوئے احوال کا انکشاف ہوتا ہے"۔ (زلزلہ ص ۵۲)

احیائی صاحب نے مصنف "زلزلہ" پر یہ سنگین الزام عائد کیا ہے کہ:-

> "مولوی احمد رضا خاں صاحب تو فرمائیں کہ بے خدا کے بتائے کسی کو بھی ذرہ بھر کا علم ماننا ضرور کفر ہے۔ مگر یہ زلزلہ کے فاضل مصنف نفوس قدسیہ کے لئے غیبی علم و ادراک کی مخصوص قوت کا انکشاف کریں جن کے دریعہ وہ جمیع علم ماکان ومایکون حاصل کرلیتے ہیں۔ اب معلوم نہیں مولوی احمد رضا خاں صاحب صحیح مسلک کی ترجمانی کر رہے ہیں یا مولوی ارشد القادری"۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۸۳)

دونوں میں تضاد کیا ہے کہ فیصلے کے لئے پنچایت کی ضرورت پڑے۔ خدا کسی کو ایک بات کا علم عطا کرے یا کسی کو غیبی علم و ادراک کی قوت مرحمت فرمائے' دونوں اسی کا عطیہ ہے۔ کفر کا سوال تو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں خدا کی عطا درمیان میں نہ ہو اور پھر کوئی غیب دانی کا دعویٰ کرے۔

البتہ احیائی صاحب نفوس قدسیہ کے لئے "زلزلہ" میں میرا یہ دعویٰ دکھلائیں کہ غیبی علم و ادراک کی مخصوص قوت کے ذریعہ وہ جمیع علم ماکان ومایکون حاصل کر لیتے ہیں۔ میرا دعویٰ صرف یہ ہے۔ جسے احیائی صاحب نے بھی نقل کیا ہے کہ خدا نے ان نفوس قدسیہ کو غیبی علم و ادراک کی مخصوص قوت عطا کی ہے۔ جس کے ذریعہ انہیں مخفی امور اور چھپے ہوئے احوال کا انکشاف ہوتا ہے۔

غیبی علم و ادراک کی قوت معلوم کرنا چاہتے ہوں تو اپنے گھر کی یہ کتاب پڑھیے۔

"بعض کامل الایمان بزرگوں کو جن کی عمر کا بیشتر حصہ تزکیہ نفس اور روحانی تربیت میں گذرتا ہے، باطنی اور روحانی حیثیت سے ان کو منجانب اللہ ایسا ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے کہ خواب یا بیداری میں ان پر وہ امور "خود بہ خود" منکشف ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں"۔
(مبشرات دارالعلوم ص ۱۲)

کہیے! یہ "ملکہ راسخہ" غیبی علم و ادراک کی قوت کا دوسرا نام نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور اسی کے ساتھ لگے ہاتھوں گنگوہی صاحب کے حق میں تذکرۃ الرشید کا یہ عقیدہ نامہ بھی پڑھ ڈالیے۔

"مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو حق تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی صاحب حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادہ سے واقف ہو جاتے ہیں"۔ (تذکرۃ الرشید)

فرمائیے! یہ وہ "علم" غیبی علم و ادراک کی قوت کا دوسرا نام نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اب بھی اگر سمجھ میں نہ آیا تو شاہ عبدالرحیم رائے پور کے متعلق تھانوی صاحب کا یہ انکشاف ملاحظہ فرمائیے۔

"مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کا قلب بڑا ہی نورانی تھا میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں"۔ (ارواح ثلاثہ ص ۴۰۱)

فرمائیے! قلب کی یہ نورانیت غیبی علم و ادراک کی قوت کا دوسرا نام نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اب بھی اگر دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا رہ گیا ہو تو شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب "صراط مستقیم" میں "شغل دورہ" نام کے ایک مراقبہ کا کرشمہ ملاحظہ فرمائیے۔

جس کے ذریعہ روحوں اور فرشتوں کا مشاہدہ' زمین و آسمان اور جنت و دوزخ کی سیر اور لوح محفوظ پر اطلاع' یہ ساری چیزیں ایک سالک جب چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ فارسی میں ان کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"پس باستعانت ہماں شغل بہر مقامیکہ از زمین و آسمان و بہشت و دوزخ خواہد متوجہ شدہ سیر آں مقام نماید و احوال آں جا دریافت کند و باہل آں مقام ملاقات سازد و احیانا" گفتگوئے باایشاں میسر می آید واز آئندہ یا گذشتہ باصلاح و مشاورت کارے از کار ہائے دینی ودنیوی معلوم می گردد۔ (صراط مستقیم ص ۱۱۷)

"یعنی سالک اس مراقبہ کی مدد سے جہاں چاہے زمین و آسمان جنت و دوزخ کی سیر کرے وہاں کے حالات معلوم کرے اور کبھی کبھی ان لوگوں سے بات چیت کا موقع بھی میسر آ سکتا ہے اور ان سے گذشتہ اور آئندہ پیش آنے والے دین و دنیا کے کسی بھی کام میں صلاح و مشورہ کر سکتا ہے"۔

فرمایئے! یہ غیبی علم و ادراک کی اختیاری قوت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اسی کے ساتھ صراط مستقیم کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمالیجئے تاکہ دلیل کی قوت دو آتشہ ہو جائے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

"در نفس سالک راہ نبوت نورے قدسی حادث می شود کہ نسبت آں نور ادراک نسبت ہر صاحب نسبت گو کہ :فضا . و اعلیٰ باشد می تواں کرد چنانچہ در مجمع النور قوت باصرہ نہادہ اند کہ بسبب آں قوت و ضعف خود میکند"۔ (صراط مستقیم ص ۱۷)

"یعنی طریق سنت پر چلنے والے شخص کے اندر ایک ایسا نور قدسی" پیدا ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ کسی بھی باطنی کیفیت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ بزرگی میں وہ اس سے اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔

> باطنی کیفیت کا مشاہدہ کرنے کے لئے وہ نور قدسی بالکل ایسا ہی ہے جیسے محسوسات کا مشاہدہ کرنے کے لئے آنکھوں میں دیکھنے کی قوت"۔

انصاف سے کہئے! کسی بھی سالک کی باطنی کیفیت یا سلسلے کی نسبت کا تعلق امور غیب سے نہیں ہے تو اور کس سے ہے' اور بے لاگ ارشاد فرمایئے کہ یہ "نور قدسی" غیبی علم و ادراک کی اختیاری قوت کا دوسرا نام نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ بالکل ایسی ہی اختیاری جیسے آنکھوں میں دیکھنے کی قوت!

سید احمد صاحب بریلوی کے حق میں غیبی عالم و ادراک کی اختیاری قوت ثابت کرنے کے لئے ان کے رفیق خاص مولوی نجم الاسلام پانی پتی کے حوالے سے تواریخ عجیبہ کے مصنف نے یہ روایت نقل کی ہے کہ:۔

> ایک روز سید صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بصیرت عنایت کی ہے کہ میں دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ بہشتی ہے یا دوزخی۔ اس وقت مولوی صاحب نے پوچھا میں کس فریق میں ہوں آپ نے فرمایا کہ تم تو شہید ہو۔
>
> (تواریخ عجیبہ ص ۹۴)

دیانتداری کے ساتھ فیصلہ کیجئے "اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بصیرت عنایت کی ہے کہ میں دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ بہشتی ہے یا دوزخی!" اس کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا نے غیب دریافت کرنے کی قوت ہی مجھے عطا کر دی ہے اور میں اس قوت کے ذریعے کسی کے متعلق بھی صرف دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی! واضح رہے کہ کسی کا جنتی یا دوزخی ہونا امور غیب ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ غیبی علم و ادراک کی اختیاری قوت نہیں تو اور کیا ہے؟

اب مصنف "زلزلہ" پر شرک کا الزام عائد کرنے سے پہلے مبشرات دارالعلوم تذکرۃ الرشید' ارواح ثلاثہ' صراط مستقیم اور سوانح احمدی والوں کو تختہ دار پر چڑھانے

کا انتظام کر لیجئے۔ کیونکہ قتل کی سزا بہرحال پھانسی ہے۔ آدمی کا قتل ہو، یا مسلک کا، سزا کا استحقاق اپنی جگہ ہے۔

مسلک کا قتل ثابت کرنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے کہ خود آپ ہی نے اپنے قلم سے شہید فرنگ مولوی اسماعیل دہلوی کے حوالے سے مسلک کی تشریح ان لفظوں میں فرما دی ہے۔

> "اس عبارت میں مولانا شہید نے بات صاف کر دی کہ جب چاہے غیب کی بات معلوم کر لے یہ غیر خدا کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ قوت کسی انسان کے لئے ماننا خدا کی خدائی میں شریک ٹھہرانے کے مترادف ہے۔ (زلزلہ در زلزلہ ص)

یہ رہا مسلک، اور قتل کی واردات آپ پڑھ چکے!

عقیدے کی شقاوت

سوانح قاسمی کے حوالے سے مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے ایک خانگی خادم دیوان جی کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ:

> "اس زمانے میں کشفی حالت دیوان جی کی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ باہر سڑک پر آنے جانے والے نظر آتے رہتے تھے۔ در و دیوار کا حجاب ان کے درمیان ذکر کرتے وقت باقی نہیں رہتا تھا"۔
>
> (سوانح قاسمی جلد ۲ ص ۷۳)

اس پر دیوبندی مذہب کے خلاف "زلزلہ" کا الزام یہ تھا۔

> "دیکھ رہے ہیں آپ! مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے ایک خانگی خادم کی یہ کشفی حالت کہ مٹی کی دیواریں شفاف آئینہ کی طرح ان پر روشن رہا کرتی تھیں۔ لیکن فہم و اعتقاد کی اس گمراہی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں مٹی کی

> دیواریں سرکار رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پر حجاب بن کر حائل رہتی تھیں"۔
> جیسا کہ دیوبندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔ (حوالہ کے لئے دیکھیے فیصلہ کن مناظرہ ص ۱۳۶)

اس اعتراض کے جواب میں احیائی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

> اس واقعہ میں کہیں یہ بات ہے کہ ہر وقت ان سے درودیوار کے حجابات یا جملہ حجابات اٹھا لئے جاتے تھے۔ ناقل نے صاف صاف لکھا ہے ذکر کے وقت یہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی"۔ اب اس کے بعد بھی کوئی ایماندار اپنی پوری اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ یہ بات اخذ کرے کہ وہ ہمہ وقت غیب دانی کا دعوئی کرتے تھے تو اس کا کیا علاج ہے؟ (ص ۹۳)

ہمہ وقتی غیب دانی کا دعوئی نہیں کرتے تھے۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہوا کہ صرف ذکر کے وقت وہ غیب دانی کے مدعی تھے۔ چلئے! ذکر ہی کے وقت سہی آپ نے جوش عقیدت میں انہیں غیب داں تو مان لیا۔

اب براہ راست ہمہ وقتی غیب دانی اگر ان کے اختیار میں نہیں تھی تو کیا ہوا' ہر وقت ذکر کرنا تو ان کے اختیار میں تھا۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ ذکر کے توسط سے ہمہ وقتی غیب دانی بھی ان کے اختیار میں تھی تو کیا غلط ہے؟

اناڑی مصنف! آپ کو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں ہے۔ پسینہ سوکھ جائے تو اپنے مفتیوں سے پوچھئے گا کہ ایک لمحے کے لئے بھی کسی کو غیب داں سمجھنا دیوبندی دھرم میں شرک ہے یا نہیں؟

دو چار کتابیں پڑھ کر ایک رات میں مصنف بن جانے کی سزا یہی ہے کہ آپ اپنی برادری میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔

دیوبندی بریلوی اختلافات میں سارا ماتم تو دل کی اسی شقاوت کا ہے کہ رسول

عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو یہ لوگ اتنا بھی نورانی اور روشن نہیں مانتے جتنا کہ ذکر کے وقت اپنے دیوان جی کے حق میں عقیدہ رکھتے ہیں ورنہ کیا وجہ ہے کہ احیائی صاحب نے اپنے دیوان جی کے حق میں تو اس بات کا اعتراف کیا کہ ذکر کے وقت درودیوار کے حجابات ان کی نگاہوں پہ حائل نہیں رہتے تھے لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی جماعت کے اس عقیدے کی تردید نہیں کی کہ دیوار کے پیچھے کی بھی انہیں خبر نہیں تھی۔

خوابوں کا مذہب

آپ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ دیوبندی مذہب کی بنیاد زیادہ تر خوابوں پر ہے۔ چنانچہ اپنے بزرگوں کا تصرف اور غیب دانی ثابت کرنے کے لئے دیوبندی کتابوں میں بہت سے خواب نقل کئے گئے ہیں جیسا کہ زلزلہ کے ص ۱۴۴، ۱۵۸، ۱۸۸، ۱۹۹، ۲۰۶، ص ۲۳۹، ۲۴۹، ۲۵۴، اور ۲۹۹ پر اس طرح کے خوابوں کی نقل کر کے یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ اگرچہ یہ واقعات خواب کے ہیں لیکن جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں ان خوابوں کو درج کیا ہے اور ان خوابوں کی روشنی میں اپنے گھر کے بزرگوں کے لئے تصرف اور غیب دانی کی قوت ثابت کی ہے وہ تو خواب کا واقعہ نہیں ہے۔

احیائی صاحب نے اپنی کتاب میں "زلزلہ" کے الزامات کا جو جواب دیا ہے وہ چشم عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

> "قادری صاحب نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ اعتراض برائے اعتراض کی اس سے زیادہ بدترین اور گھناؤنی مثال کیا ہو گی کہ اکابر دیوبند میں سے کسی نے اگر خواب میں کوئی چیز دیکھی تو اس پر بھی قادری صاحب نے اعتراض کی بوچھاڑ کر دی۔
>
> (زلزلہ در زلزلہ ص ۹۴)

اگر اس طرح کے خوابوں پر اعتراض کرنا ظلم ہے تو اس سے بڑا ظلم یہ ہے کہ

کسی کے اندر تصرف اور غیب دانی کی قوت ثابت کرنے کے لئے ان خوابوں کو دلیل کے طور پر کتابوں میں درج کیا جائے۔ سمجھ گئے نالماجی؟

کندہ ناتراش

"زلزلہ" میں اشرف السوانح کے مصنف جو مولوی اشرف علی صاحب کے مرید بھی ہیں' ان کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے؟ موصوف فرماتے ہیں کہ:۔

> "احقر سے میرے متعدد پیر بھائیوں نے اپنی بعض مستورات کے حسن خاتمہ کے عجیب و غریب واقعات بیان کیے ہیں جو حضرت والا (تھانوی صاحب) سے مرید تھیں"۔
> احقر کے ایک بہنوئی تھے جو عرصہ دراز ہوا حضرت والا سے کانپور جا کر مرید ہو آئے تھے جب کہ اتفاقاً" حضور والا وہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ بعد انتقال کے ایک صالحہ بی بی نے ان کو خواب میں دیکھا کہہ رہے ہیں کہ بہت ہی اچھا ہوا جو میں پہلے سے حضرت مولانا (تھانوی صاحب) سے کانپور جا کر مرید ہو آیا۔ میں یہاں بڑے آرام سے ہوں۔
> (اشرف السوانح جلد ۳ ص ۸۶)

اس واقعہ پر زلزلہ میں جو الزام عائد کیا گیا تھا وہ یہ تھا:۔

> "ملاحظہ فرمایئے! صرف ہاتھ تھام لینے کی یہ برکت ظاہر ہوئی کہ عالم آخرت کا سارا معاملہ درست ہو گیا۔ اس عالم کے کسی نووارد کا کہنا کہ "بہت اچھا ہوا جو میں حضرت مولانا سے مرید ہو گیا"۔ بلاوجہ نہیں۔ یقیناً وہاں سے اس نے اپنے پیر کی نسبت غلامی کا کوئی اعزاز دیکھا ہو گا۔ (زلزلہ ص ۱۸۸)

اس الزام کا جواب دیتے ہوئے احیائی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اشرف السوانح کی عبارت پھر پڑھ ڈالیں۔ کہیں ہے اس میں صرف ہاتھ پکڑ لینے کے الفاظ۔ (ص ۹۵)

اگر اردو زبان کا یہ محاورہ بھی مجھ کو سمجھانا تھا کہ "ہاتھ تھام لینا" مرید کرنے کے مفہوم میں بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ پیر کو دستگیر بھی کہا جاتا ہے' تو احیائی صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ کتاب لکھنے سے پہلے میرے آگے زانوئے ادب تہہ کر لیتے۔ اس مقام پر ذرا احیائی صاحب کی خیانت ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں "زلزلہ" کے الزام کا جو اقتباس نقل کیا ہے وہ صرف "معاملہ درست ہو گیا ہے" تک ہے جبکہ اس کے بعد کا حصہ اس دعوے کی دلیل پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ آپ خود بھی بعد والا حصہ پڑھ کر اسے واضح طور پر محسوس کریں گے۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ کسی کتاب سے صرف دعویٰ نقل کرنا اور دلیل کو چھپا لینا خیانت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

احساس کا نشتر

زلزلہ میں اشرف السوانح کے حوالہ سے تھانوی صاحب کی غیب دانی کے متعلق ان کے مریدوں اور حلقہ بگوشوں کا یہ اعتقاد نقل کیا گیا تھا کہ:۔

ایک مشہور فاضل نے جزما" اپنا یہی اعتقاد (کہ آپ غیب داں ہیں) تحریر فرما کر بھیجا تو حضرت والا نے ان کے خیال کی نفی فرمائی اور جب پھر بھی انہوں نے نہ مانا اور اس نفی کو تواضع پر محمول کیا تو حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ وہ تاجر بڑا خوش قسمت ہے جو اپنے سودے کا ناقص ہونا خود ظاہر کر رہا ہے۔ لیکن خریدار پھر بھی یہی کہہ رہا ہے یہ ناقص نہیں ہے' بہت قیمتی ہے۔

(اشرف السوانح جلد ۳ ص ۵۹)

احیائی صاحب نے اس واقعہ پر "زلزلہ" کا جو اعتراض نقل کیا ہے اور اس میں

جس طرح تحریف و خیانت کی ہے اسے واضح کرنے کے لئے اب میں انہی کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق آمنے سامنے دونوں عبارتیں نقل کرتا ہوں۔

"زلزلہ" کی اصل عبارت ۔	زلزلہ در زلزلہ میں نقل کردہ عبارت
اب بتایئے کہ کون بدبخت مرید ہے جو اپنے پیر کو خوش قسمت دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس جواب میں اپنی غیب دانی کا اعتقاد رکھنے والوں کے لیے خاموش حوصلہ افزائی کا جو جذبہ کارفرما ہے وہ اتنا نمایاں ہے کہ اس پر کوئی پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ تھانوی صاحب کے بارے میں غیب دانی کا دعویٰ اگر شرک تھا تو یہاں فتوے کی زباں کیوں نہیں استعمال کی گئی۔ (زلزلہ ص ۱۹۱)	.... اس جواب میں اپنی غیب دانی کا اعتقاد رکھنے والوں کے لیے خاموش حوصلہ افزائی کا جذبہ کار فرما ہے وہ اتنا نمایاں ہے کہ اس پر کوئی پردہ نہیں ڈالا جا سکتا............................ .... (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۰۰)

کہئے احیائی صاحب! اب تو آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ تحریف و خیانت اور حسب ضرورت اقتباس کے درمیان کیا فرق ہے؟

احیائی صاحب نے اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ جواب نہیں بلکہ ایک بیوہ عورت کا بین معلوم ہوتا ہے' ارشاد فرماتے ہیں :-

> "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قادری صاحب اللہ جل شانہ' و عم نوالہ' کو اس وقت کیا جواب دیں گے جب وہ پوچھے گا کہ میرے ایک بندے نے اپنے لیے صاف صاف غیب دانی کی نفی کی تھی اور تم اس پر یہ الزام لگاتے ہو کہ اس نے اپنے متعلق غیب دانی کا اعتقاد رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔
>
> (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۰۱)

نقد الزام

گھبرائیے نہیں! قیامت کے دن خدا کس سے کیا پوچھے گا وہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے گا اور آپ کے تھانوی صاحب کو بھی۔ لیکن یہ آپ کی کتنی بڑی ناپاک جسارت ہے کہ آپ نے تھانوی صاحب کی عقیدت میں خدا کی طرف اس جھوٹ کی نسبت کی ہے کہ میرے ایک بندے نے اپنے لیے صاف صاف غیب دانی کی نفی کی۔ اگر انہیں صاف صاف اپنی غیب دانی کی نفی مقصود ہوتی تو جو لوگ انہیں غیب داں سمجھتے تھے ان سے فتوے کی زبان سے بات کرتے۔ انہیں توبہ کراتے از سر نو کلمہ پڑھاتے یا پھر اپنی جماعت سے خارج کر دیتے۔ کیونکہ یہ عقیدہ ان کے مسلک کے مطابق صریح شرک تھا۔ لیکن اس کے برعکس اپنے آپ کو خوش قسمت تاجر قرار دینا اپنے بارے میں غیب دانی کا عقیدہ رکھنے والوں کی خاموش حوصلہ افزائی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اس کے بعد بھی آپ کو یہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آئی کہ ایک بندے نے اپنے لئے صاف صاف غیب دانی کی نفی کی۔

اچھا اگر آپ لوگ انہیں غیب داں نہیں سمجھتے تو یہاں چند ہی سطروں کے بعد آپ کی اس عبارت کا مدعا کیا ہے؟

> علمائے دیوبند ہرگز یہ نہیں کہتے کہ اللہ کے علاوہ غیب کی کوئی بات کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۰۱)

حق کی مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے! یہاں تو تھانوی صاحب کی خاموش غیب دانی کا دعویٰ صحیح ثابت کرنے کے لیے علمائے دیوبند کا مسلک یہ بیان کیا جا رہا ہے اور دیوبندی مذہب کی الہامی کتاب "تقویتہ الایمان" میں سچے توحید پرستوں کا عقیدہ یہ ظاہر کیا گیا ہے:۔

> "جو کوئی یہ بات کہے کہ پیغمبر خدا یا کوئی امام یا بزرگ غیب کی بات جانتے اور شریعت کے ادب سے منہ سے نہ کہتے تھے۔ سو وہ بڑا جھوٹا ہے۔ بلکہ غیب کی بات اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی

نہیں"۔ (تقویۃ الایمان ص ۲۷)

ایک ہی عقیدے میں زمین و آسمان کا یہ اختلاف کیا اس حقیقت کی پردہ دری نہیں کرتا کہ دیوبندی مذہب کی بنیاد اصولوں پر نہیں شخصیتوں پر ہے۔

مسلک کا ایک اور خون

اب اسی طرح کا ایک تازہ خون اور ملاحظہ فرمایئے۔ عقیدت کی ترنگ میں اپنے بزرگوں کا تصرف ثابت کرنے کے لیے احیائی صاحب نے اعتراف کیا کہ:

> "اسی طرح وہ (یعنی علمائے دیوبند) اس بات کے بھی قائل نہیں ہیں کہ انسان اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد سرے سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۰۱)

ضرور کر سکتا ہے لیکن تصرف کی یہ قدرت صرف دیوبندی خانوادہ کے بزرگوں کے لئے ہے کیونکہ انبیاء کے حق میں تو دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کا فرمان یہ ہے کہ:

> "اللہ تعالیٰ نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی۔ (ص ۷)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ موقعہ گریبان تھامنے کا ہے یا نہیں؟ کہ ایک طرف تو یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت ہی نہیں دی اور دوسری طرف یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ "علمائے دیوبند اس بات کے بھی قائل نہیں ہیں کہ انسان اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد سرے سے کوئی تصرف ہی نہیں کر سکتا" یعنی بالفاظ دیگر وہ تصرف کے قائل بھی ہیں اور نہیں بھی قائل۔

کہئے! اب تو مان لیا آپ نے کہ دیوبندی مذہب تضادات کا مجموعہ ہے۔

خون کا ایک اور دھبہ

اب اخیر میں اس سے بھی زیادہ دلچسپ ایک قصہ سنئے؟

اپنے بزرگوں کا روحانی تصرف ثابت کرنے کے لیے احیائی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"جب تک اجازت ہے تب تک عالم برزخ سے بھی کچھ روحیں آکر دنیا والوں کی مدد کرتی ہیں۔ (ص ۱۰۲)

اب اس ان کہی کو کیا کہا جائے کہ ایک طرف تو یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت ہی نہیں دی اور دوسری طرف یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ "جب تک اجازت ہے تب تک عالم برزخ سے بھی کچھ روحیں آکر دنیا والوں کی مدد کرتی ہیں"۔

سوال یہ ہے کہ جب خدا نے قدرت ہی نہیں دی ہے تو اجازت پا کر بھی روحیں کیا کر سکتی ہیں اور اگر اجازت کے ساتھ انہیں قدرت بھی عطا کی جاتی ہے تو پھر اہل سنت پر شرک کا الزام کیا ہے جبکہ یہی عقیدہ علمائے دیوبند کا بھی ہے۔

اب گھوم پھر کر بات وہیں آگئی کہ دیوبندی مذہب میں ایک ہی عقیدہ کہیں اسلام ہے اور کہیں کفر۔ عقیدے کا تعلق اگر انبیاء و اولیاء کی مقدس ارواح سے ہے تو سر تا سر شرک ہے، اور گھر کے بزرگوں کے حق میں ہے تو مکمل اسلام ہے۔

حرف آخر

"زلزلہ در زلزلہ" کے تنقیدی جائزہ کے آخری مرحلہ سے گزرتے ہوئے میں اپنے قارئین کرام سے صرف۔ اس نقطے پر ان کے ضمیر کا انصاف چاہوں گا کہ وہ گروہی عصبیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ دلیل کے وزن کی بنیاد پر صحیح اور غلط کا فیصلہ کریں کیونکہ حقیقت کے راستے کی وہ دیوار جسے آج تک کوئی نہیں توڑ سکا ہے اس کا نام "بیجا طرفداری کا جذبہ" ہے۔

انصاف کے اس سنگین مرحلے سے اگر وہ سلامتی کے ساتھ گزر گئے تو مجھے یقین ہے کہ سچائی بہرحال اپنا ایک طاقتور وجود رکھتی ہے وہ انہیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دے گی کہ دیوبندی مذہب پر تضاد، نفاق اور جاہلی عصبیت کا الزام پتھر کی لکیر

کی طرح امر واقعہ ہے"۔

خدائے کارساز کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہزار مصروفیات کے باوجود ایک بہت بڑی ذمہ داری سے آج میں سبکدوش ہو گیا۔ "زلزلہ" کے ذریعہ میں نے عوام کی عدالت میں ایک استغاثہ پیش کیا تھا جس کے جواب میں دیوبندی علماء نے معاندین کا رویہ اختیار کیا۔ لیکن سچائی بہرحال اپنا ایک وجود رکھتی ہے۔ وہ کل "زلزلہ" کے روپ میں آپ کے سامنے تھی۔ آج زیر و زبر کے لباس میں جلوہ گر ہے۔

لالہ رخ، گل پیرہن، رنگین قبا، آتش بجام
ایک قطرہ سو طرح سے سرخرو ہو کر اٹھا

خاتمہ

علمائے بریلی کے خلاف اعتراضات کے جواب میں

احیائی صاحب نے اپنی کتاب میں زلزلہ پر تحریف و خیانت کے جتنے بھی الزامات عائد کئے تھے ان کی دھجیاں اڑا دینے اور الٹے انہیں کے خلاف تحریف و خیانت کے متعدد الزامات ثابت کر دینے کے بعد اب میں اختصار کے ساتھ وہ اعتراضات نقل کر رہا ہوں جو علمائے بریلی پر انہوں نے وارد کئے ہیں۔ تاکہ آپ ان کی علمی لیاقت اور ان کے فکر و اعتقاد کی شقاوتوں کا اندازہ لگا سکیں۔

پہلا اعتراض

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی لاعلمی ثابت کرنے کے لیے احیائی صاحب نے کتنی ہی راتوں کی نیند حرام کر کے قرآن کریم سے چند آیتیں تلاش کی ہیں اور ان سے ثابت کیا ہے کہ انبیائے کرام کو فلاں فلاں چیز کا علم نہیں تھا۔

جن انبیائے کرام کے خلاف نقائص کی فہرست جمع کرنے میں انہوں نے جانفشانی اور محنت و عرق ریزی کا مظاہرہ کیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام، سیدنا حضرت لوط علیہ السلام، سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام، سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

یہ حقیقت تو آنے والے اوراق ہی سے واضح ہو گی کہ احیائی صاحب نے آیتوں کا مطلب بیان کرنے میں کتنی شرمناک خیانتوں سے کام لیا ہے۔ لیکن دراصل یہاں محسوس کرنے کی خاص چیز دیوبندی علماء کا وہ ناپاک جذبہ ہے جس کے زیر اثر

انہوں نے انبیاء کرام کے علمی نقائص کی تلاش کے لیے قرآن کریم کی ورق گردانی کی ہے۔ اس لیے کہنے دیا جائے کہ انبیائے کرام کے لیے ان کے دل میں ذرا بھی احترام کا جذبہ موجود ہوتا تو وہ ان کے علمی نقائص کے مواقع تلاش کرنے کے بجائے قرآن کریم میں ان کے علمی کمالات کی آیتیں تلاش کرتے۔

ہزار صفائی پیش کرنے کے باوجود ان کے اس عمل سے زلزلہ کا یہ الزام مہر نیم روز کی طرح واضح ہو گیا کہ علمائے دیوبند کے قلوب خدا کے محبوب پیغمبروں کی طرف سے اس درجہ مسخ ہو گئے ہیں کہ اب ان کے صحت یاب ہونے کی کوئی امید باقی نہیں ہے۔

دل کی کدورت کا آئینہ

رسول دشمنی کے جذبے میں مولوی احیائی صاحب نے آیات قرآنی کا مفہوم کس ناپاک جسارت کے ساتھ مسخ کیا ہے اگر آپ اس کا اندازہ لگانا چاہیں تو ذیل کی بحث کا غیر جانبدار ہو کر مطالعہ کیجئے۔

مثال کے طور پر انہوں نے سید الانبیاء حضور پرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی تنقیص ثابت کرنے کے لئے قرآن کی یہ آیت پیش کی ہے **وما ادری ما یفعل بی ولا بکم۔**

اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا؟

اس آیت کو پیش کر کے احیائی صاحب نے بڑے طنطنے کی ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ جب پیغمبر کو خود اپنا اور اپنی امت کا حال تک نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ان کے حق میں سب کچھ جاننے کا عقیدہ بریلوی حضرات کا خود ساختہ عقیدہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

احیائی صاحب کے دل میں اپنے نبی کی طرف سے کتنا غبار بھرا ہوا ہے اور کتنی بے دردی کے ساتھ انہوں نے آیت کی تشریح میں معنوی تحریف کی ہے اسے معلوم کرنے کے لیے اسی آیت کے ذیل میں تفسیر خازن کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

لما نزلت هذا الایتہ فرح المشرکون فقالوا واللات والعزی ما امرنا و امر محمد الا واحدا" اومالہ علینا من مزیتہ وفضل لولا انہ ما ابتدع مایقولہ لاخبرہ الذی بعثہ بما یفعل بہ فانزل الل٥ عزو جل لیغفر لک الل٥ ماتقدم من ذنبک الایتہ فقالت الصحابتہ ھنیالک یا نبی اللہ قد علمت مایفعل بک فما ذایفعل بنا فانزل اللہ لید خل المومنین والمومنات جنات الایتہ و انزل بشرالمومنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا" وھذا قول انس وقتادۃ دعکرمتہ قالوا انما ھذا قبل ان یخبر بغفران ذنبہ و انما اخبر غفران ذنبہ علم الحدیبیتہ فنسخ ذالک۔ (تفسیر خازن)

یعنی جب آیت نازل ہوئی تو کفار و مشرکین بہت خوش ہوئے اور انہوں نے لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اب ہمارا اور محمد کا معاملہ بالکل یکساں ہو گیا اور اب ہم پر انہیں کسی طرح کی برتری حاصل نہیں رہی۔ قرآن کے نام سے جو کچھ پڑھ کر وہ سناتے ہیں اگر وہ ان کا اپنا بنایا ہوا نہ ہوتا تو جس (خدا) نے انہیں بھیجا ہے وہ ضرور انہیں خبر دیتا کہ ان کے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ کیا جائے گا۔

مشرکین کے اس طعنے کے جواب میں جب خدا نے لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک والی آیت نازل فرمائی تو صحابہ کرام خوشی سے جھوم اٹھے اور کہنے لگے کہ مبارک ہو آپ کو اب تو آپ نے جان لیا کہ آپ کے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ کیا جائے گا۔ لیکن ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔ کاش یہ بھی معلوم ہو جاتا تو اس پر لید خل المومنین والمومنات جنات الایتہ اور بشرالمومنین بان ھم من اللہ فضلا کبیرا والی آیتیں

نازل ہوئیں۔ حضرت انس، حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم صحابہ کرام نے ارشاد فرمایا کہ **لا ادری مایفعل بی ولا بکم** والی آیت صلح حدیبیہ کے سال ان آیتوں کے ذریعہ منسوخ ہو گئی۔ (تفسیر خازن)

ذرا کفر و نفاق کی یک رنگی ملاحظہ فرمایئے کہ آیت کے نزول کے موقعہ پر مشرکین عرب صرف اس لیے خوش ہوئے تھے کہ آیت سے نبی کی لاعلمی ثابت ہو رہی تھی اور آج کے منافقین بھی خوشی کی ترنگ میں اس آیت کو صرف اس لیے پیش کرتے ہیں کہ نبی کی لاعلمی ثابت کرنے کے لیے انہیں آیت میں اپنے جذبہ عناد کی تسکین کا سامان نظر آتا ہے۔

کل کے کفر اور آج کے نفاق کی ہم رنگی کے ساتھ ساتھ اب ذرا عشق و اخلاص کے مزاج کی ہم آہنگی بھی دیکھئے کہ جیسے ہی دوسری آیتوں کے ذریعہ اس آیت کی منسوخی کا اعلان ہوا اور حضور کو بتا دیا گیا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا تو صحابہ کرام خوشی سے جھوم اٹھے اور دربار میں حاضر ہو کر انہوں نے مبارک باد کا ہدیہ پیش کیا۔

دلوں کی کیفیات کے آئینے میں اگر حالات کا جائزہ لیجئے تو آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ آج آقائے نامدار کی علمی تنقیص کا کوئی موقعہ تلاش کر کے دیوبندی علماء کو بھی بالکل ویسے ہی خوشی محسوس ہوتی ہے جیسی اس آیت کے نزول کے موقع پر مشرکین عرب کو ہوئی تھی اور سرکار کے علم و فضل کا جلوہ دیکھ کر صحابہ کو جتنی مسرت حاصل ہوئی تھی الحمدللہ کہ علمائے بریلی کو بھی ان کی خوشی کا بھرپور حصہ ملا ہے۔

اور رسول دشمنی، بددیانتی اور دل کی کدورت کا سب سے شرمناک پہلو تو یہ ہے کہ مستند تفاسیر کی روشنی میں یہ واضح ہو جانے کے بعد بھی کہ یہ آیت دوسری آیتوں کے ذریعہ منسوخ ہو چکی ہے اور حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے صاف صاف مطلع کر دیا ہے کہ آخرت میں ان کے ساتھ اور ان کی امت کے

ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ لیکن ان تمام وضاحتوں کے باوجود دیوبندی علماء آج تک یہی کہے جا رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اپنے بارے میں کوئی علم تھا اور نہ دوسروں کے بارے میں وہ کچھ جانتے تھے۔

ڈوب مرنے کی جگہ

علم آخرت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دیوبندی مولویوں کے عقیدے کی گھناؤنی تصویر آپ دیکھ چکے۔ اب اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں تصویر کا یہ دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے۔

سید احمد صاحب بریلوی کے مصاحب خاص مولوی نجم الاسلام پانی پتی کے حوالہ سے تواریخ عجیبہ کے مصنف کی نقل کردہ یہ روایت پچھلے صفحات میں کہیں گزر چکی ہے کہ:۔

> ایک روز سید صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے مجھے ایسی بصیرت عنایت کی ہے کہ دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ بہشتی ہے یا دوزخی! اس وقت مولوی صاحب نے پوچھا کہ میں کس فریق میں ہوں آپ نے فرمایا کہ تم تو شہید ہو۔ (تواریخ عجیبہ ص ۹۴)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ سید احمد صاحب بریلوی کے متعلق تو یہ عقیدہ ہے کہ وہ ہر شخص کے بارے میں بتا سکتے تھے کہ آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے مولوی موصوف کے متعلق صاف صاف بتا بھی دیا کہ وہ شہید ہیں یعنی جنت میں جائیں گے۔ لیکن افسوس کہ یہی عقیدہ سرکار مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے حق میں علمائے دیوبند کے نزدیک شرک ہے۔ بریلویوں کا تراشیدہ ہے اور قرآن کے سرتاسر خلاف ہے حالانکہ قبر سے لے کر حشر تک اور دخول جنت و نار تک ہزاروں ہزار حدیثوں کے ذریعہ آخرت میں پیش آنے والے واقعات و حالات کی حضور نے نہایت تفصیل کے ساتھ خبر دی ہے۔

دوسرا اعتراض

اپنے باطل عقیدوں اور منافقانہ کردار کی طرف سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے احیائی صاحب نے برادری کی عصبیت کا جذبہ ابھارنے کی کوشش کی ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر یہ بہتان باندھا ہے کہ انہوں نے انصاری برادری کی تذلیل کی ہے۔

میں کن لفظوں میں دیوبندی مولویوں کے اس ظلم و شقاوت کے خلاف احتجاج کروں کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ نکاح کے سلسلے میں جہاں بہت ساری شرطیں ہیں وہاں کفو کا مسئلہ بھی نہایت اہم ہے۔ کفو کا مطلب یہ ہے کہ جن دو افراد کے درمیان نکاح کا رشتہ منعقد کیا جا رہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان نسب' اسلام' حریت' دیانت مال اور پیشے کے اعتبار سے برابری ضروری ہے جیسا کہ خود دیوبندی فرقے کے مشہور رہنما مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی اپنی کتاب "وصل السبب فی فصل النسبؔ" میں پیشے کے اعتبار سے کفو کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

> "کپڑا بننے والا درزی کا کفو نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے ادنیٰ ہے اور درزی بزاز (یعنی کلاتھ مرچنٹ) کا کفو نہیں ہو سکتا اور بزاز عالم و قاضی کا کفو نہیں ہو سکتا۔ (ص ۱۸)

اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ فتاوی عالمگیری اور فتاوی قاضی خاں میں بیان کیا گیا ہے جس کی عربی عبارت یہ ہے۔

> وفی قولی ابی یوسف و محمد رحمهما الله واحدی الروایتین عن ابی حنیفة صاحب الحرفة الدنیة کالبیطار والحجام و الحائک والکناس والدباغ لایکون کفو للعطار و البزاز و الصراف هوالصحیح کذافی فتاوی قاضی خاں۔
>
> (عالمگیری جلد ۲ ص ۳۱ کتاب النکاح باب الکفارۃ)

فتاویٰ رضویہ کا صحیح مفہوم

فتاویٰ رضویہ کی جس عبارت پر احیائی صاحب نے اعتراض کیا ہے وہ اسی عربی عبارت کا اردو ایڈیشن ہے۔ احیائی صاحب میں ذرا بھی علم و دیانت کی غیرت ہو تو وہ فتاویٰ عالمگیری کی اس عربی عبارت کا اردو میں ترجمہ کر کے ثابت کریں کہ فتاویٰ رضویہ میں جو سرخی قائم کی گئی ہے وہ اس عبارت کا مفہوم نہیں ہے؟

اصل قاتلوں کی نشاندہی

احیائی صاحب کے گمراہ کن الزام کی حقیقت واضح کر دینے کے بعد اب میں دیوبند کے ان پارساؤں کے چہرے سے نقاب اٹھا رہا ہوں جنہوں نے انصار برادری کی واقعۃً" تذلیل کی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولوی شفیع صاحب "انصاری" کے لفظ پر طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

> ایک قوم اس میں سرگرم ہے کہ اپنے آپ کو انصاری ثابت کرے اور نسب انصار سے جا ملائے تو دوسری اس کے درپے ہے کہ اپنے کو قریش میں داخل کرے۔ تیسری یہ چاہتی ہے کہ راعی بن کر عرب میں داخل ہو جائے۔ کوئی اس فکر میں ہے کہ اپنے آپ کو شیخ صدیقی یا فاروقی، عثمانی، علوی ظاہر کرے تو کوئی سید بننے کے درپے ہے اور منشا اس کا تکبر و غرور ہے جو فی نفسہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی وجہ سے نسب بدلنا مستقل دوسرا گناہ کبیرہ ہے۔
>
> (ص ۲۴ نہایات الارب مصدقہ تھانوی صاحب)

اب اسی کے ساتھ نسب بدلنے کی مذمت میں جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ ذرا ان کا بھی مطالعہ فرمالیں تاکہ علمائے دیوبند کا مدعا سمجھنے میں آسانی ہو۔

پہلی حدیث

جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف منسوب کرے

حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔

دوسری حدیث

جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا آزاد کردہ غلام اپنے آپ کو اپنے آقا کے قبیلہ کے سوا اور قبیلہ کی طرف نسبت کرے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ ان حدیثوں کو انصاریوں پر منطبق کرکے دیوبند کے یہ پارسا سوا اس کے اور کیا کہنا چاہتے ہیں کہ :

(۱) انصاریوں پر جنت حرام ہے۔

(۲) انصاریوں پر اللہ کی لعنت ہے' فرشتوں کی لعنت ہے اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

(۳) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انصاریوں کا نہ فرض قبول کرے گا اور نہ نفل

ہم نہ کہتے تھے کہ اے داغ تو زلفوں کو نہ چھیڑ　　اب وہ برہم ہے تو ہے تجھ کو قلق یا ہم کو